

جماعت اسلامی

شیش محل

— مصنف —

علامہ مشاق احمد نظامی

مکتبہ جامعہ ○ گنج بخش روڈ ○ لاہور

Marfat.com

Marfat.com

نام کتاب — شیش محل  
مصنف — علامہ شتاق احمد نظامی  
حرف آغاز — جناب اختر شاہ جہانپوری  
سن طباعت — ۱۹۸۲ء  
مطبع — گنج شکر پرنٹرز لاہور  
ناشر — مکتبہ حامدیہ گنج بخش روڈ۔ لاہور  
قیمت — روپے

# فہرس

- ۴ - ۱۔ حرفِ آغاز (از اختر شاہ جہان پوری)
- ۱۰۰ - ۲۔ پیش لفظ (از مصنف)
- ۱۱۲ - ۳۔ مودودی صاحب کا مبلغِ علم
- ۱۲۱ - ۴۔ ڈاکٹر عبدالودود کی رائے
- ۱۳۵ - ۵۔ کوثر نیازی کے خط اور استعفیٰ کا سرسری جائزہ
- ۱۳۹ - ۶۔ دعویٰ اور عمل کا تضاد
- ۱۴۹ - ۷۔ مجدد، مہدی اور وصال وغیرہ پر مودودی تحقیق
- ۱۹۴ - ۸۔ صحابہ کرام کے متعلق دریدہ دہنی  
(مودودی تہذیب و شرافت کے نمونے)
- ۲۳۳ - ۹۔ بحث و نظر



# حرفِ آغاز

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ - اَمَّا بَعْدُ  
 جماعتِ اسلامی کے نام سے جو تازہ فرقہ منصفہ شہرِ پٹوہ گڑھوگر تیس چالیس سال سے پاک و ہند  
 کی سرزمین میں چیل قدمی کرتا ہوا نظر آ رہا ہے، اس کے بانی و مؤسس عالیجناب ابوالاعلیٰ مودودی  
 صاحب ہیں۔ موسوف تا حال زندہ ہیں اور پاک و ہند کی جانی پہچانی شخصیت ہی نہیں بلکہ بیرون ملک  
 بھی ان کی شہرت دور دور تک ہے۔ موسوف اگرچہ کوئی مستند عالم دین تو نہیں لیکن دینی موضوعات  
 پر ان کی کتنی ہی تصانیف موجود ہیں، جن کے باعث مدتوں ان کا نام زندہ رہ سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فنِ تصنیف میں انہیں کافی ملکہ حاصل ہے۔ زبان و بیان پر ان کی قدرت  
 سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ طرزِ استدلال ایسا دلنشین ہوتا ہے کہ ایک عام قاری سراسر بات کو  
 سو فیصد صحیح ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اس کے سابقہ نظریات کی دیواریں یکے بعد دیگرے گرتی  
 چلی جاتی ہیں۔ کاش! مودودی صاحب اپنے قلم کی اس سحر کاری سے مسلمانانِ پاک و ہند کی  
 رہنمائی کا فریضہ ادا کرتے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو یقیناً مسلمان انہیں سرانگموں پر جگہ دیتے، وہ دلوں  
 میں گھر کر گئے ہوتے، مسلمانوں کے دلوں پر وہ حکمرانی کر رہے ہوتے لیکن افسوس! مودودی صاحب  
 نے اس نعمتِ خداوندی کی قدر نہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں رہنمائی کے ساز و سامان سے مالا مال  
 کیا تھا۔ لیکن اسے بخت کی نارسائی کے لیے یا حالات کی ستم ظریفی کہ پاک و ہند کے اس  
 سحر آفریں قلم کار کو جہاں اپنے قلم سے رہنمائی کا کام لینا چاہیے تھا وہاں اس کے برعکس استعمال کیا۔  
 لکن ہے بعض قارئین ہمارے ان لفظوں پر چونک پڑیں اور مجسمہ سوال بن کر پوچھ بیٹھیں  
 کہ مودودی صاحب نے مسلمانوں کو کب غلط راستے پر لگانے کی کوشش کی؟ بعض حضرات جو  
 دن کے اُجالے میں عالیجناب مودودی صاحب کی بارگاہ میں یوں سجدِ عقیدت لٹاتے ہیں کہ  
 علمائے دین و ائمہ مجہدین سے صحابہ کرام تک اور وہاں سے جملہ انبیائے کرام و سید الانبیاء

علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو تنقید کی کسوٹی پر رکھنا اپنا پیدائشی اور موروثی حق گزانتے ہیں اور اس حق سے کسی مرحلے پر بھی وہ دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں لیکن اس کے برعکس کوئی مودودی حسبِ پرتقید کرے تو بات انتہائی خطرناک موڑ پر آ پہنچتی ہے، کیونکہ ان کے نزدیک اس کائنات ارضی و سماوی میں سے اگر کوئی ہستی تنقید سے بالاتر ہے تو وہ صرف اور صرف مودودی صاحب کی ذات گرامی ہے۔ ایسے جملہ حضرات اگر ہمارے مذکورہ ریمارک کو افزا، قرار دیں تو کیا جائے تعجب ہے؟ ہم فرست

اتنا ہی کر سکتے ہیں کہ فارین کرام کو قرآن کریم کے یہ الفاظ سُنادیں:

أَفَأَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ۔

یہ چند پرگندہ سطور ان الفاظ کی بلی سی شرح ہیں جو محض خیر خواہی کے جذبے سے لکھی جا رہی ہیں کیونکہ:

اگر چہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں

مجھے ہے حکم ازاں لا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ

مودودی صاحب چونکہ بین الاقوامی پوزیشن کے مالک ہیں، جس کے پیش نظر انہوں نے مسلمانوں پر اپنی قد آور شخصیت کے مطابق ہی مہربانیوں کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔ اس کرم نوازی کی فہرست تو بہت طویل ہے، جس پر ہم نے میر حاصل تبصرہ تحفہ مودودیت میں کیا ہے یہاں صرف چیدہ چیدہ عنایات کا ذکر کر دینا ہی کافی ہے کیونکہ یہ چند اوراق تفصیل کے متحمل کہاں؟

وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقِ۔

## پہلی عنایت

ملتِ اسلامیہ جو پہلے ہی متعدد فرقوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی تھی، مودودی صاحب فرقی سازی نے ازراہ کرم اُس پر ایک تازہ فرقہ جماعتِ اسلامی کا بوجھ اور لا دیا۔ کہنے کو تو موصوف یہی کہتے ہیں کہ میں نے نیا فرقہ نہیں بنایا اور میرا تیار کردہ گروہ بنام جماعتِ اسلامی کوئی جدید فرقہ نہیں ہے بلکہ اسلام کی رُوح سے نا آشنا ہستیوں اور صالحین کی ایک جماعت تیار کی جا رہی ہے۔ موصوف کا یہ فرمانا اپنی جگہ پر بجا ہے کیونکہ آج جبکہ کسی بڑے سے بڑے گمراہ گرنے بھی یہ نہیں کہا ہو گا کہ میں گمراہوں کی جماعت بنا رہا ہوں یا میں گمراہ گر ہوں۔ دور

کیوں جائیں اپنے ہی ملک میں مسٹر غلام احمد پرویز صاحب اور مرزا غلام احمد قادیانی کی مثالیں سامنے ہیں۔ دونوں حضرات ہی تعمیرِ ملت کا دعویٰ کرتے رہے۔ پیشِ خویش جھوٹے بھٹکے مسلمانوں کو صراطِ مستقیم پر گامزن کرنے ہی کا دعویٰ تھا لیکن گمراہ گرمی کے سوا انہوں نے اور کیا کیا ہے؟ حقائق کی روشنی میں مودودی صاحب کی رہبری بھی مذکورہ دونوں حضرات سے چنداں مختلف نہیں۔ مودودی صاحب نے اس حقیقت کو خود بھی ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے:

”یہ بھی انسان کی عین فطرت ہے کہ وہ بُرائی کی کھلی دعوت کو کم ہی قبول کرتا ہے۔

عموماً اسے جال میں پھانسنے کے لیے ہر داعیِ شر کو خیر خواہ کے بھیس ہی میں آنا

پڑتا ہے! ۱۷

بہر حال مودودی صاحب مکمل خیر خواہ ہی کے بھیس میں آئے اور اسی بھیس میں تا حال جی رہے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ موصوف ہی کی ذاتِ تفہیم القرآن کی مصنف ہے جو دوسروں کو قرآنِ کریم کے مفہوم و مطالب ذہن نشین کر دانے میں ایک مدت سے کوشاں ہے۔ وہ ارشادِ خداوندی:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا  
وَلَا تَفَرَّقُوا۔ ۱۸

اور اللہ کی رتی کو مضبوطی سے سب  
مل کر اور آپس میں پھٹ نہ جانا۔

سے کس طرح بے خبر رہ سکتا ہے؟ یہاں اللہ جل مجدہ نے فرقہ سازی سے روکا ہے لیکن مودودی صاحب نے جراتِ رندانہ سے کام لے کر ملتِ اسلامیہ کو ایک تازہ فرقہ مرحمت فرمایا دیا۔ اللہ تعالیٰ کے صریح حکم کی مخالفت ہوئی تو ہوتی پھرے کیونکہ مسلمانوں کے سامنے خیر خواہ کے بھیس میں جو آنا ہے یقیناً یہ آبیہ کریمہ بھی پیش نظر ہوگی،

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ  
مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ  
غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ

اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے  
کہ حق راستہ اُس پر کھل چکا اور مسلمانوں  
کی راہ سے جدا راہ چلے۔ ہم اسے اس کے

۱۷ تفہیم القرآن، جلد دوم، طبع ہشتم، ۱۹۶۴ء، ص ۱۶

۱۸ پارہ ۴، سورہ آل عمران، آیت ۱۰۳

مَا تَوَلَّى وَنُصِّلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ  
مَصِيْدًا ۝ ۷  
حال پر چھوڑیں گے اور اُسے دوزخ میں  
داخل کریں گے اور وہ کیا ہی بُری جگہ  
ہے پلٹنے کی۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے رسول کا خلاف کرنے والوں اور مومنین کے راستے کو چھوڑ کر کسی اور راستے پر چلنے والوں کو جہنم کی وعید سنائی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیجیے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی ایک ہی جماعت بنائی تھی۔ اب جو مسلمانوں کی اُس اصلی جماعت راستے کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرے وہ خود کو جہنم کا ایندھن بنانے پر ہی تو مٹا ہوا ہے۔ بموجب احادیث مسلمانوں کی اُس اصلی جماعت نے قیامت تک موجود رہنا ہے اور فرمان نبوی ولایزال طائفۃ من امتی..... (المحدث) کے مطابق اُس کا ایک گروہ تو حقانیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر دینِ متین کی نگہبانی کا قیامت تک فریضہ ادا کرتا رہے گا۔ جماعتِ اسلامی کے منظرِ عام پر آنے سے پہلے بھی یقیناً مسلمانوں کی اصلی جماعت موجود تھی۔ سابقہ تمام جماعتوں میں سے جس کو بھی اصلی جماعت شمار کرتے اُس کے اندر رہ کر دین کی خدمت کرتے رہتے۔ لیکن مودودی صاحب نے ایسا نہیں کیا بلکہ جماعتِ اسلامی کے نام سے تازہ فرقہ کھڑا کر کے اپنا راستہ سب سے علیحدہ متعین کیا حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ قرآن کریم کی رو سے نیا فرقہ یا نئی دینی جماعت بنانا جہنم خریدنا ہے لیکن اُنھوں نے ایسا کر گزرنے میں کسی قسم کی کوئی جھجک محسوس نہیں کی۔ قرآن مجید کی صریح مخالفت کا وبال اپنے سر لے لیا اور سابقہ فرقوں میں ایک فرقے کا مزید اضافہ کر کے بائیانِ فرقہ باطلہ کی صف میں جا کھڑے ہوئے۔

مگر ہے مودودی صاحب یہ فرمائیں کہ میرے نزدیک سابقہ ساری جماعتوں میں سے کوئی جماعت بھی اصلی نہیں ہے۔ فرض کر لیجئے کہ سب کبار کی دکان کا سودا ہیں۔ سب کے سب کھوٹے ہیں کھرا مال نایاب ہو گیا تھا۔ وریں حالت جماعتِ اسلامی کو کھرا مال کہاں سے ملا؟ کیا مودودی صاحب اپنے متبعین کو عرش سے لا کر دین عطا فرما رہے ہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ یا اُس کے آخری رسول سے

۷ پارہ ۵، سورہ نساء، آیت ۱۱

براہ راست دین حاصل کرنے کا کوئی طریقہ ایجاد فرمایا گیا ہے؛ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو جماعتِ اسلامی کی جھولی میں جو مال ہے اُسے کھرا کس بنیاد پر کہا جائے؛

اے صاحبانِ عقل و دانش! مسلمانوں کی اصلی جماعت کو غلط بتانا حقیقت میں اپنے غلط ہونے کا اقرار کرنے اور جہنم کا ایندھن بننے کے سوا اور کچھ نہیں۔ امام مہدی کا ظہور اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اسی اصلی جماعت میں ہوتا ہے جسے خیر امت اور امتِ وسطیٰ کہا گیا ہے اور جس نے قیامت تک بنی نوع انسان کو راہِ ہدایت دکھانی اور آندھیوں میں بھی چراغِ انسانیت روشن رکھنا ہے۔ اگر کھرا مال یعنی صحیح دین جماعتِ اسلامی کے پاس تسلیم کر لیا جائے تو تقریباً چالیس سال پہلے جب جماعتِ اسلامی کا وجود ہی نہیں تھا، یا جب مودودی صاحب اس دنیا میں تشریف ہی نہیں لائے تھے تو اُس وقت سے لے کر کچھلی صدیوں کے تمام مسلمان گویا اصلی دین سے محروم ہی رہے۔ آج بھی جن ممالک میں جماعتِ اسلامی کا وجود نہیں یا جو حضرات مودودی صاحب کے یہاں بھی حلقہ بگوش نہیں ان بچاروں کی محرومی کا داغ تو مودودی صاحب کی موجودگی میں بھی نہ دھل سکا۔ معلوم نہیں گزشتہ صدیوں کے ایسے مسلمانوں اور موجودہ محروموں کو جماعتِ اسلامی والے امتِ مرحومہ کے زمرے میں اپنی فیاضی سے شمار کر لیتے ہیں یا اپنے عادلانہ نظام کے تحت اُسے امتِ ملعونہ قرار دے دیتے ہیں؛ آخر انھیں کسی نہ کسی کنارے پر تو ضرور لٹکایا جاتا ہوگا۔

یقیناً مودودی صاحب سے لے کر جماعتِ اسلامی کے کتنے ہی افراد نماز پڑھتے ہوں گے اور نمازوں میں اپنے پیدا کرنے والے سے اُس کے حضور کھڑے ہو کر اُن دُعا بھی مانگتے ہوں گے؛

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ  
الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝  
غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا  
الضَّالِّينَ۔

یہیں سیدھا راستہ دکھا۔ اُن لوگوں کا راستہ  
جن پر تُو نے انعام فرمایا۔ جو مستوب نہیں  
ہوئے، جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں۔ لہ

لہ تفہیم القرآن، جلد اول، طبع یازدہم، ص ۴۵



صراطِ مستقیم کیا ہے؟ انسان اپنے پروردگار کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر صراطِ مستقیم کی التجا پیش کرتا ہے، جس سے یہ بات پر وہ ذہن پر آتی ہے کہ دنیا و آخرت کی تمام نعمتوں میں صراطِ مستقیم کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، اسی لیے تو بندہ سب سے پہلے اسی کی درخواست پیش کرتا ہے مودودی صاحب سے سنیے کہ صراطِ مستقیم کیا ہے:

”یعنی زندگی کے ہر شعبہ میں خیال اور عمل اور برتاؤ کا وہ طریقہ ہمیں بتا جو بالکل صحیح ہو، جس میں غلط بینی اور غلط کاری اور بد انجامی کا خطر نہ ہو، جس پر چل کر ہم سچی فلاح و سعادت حاصل کر سکیں۔ یہ ہے وہ درخواست جو قرآن کا مطالعہ شروع کرتے ہوئے بندہ اپنے خدا کے حضور پیش کرتا ہے۔ اُس کی گزارش یہ ہے کہ آپ ہماری رہنمائی فرمائیں اور ہمیں بتائیں کہ قیاسی فلسفوں کی اس مجہول بھلیاں میں حقیقت نفس الامری کیا ہے۔ اخلاق کے ان مختلف نظریات میں صحیح نظام اخلاق کون سا ہے۔ زندگی کی ان بے شمار پگڈنڈیوں کے درمیان فکر و عمل کی سیدھی اور صاف شاہراہ کون سی ہے۔“

چونکہ صراطِ مستقیم کا تعین اللہ جل مجدہ نے خود فرمایا اور اپنے بندوں سے لکھوایا ہے کہ صراطِ الذین انعمت علیہم یعنی صراطِ مستقیم اُس راستے کا نام ہے جس پر انعام پانے والے بندے چلتے رہے۔ اس حقیقت کی مختصر سی تشریح جناب مودودی صاحب کے لفظوں میں ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہے:

”یہ اُس سیدھے راستے کی تعریف ہے جس کا علم ہم اللہ تعالیٰ سے مانگ رہے ہیں، یعنی وہ راستہ جس پر ہمیشہ سے تیرے منظور نظر لوگ چلتے رہے ہیں۔ وہ بے خطا راستہ کہ قدیم زمانہ سے آج تک جو شخص اور جو گروہ بھی اس پر چلا وہ تیرے انعامات کا مستحق ہوا اور تیری نعمتوں سے مالا مال ہو کر رہا۔“

۱۔ تفہیم القرآن، جلد اول، ص ۲۵  
۲۔ ایسا، ص ۵۴

جس راستے پر مودودی صاحب کے نزدیک بھی اللہ تعالیٰ کے منظور نظر بندے چلتے رہتے تھے یقیناً وہ راستہ جماعت اسلامی تو ہرگز نہیں ہوگا کیونکہ یہ توکل پر سوں کی پیداوار ہے۔ اس کے باوجود ہمارا ناقص فہم یہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ مودودی صاحب ان برگزیدہ ہستیوں کے راستے کو چھوڑ کر اپنی علیحدہ پگڈنڈی کیوں بنا بیٹھے؛ بلکہ موصوف نے اپنی تمام صلاحیتیں اسی مقصد کے لیے وقف رکھی ہیں کہ دوسروں کو بھی اس شاہراہ (صراطِ مستقیم) سے ہٹا کر اپنی پگڈنڈی پر چلایا جائے۔ اسلام کے محافظوں اور علمِ نبی کے دارثوں یعنی حضراتِ علمائے کرام کی موجودگی میں مودودی صاحب ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے اور مسلمانوں کی جمعیت کو منتشر کرنے کی جسارت کیوں کر بیٹھے؛ ممکن ہے اس کا بھید ہمیں معلوم نہ ہوتا لیکن موصوف نے ہماری یہ مشکل خود ہی آسان فرمادی کہ فرقہ سازی کی غرض و غایت پر یوں تبصرہ کیا ہے:

”اس فرقہ بازی کا محرک کوئی نیک جذبہ نہیں تھا بلکہ یہ اپنی پرانی اُچھ دکانے کی خواہش، اپنا الگ جہنڈا بلند کرنے کی فکر، آپس کی خدمتِ فساداً ایک دوسرے کو زک دینے کی کوشش اور مال و جاہ کی طلب کا نتیجہ تھی۔ ہوشیار اور حوصلہ مند لوگوں نے دیکھا کہ بندگانِ خدا اگر سیدھے سیدھے خدا کے دین پر چلتے رہیں تو بس ایک خدا ہوگا، جس کے آگے لوگ جھکیں گے۔ ایک رسول ہوگا جس کو لوگ پیشوا اور رہنما مانیں گے۔ ایک کتاب ہوگی جس کی طرف لوگ رجوع کریں گے اور ایک صاف عقیدہ اور بے لاگ ضابطہ ہوگا جس کی پیروی وہ کرتے رہیں گے۔ اس نظام میں اُن کی اپنی ذات کے لیے کوئی مقامِ امتیاز نہیں ہو سکتا، جس کی وجہ سے اپنی مشینت چلے اور لوگ ان کے گرد جمع ہوں اور ان کے آگے سر جھکیں اور جیبیں بھی خالی کریں۔ یہی وہ اصل سبب تھا جو نئے نئے عقاید اور فلسفے، نئے نئے طرزِ عبادت اور مذہبی مراسم اور نئے نئے نظامِ حیات ایجاد کرنے کا محرک بنا اور اسی نے خلقِ خدا کے ایک بڑے حصے کو دین کی صاف شاہراہ سے ہٹا کر مختلف راہوں میں پراگندہ کر دیا۔“

لے تفہیم القرآن، جلد چہارم، طبع سوم، ص ۲۹۳، ۲۹۴

مودودی صاحب نے بڑی فراخ دلی کے ساتھ فرقہ سازی کی غرض و غایت تو بیان فرمادی، اب یہ بات بھی کیوں نہ موصوف ہی سے پوچھ لی جائے کہ ایسے فرقہ سازوں، تفرقہ بازوں اور ان کے پیروکاروں کے بارے میں شریعتِ مطہرہ کیا حکم دیتی ہے کہ مسلمانوں کو ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے۔ اس کے جواب میں مودودی صاحب رقمطراز ہیں،

اسلام اور مسلمانوں کے بدترین دشمن وہ ہیں جو مسلمانوں میں بد عقیدگی اور نافرمانی پھیلا رہے ہیں۔ یہ منافقوں کی سب سے زیادہ بڑی قسم ہے جس کا وجود مسلمانوں کے لیے حربی کافروں سے بھی زیادہ خطرناک ہے، کیونکہ یہ باہر سے حملہ نہیں کرتے بلکہ گھر میں بیٹھ کر اندر ہی اندر ڈائنامیٹ بچھاتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کو دین اور دنیا دونوں میں رسوا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ وہ تمہیں بھی اسی طرح کافر بنا چاہتے ہیں جس طرح وہ خود ہو گئے ہیں۔ وَذُذَّالَوْ شَكُرُوا نَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً۔ ان کے شر سے بچنے کی کم سے کم تدبیر یہ ہے کہ جو لوگ دل سے مسلمان ہیں اور مسلمان رہنا چاہتے ہیں وہ ان سے قطع تعلق کر لیں فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ ورنہ قرآن نے تو ان کی آخری سزا یہ قرار دی ہے کہ ان سے جنگ کی جائے فان تولوا فخذوهم واقتلوهم من حيث وجدتموهم۔ لے

مودودی صاحب نے بجا فرمایا ہے، واقعی مسلمانوں کو اپنے ان بدترین دشمنوں، اشد منافقوں سے قطع تعلق کرنا چاہیے تھا۔ علماء کرام کے سمجھانے بوجھانے پر اگر عام مسلمانوں نے کاسقہ عمل کیا ہوتا تو ملتِ اسلامیہ کے بدخواہ کبھی اتنے فرقے بنانے اور اہلسنت و جماعت کے سینوں پر وندنانے میں کبھی کامیاب نہ ہوتے لیکن خود کردہ راجہ علاج؟

## دوسری عنایت

مردودی صاحب نے مسلمانوں پر دوسرا کرم یہ فرمایا کہ محمد بن عبد الوہاب نجدی تکفیر مسلمین (المتوفی ۱۲۰۶ھ) اور مولوی محمد اسمعیل دہلوی (المتوفی ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) کی طرح مسلمانان اہلسنت وجماعت کو کافر و مشرک بنا کر اُمت مرحومہ کو اُمت ملعونہ بنا دیا۔ موصوف کو سچے اور پکے مسلمان اور مسلمانوں کے عوام و خواص، موجودہ اور گزشتہ سب کفر و شرک کے سمند میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں۔

مجدد مائتہ حاضرہ امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ نے چار دیوبندی مولویوں کی تکفیر کا شرعی فریضہ ادا کیا تو وہابیوں کی ساری کائنات نے ۱۳۲۰ھ سے ۱۳۹۷ھ تک وہ اُدھم مچانی ہوئی ہے کہ آسمان ہی سر پر اُٹھا رکھا ہے کہ ہانے ہانے ہمارے فلاں ابن فلاں کو کافر کیوں کہہ دیا؟ لیکن محمد بن عبد الوہاب نجدی اور مولوی محمد اسمعیل دہلوی کی معنوی ذریت اگر کروڑوں کروڑ مسلمانوں کو کافر و مشرک ٹھہرانے، مسلمانوں کے سوادِ اعظم اور ناجی گروہ کو سراسر ناری بتانے تو اس شرارت کا شکوہ ہی کیا؟ آخر کس جرم کی پاداش میں وہابیوں کا ہر مولوی مسلمانوں کی ساری جمعیت کو کافر و مشرک ٹھہراتا ہے؟ اس پر طرہ یہ کہ اپنی اس مفسدانہ روش کو ذرا بھی قابل اعتراض و احتراز و اجتناب سمجھ کر اس پر کوئی بھی نظر ثانی کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

جماعت اسلامی کے پڑھے لکھے حضرات یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ مردودی صاحب کے قلم پر احتیاط کا جو پہرہ ہے وہ دوسری جگہ نظر نہیں آتا۔ اُن کی تحریروں میں گالی گلوچ اور سوتیانہ پن کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ جہاں تک موصوف کے گالی گلوچ نہ دینے اور سوتیانہ پن سے اجتناب کرنے کا تعلق ہے تو واقعی وہ اپنے معاصرین سے محتاط انداز میں گفتگو کرتے ہیں لیکن جب وہ اپنے رہوارِ قلم کا رخ مسلمانان اہلسنت وجماعت کی جانب پھیرتے ہیں تو سراسر محمد بن عبد الوہاب نجدی اور مولوی محمد اسمعیل دہلوی کی آفس کاپی بن جاتے ہیں۔ اگر جماعت اسلامی کے طبقے میں کوئی منصف مزاج بھی ہے تو غور فرمائے کہ سچے اور پکے مسلمانوں کو کافر و مشرک ٹھہرا دینے سے بڑی اور کون سی گالی ہے جو مردودی صاحب مسلمانوں کو دے سکتے ہیں؟ یہ جناب مردودی صاحب

ہی کا محتاط قلم ہے جس کی رُو سے دنیا کا کوئی مسلمان کافر و مشرک قرار پائے بغیر نہ رہ سکا۔ اُن کے نزدیک ایک ویابی تو مسلمان قرار پاسکتا ہے لیکن کیا مجال کہ کسی مسلمان کو دائرہ اسلام میں پیر رکھنے کو جگہ مل جائے۔

موردی صاحب نے مسلمانوں پر یہ نوازش جس جاہلیتِ مشرکانہ کے عنوان سے فرمائی ہے۔ موصوف نے اسی جاہلیتِ مشرکانہ پر اپنا ایٹمی حکم سنانے اور مسلمانوں کے سوا اہل علم کو کافر و مشرک ٹھہرانے کی وجہ سے یہ وضاحت بھی فرمائی ہے :

”جاہلیتِ مشرکانہ نے عوام پر حملہ کیا اور توحید کے راستہ سے ہٹا کر اُن کو ضلالت کی بے شمار راہوں میں بھٹکا دیا۔ ایک صریح بُنت پرستی تو نہ ہو سکی، باقی کوئی قسمِ مشرک کی ایسی نہ رہی جس نے مسلمانوں میں رواج نہ پایا ہو۔ پرانی جاہلی قوموں کے جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے وہ اپنے ساتھ بہت سے مشرکانہ تصورات لیے آئے اور یہاں اُن کو صرف اتنی تکلیف کرنی پڑی کہ پُرانے معبودوں کی جگہ بزرگانِ اسلام میں سے کچھ معبود تلاش کریں۔ پرانے معبودوں کی جگہ مقابہ اولیائے کام لیں اور پرانی عبادات کی رسموں کو بدل کر نئی رسمیں ایجاد کریں۔ اس کام میں دنیا پرست علمائے اُن کی بڑی مدد کی اور وہ بہت سی مشکلات اُن کے راستہ سے دُور کر دیں جو مشرک کو اسلام کے اندر نصب کرنے میں پیش آ سکتی تھیں اُنہوں نے بڑی دیدہ ریزی سے آیات و احادیث کو ٹوڑ مروڑ کر اسلام میں اولیائے پرستی اور قبر پرستی کی جگہ نکالی، مشرکانہ اعمال کے لیے اسلام کی اصطلاحی زبان میں سے الفاظ بزمِ پہنچانے اور اس نئی شریعت کے لیے رسموں کی ایسی صورتیں تجویز کیں کہ مشرک جلی کی تعریف میں نہ آسکیں۔ اس فنی امداد کے بغیر اسلام کے دائرے میں مشرک بچا رہا ہاں بار پاسکتا تھا۔“

موردی صاحب اگر ہمیں اجازت مرحمت فرمائیں تو جتنے امور مسلمانانِ اہلسنت و جماعت میں

لے تجدید و احیائے دین، مطبوعہ پاکستان ٹائمز پریس لاہور۔ ص ۳۹۔ ۴۰

انہیں مشرکانہ نظر آنے ہیں اور جن کے باعث یہ مشرکانہ پوجا پاٹ اور بت پرست مشرکین کی ملتھالوجی قرار دیے گئے ہیں، ہم یہ دکھانے کے لیے تیار ہیں کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) کے ماں یہ تمام امور موجود ہیں۔ وہاں بھی انہیں جواز کا درجہ حاصل ہے وہ اور ان کا سارا خاندان ان کا فاعل و عامل تھا بلکہ تمام وہاں بیان پاک و ہند کے ملجا و ماویٰ عالیجناب مولوی محمد اسماعیل دہلوی صاحب اپنی شرعی گھڑنت بنام صراطِ مستقیم میں ان جملہ امور کی تعلیم و تبلیغ فرمائے تھے۔ اگر مودودی صاحب کو مذکورہ تصانیف میں وہ باتیں نظر آجائیں تو انصاف کی رُو سے سارے ولی اللہی خاندان اور اپنے روحانی پیشوا مولوی محمد اسماعیل دہلوی کو بھی اپنے اصطلاحی مشرکوں، ٹھیٹھ بت پرستوں کے زمرے میں شامل ہونے کا اعلان فرمادیں۔ اگر انہیں ایسا مواد نظر نہ آئے تو راقم الحروف اس خدمت گزاری کے لیے حاضر ہے اور بعونہ تعالیٰ یہ دکھائے گا کہ مودودی صاحب کے مشرکوں کی فہرست میں ان حضرات کا نمبر ڈبل ہے۔ اُس وقت ہم جناب مودودی صاحب سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ اسی تجدید و اجیائے دین میں آپ نے مذکورہ دونوں ہستیوں کو مجددین و مصلحین میں کیوں شمار کیا، کافروں اور مشرکوں میں کیوں شمار نہیں کیا؟ دوسرا سوال یہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ جو حضرات آپ کی اصطلاح میں نہ صرف مشرک بلکہ مشرک گر ہوں، کیا وہ مجدد ہو سکتے ہیں؟ بہر حال یہ معاملہ تو اجازت پر موقوف رہا۔ اب ان اصطلاحی مشرکوں کی دوسری فہرست بھی مودودی صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں:

”اگر کسی کے ذہن میں ان اصطلاحوں کا مفہوم غیر واضح اور نامکمل ہو تو اُس کے لیے قرآن کی پوری تعلیم غیر واضح ہوگی اور قرآن پر ایمان رکھنے کے باوجود اُس کا عقیدہ اور عمل دونوں نامکمل رہ جائیں گے۔ وہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہتا رہے گا اور اس کے باوجود بہتوں کو الہ بنا تا رہے گا۔ وہ اللہ کے سوا کسی کے رب نہ ہونے کا اعلان کرتا رہے گا اور اس کے باوجود بہت سے ارباباً من دون اللہ اس کے رب بنے رہیں گے۔ وہ پوری نیک نیتی کے ساتھ کہے گا کہ میں اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتا اور پھر بھی بہت سے معبودوں

کی عبادت میں مشغول رہے گا۔ وہ پورے زور کے ساتھ کہے گا کہ میں اللہ کے دین میں ہوں اور اگر کسی دوسرے دین کی طرف اُسے منسوب کیا جائے تو لڑنے پر آمادہ ہو جائے گا، مگر اس کے باوجود بہت سے دینوں کا قلاوہ اُس کی گردن میں پڑا رہے گا۔ اُس کی زبان سے کسی غیر اللہ کے لیے الہ اور رب کے الفاظ تو کبھی نہ نکلیں گے مگر یہ الفاظ جن معانی کے لیے وضع کیے گئے ہیں اُن کے لحاظ سے اُس کے بہت سے الہ اور رب ہوں گے اور اُس بچارے کو خیر تک نہ ہوگی کہ میں نے واقعی اللہ کے سوا دوسرے ارباب والہ بنا رکھے ہیں۔ اُس کے سامنے اگر آپ کہیں کہ تو دوسروں کی عبادت کر رہا ہے اور دین میں شرک کا مرتکب ہو رہا ہے تو وہ پتھر مارنے اور منہ نوچنے کو دوڑے گا مگر عبادت اور دین کی حقیقت ہے اُس کے لحاظ سے واقعی وہ دوسروں کا عابد اور دوسروں کے دین میں داخل ہوگا اور نہ جانتے گا کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں یہ حقیقت میں دوسروں کی عبادت ہے اور یہ حالت جس میں مُبتلا ہوں یہ حقیقت میں غیر اللہ کا دین ہے۔" ل

ستم ظریفی تو ملاحظہ ہو کہ نیک نیتی سے یہ کہنے والا کہ میں ایک خدا کے سوا کسی کو عبادت کے لائق نہیں سمجھتا، پورے زور سے کہنے والا کہ میں اللہ کے دین میں ہوں نیز وہ خدا کے سوا کسی کو اللہ اور رب تسلیم نہیں کرتا لیکن جناب مودودی صاحب کے نزدیک ابھی بھی وہ غیروں کا پجاری، دیگر ادیان کا پیروکار اور ارباباً من دون اللہ کا پرستار ہے۔ اُس کے مسلمان قرار پانے اور دائرہ اسلام میں ہونے کی صرف اور صرف ایک ہی صورت ہے کہ وہ اللہ، رب، عبادت اور دین کا وہ مفہوم تسلیم کرے جو مودودی صاحب نے بتایا ہے۔ قارئین کرام پر اگر بارِ خاطر نہ ہو تو اللہ کا وہ مفہوم ملاحظہ فرمایا جائے جو مودودی صاحب نے ایجاد فرمایا ہے؛

"لیکن اگر میں پیاس کی حالت میں یا بیماری میں خادم یا ڈاکٹر کو پکارنے کے بجائے کسی دلی یا کسی دیوتا کو پکارتا ہوں تو یہ ضرور اُس کو الہ بنانا اور اُس سے

۱۱۰، ص ۱۱۰، بارہم، ص ۱۱۰، ۱۱

دُعایا مانگنا ہے، کیونکہ جو دلی صاحب مجھ سے سیکڑوں میل دور کسی قبر میں آرام فرما رہے ہیں، اُن کو پکارنے کے یہ معنی ہیں کہ میں اُن کو سمیع و بصیر سمجھتا ہوں اور یہ خیال رکھتا ہوں کہ عالم اسباب پر اُن کی فرمانروائی قائم ہے، جس کی وجہ سے وہ مجھ تک پانی پہنچانے یا بیماری کو دور کر دینے کا انتظام کر سکتے ہیں؛ لہٰذا

مودودی صاحب کے نزدیک الہ کا دوسرا مفہوم کیا ہے۔ یہ بھی موصوف ہی کے لفظوں میں ملاحظہ فرمایا جائے:

”لہذا اُن کی اصطلاح کے مطابق کسی کو خدا کے ہاں سفارشی قرار دے کر اُس سے مدد کی التجا کرنا اور اُس کے آگے مراسمِ تعظیم و تکریم بجالانا اور نذر و نیاز پیش کرنا، اُس کو الہ بنانا ہے؛ لہٰذا

اب عبادت یا پرستش کی تعریف بھی مودودی صاحب کے بین الاقوامی شہرت یافتہ قلم سے لکھی ہوئی ملاحظہ فرمائیے:

”دوسرے یہ کہ کسی کو عالم اسباب پر ذی اقتدار خیال کر کے اپنی حاجتوں میں اُس سے دُعایا مانگی جائے، اپنی تکلیفوں اور مصیبتوں میں اُس کو مدد کے لیے پکارا جائے اور خطرات و نقصانات سے بچنے کے لیے اُس سے پناہ مانگی جائے۔ یہ دونوں قسم کے فعل قرآن کی رُو سے یکساں پرستش کی تعریف میں آتے ہیں؛ لہٰذا پرستش کے مفہوم کی مزید وضاحت میں یہ عبارت بھی ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہے:

”یہاں اندازِ بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ معبودوں سے مراد اولیاء اور صلحاء ہیں اور ان کی عبادت سے مراد اُن کو بندگی کی صفات سے بالاتر اور خدائی کی صفات سے متصف سمجھنا، اُن کو غیبی امداد اور مشکل کشائی و فریاد رسی پر قادر خیال کرنا اور اُن کے لیے تعظیم کے وہ مراسم ادا کرنا ہے جو پرستش کی

۱۷ قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں: بارہم، ص ۲۰ ۱۸ ایضاً، ص ۲۳

۱۹ ایضاً، ص ۱۲۴



حد تک پہنچے ہوئے ہیں: لہ

فیصلہ وہی ہوتا ہے جو کسی بھی مرحلے پر ٹوٹنے نہ پائے۔ اگر مودودی صاحب کے نزدیک قرآن کریم کے بعض الفاظ کا حقیقی اور اسلامی و ایمانی مفہوم یہی ہے جو انہوں نے بیان کیا تو اس کے بالمقابل ہم سیکڑوں اکابر اور خود مودودی صاحب کے مدد و حین کے وہ واقعات پیش کرنے کے لیے تیار ہیں جن سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ انہوں نے بعض مواقع پر مصائب و آلام میں دوسرے بزرگوں کو اپنی مشکل کشائی اور فریاد رسی کے لیے اُن کی وفات کے بعد چکارا کیا اس صورت میں مودودی صاحب انہیں لا تکتنون الحق وانتم تعلمون کے تحت نام لے لے کر غیر اللہ کے پرستار اور کافر و مشرک قرار دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے؛ جو اب اثبات میں ہو تو جلد اطلاع دی جائے تاکہ مودودی صاحب اپنے ہی ہاتھوں اپنے مدد و حین اور مستلمہ اکابر کو جہنم میں پہنچا آئیں۔ جواب اگر نفی یا خاموشی میں ہو تو کم از کم اس طرز عمل کی وجہ بیان فرمادی جائے کہ حق بیان کرنے سے انہیں کون سی مصلحت روکتی ہے؟

اگر مودودی صاحب کی مذکورہ تعبیرات کو درست تسلیم کر لیا جائے تو مُسٹھی بھرو ہا بیہ کے سوا اُمتِ محمدیہ کے کسی فرد کا اسلام ثابت نہ کیا جاسکے گا اور موجودہ اہلسنت و جماعت کا تو ذکر ہی کیا، یہ تو سارے کے سارے موصوف کے نزدیک شرک ساگر میں پڑے غوطے کھا رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ موصوف کو جماعتِ اسلامی کے نام سے ایک فرقہ کھڑا کرنا پڑا تا کہ اپنے اصطلاحی مشرکوں، غیر اللہ کے پجاریوں کو مسلمان بنا کر جماعتِ اسلامی میں شامل کرتے چلے جائیں۔ اس منفسد کو کا حقہ حاصل کرنے کی خاطر انہوں نے محمد بن عبد الوہاب نجدی اور مولوی محمد اسمعیل دہلوی کے ہر حربے سے بھی امکان بھرا استفادہ کیا ہے۔ اگر مودودی صاحب سے کوئی سوال کر بیٹھے کہ جناب! قرآن کریم کے مذکورہ الفاظ کے جو مفہوم آپ نے بیان کیے ہیں وہ مفسرین کرام کے بیان فرمودہ مفہوم و مطالب سے کوئی مطابقت نہیں رکھتے، ذرا بھی لگا نہیں کھاتے، اس کی وجہ کیا ہے؟ موصوف نے قبل از وقت اسی کتاب کے شروع میں اس امر کی پیش بندی

لے قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں: ص ۱۲۷

یوں زور شور سے کی ہوئی ہے؛

انہی دونوں وجوہ سے دور اخیر کی کتب لغت و تفسیر میں اکثر قرآنی الفاظ کی تشریح اصل معانی لغوی کے بجائے اُن معانی سے کی جانے لگی جو بعد کے مسلمان سمجھتے تھے۔ مثلاً: لفظ اللہ کو قریب قریب بتوں اور دیوتاؤں کا ہم معنی بنا دیا گیا۔ رب کو پالنے اور پوسنے والے یا پروردگار کا مترادف ٹھہرایا گیا۔ عبادت کے معنی پوجا اور پرستش کے کیے گئے۔ دین کو دھرم اور مذہب اور RELIGION کے مقابلہ کا لفظ قرار دیا گیا۔ طاغوت کا ترجمہ بت یا شیطان کیا جانے لگا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کا اصل مدعا ہی سمجھنا لوگوں کے لیے مشکل ہو گیا۔ قرآن کتنا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو الہ نہ بناؤ۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم نے بتوں اور دیوتاؤں کو چھوڑ دیا ہے، لہذا قرآن کا منشاء پورا کر دیا، حالانکہ الہ کا مفہوم اور جن جن چیزوں پر عاید ہوتا ہے اُن سب کو وہ اچھی طرح کپڑے ہوئے ہیں اور انہیں خبر نہیں ہے کہ یہ ہم غیر اللہ کو الہ بنا رہے ہیں۔ قرآن کتنا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو رب تسلیم نہ کرو۔ لوگ کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ کے سوا کسی کو پروردگار نہیں مانتے، لہذا ہماری توحید مکمل ہو گئی حالانکہ رب کا اطلاق اور جن مفہومات پر ہوتا ہے اُن کے لحاظ سے اکثر لوگوں نے خدا کے بجائے دوسروں کی ربوبیت تسلیم کر رکھی ہے۔ قرآن کتنا ہے کہ طاغوت کی عبادت چھوڑ دو اور صرف اللہ کی عبادت کرو۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم بتوں کو نہیں پوجتے، شیطان پر لعنت بھیجتے ہیں اور صرف اللہ کو سجدہ کرتے ہیں، لہذا ہم نے قرآن کی یہ بات بھی پوری کر دی حالانکہ پتھر کے بتوں کے سوا دوسرے طاغوتوں سے وہ چمٹے ہوئے ہیں اور پرستش کے سوا دوسری قسم کی تمام عبادتیں انہوں نے اللہ کے بجائے غیر اللہ کے لیے خاص کر رکھی ہیں یہی حال دین کا ہے کہ اللہ کے لیے دین کو خالص کرنے کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ آدمی مذہب اسلام قبول کرے اور ہندو یا عیسائی یا یہودی نہ رہے۔ اس

بناد پر ہر وہ شخص جو مذہب اسلام میں ہے یہ سمجھ رہا ہے کہ میں نے اللہ کے لیے  
دین کو خالص کر رکھا ہے، حالانکہ دین کے وسیع تر مفہوم کے لحاظ سے اکثریت  
ایسے لوگوں کی ہے جن کا دین اللہ کے لیے خالص نہیں ہے۔ لہ

مندرجہ بالا عبارت کے ان جملوں پر پھر غور فرمایا جائے۔ — اکثر لوگوں نے خدا کے  
بجائے دوسروں کی ربوبیت تسلیم کر رکھی ہے۔ — پتھر کے بتوں کے سوا دوسرے طاغوتوں  
سے وہ چمٹے ہوئے ہیں۔ — اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جن کا دین اللہ کے لیے خالص  
نہیں ہے۔

یہ سمجھنا تو ذرا بھی دشوار نہیں کہ پہلے جملے میں اکثر لوگوں اور آخری میں، ”اکثریت ایسے  
لوگوں کی ہے۔ کس کے متعلق کہا ہے۔ یہ اپنے مذہبی دشمنوں، اصطلاحی مشرکوں کے سوا اور  
کس کے لیے کہا جاسکتا تھا؛ لیکن دل چھیننے والی ادا تو یہ ہے کہ دوسرے جملے میں دوسرے  
طاغوتوں سے اُن کی مراد کیا ہے؛ انبیائے کرام اور اولیائے عظام کو طاغوت ٹھہرانے کا  
دل گروہ مودودی صاحب ہی کے پاس ہے۔ اس اندھیرنگری میں تو اس کا اُنھیں کیا جواب  
مل سکتا ہے لیکن محشر کی تپتی ہوئی زمین پر جب وہ مقربین بارگاہ الہیہ مودودی صاحب کو  
گریبان سے پکڑ کر بارگاہ خداوندی میں پیش کریں گے اور انصاف کے طلب گار ہوں گے،  
اُس وقت کا تصور اگر مودودی صاحب کو اپنے الفاظ پر نظر ثانی کرنے کی ترغیب دلائے تو  
اُن کا اپنا ہی بھلا ہے ورنہ:

قریب ہے یار و روزِ محشر، چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر  
جو چھپ رہے گی زبانِ خنجر، لہو پکارے گا آستیں کا

مودودی صاحب نے مذکورہ عبارت میں شکوہ کیا ہے کہ دورِ اخیر کی کتب لغت و  
تفسیر میں قرآن کریم کے مذکورہ الفاظ کے اصلی مطالب کو بدل دیا تھا۔ یہ بھی موصوف ہی  
سے معلوم کرتے ہیں کہ اُن کے نزدیک دورِ اول سے کون سا زمانہ مراد ہے۔ چنانچہ انھوں نے

لہ قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں: ص ۱۲، ۱۳

بقلم خود لکھا ہے؛

” لیکن بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ کے وہ اصل معنی جو نزولِ قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے، بدلتے چلے گئے، یہاں تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے بٹ کر نہایت محدود بلکہ مبہم مفہومات کے لیے خاص ہو گیا۔ اس کی ایک وجہ تو خالص عربیت کے ذوق کی کمی تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اسلام کی سوسائٹی میں جو لوگ پیدا ہوئے تھے ان کے لیے اللہ اور رب اور دین اور عبادت کے وہ معانی باقی نہ رہے تھے جو نزولِ قرآن کے وقت غیر مسلم سوسائٹی میں رائج تھے۔  
مودودی صاحب کی مذکورہ عبارتوں اور تصریحات کے پیش نظر چند سوال پیدا ہوتے ہیں جو مخلصانہ انداز میں ان کے سامنے برائے وضاحت پیش کیے جاتے ہیں:

① مذکورہ چاروں الفاظ کے اصل معنی جو نزولِ قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے جب وہ اہل لغت و تفسیر نے یکسر بدل دیے اور مبہم مفہومات کے لیے انہیں خاص کر دیا، ساری امت ان کے بیان کردہ مبہم مفہومات اور شکیہ معانی ہی کو اصل مفہومات گردانتی رہی، دریں حالت نزولِ قرآن سے لے کر آج تک کی امت محمدیہ کو کافر و مشرک ہی قرار دیا ہے یا کچھ اور؛ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ خیر امت ہے مودودی صاحب اسے شریعت بتاتے اور کافر و مشرک ٹھہراتے ہیں، فریقین میں سے کس کو جھوٹا اور دروغ گو کہا جائے؟

② جب نزولِ قرآن کے بعد ہی کفر کو ایمان اور ایمان کو کفر ٹھہرانا شرک شروع ہو گیا۔ ٹوکنے بجائے بر کوئی اس پر اتفاق کرتا چلا گیا۔ سب خوفِ خدا اور خطرہ روزِ جزا سے بالکل عاری ہو چکے تھے تو انہوں نے قرآن و حدیث اور سارے اسلامی لٹریچر میں لفظی اور معنوی کون سی تحریف نہ کی ہوگی؟ ان حالات میں قرآن و حدیث کی صحت پر اعتماد کا کون سا راستہ ہے؟

③ کفر و مشرک کی ان اندھیروں میں، مودودی صاحب کے اصطلاحی کافروں مشرکوں کے ہاتھوں یہاں تک پہنچے ہوئے سارے اسلامی لٹریچر کو ایک طرف رکھ دیجیے، اب مودودی صاحب

سے قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں : ص ۱۲

بتائیں کہ ان اصطلاحوں کے جو اصل معنی نزولِ قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے وہ انہیں کب اور کن ذرائع سے حاصل ہوئے ہیں؟

④ مودودی صاحب کے بقول کر ڈر کر ڈر مسلمانوں کو کافر و مشرک مان لیا جائے۔ ہزاروں صلحانے اُمت، اولیاء کرام، ائمہ مجتہدین، مفسرین، محدثین، فقہاء، متکلمین اور لاکھوں علمائے دین متین کو مشرک بلکہ مشرک کر تسلیم کر کے اُمتِ مرحومہ کو اُمتِ ملعونہ اور بہترین اُمت کو بدترین اُمت تسلیم کر لیا جائے یا یہ باور کرنا چاہیے کہ وہابیت و خارجیت کی کفریہ و کفریہ و کفریہ فضا کے باعث مودودی صاحب ہی کو سادوں کے اندھے کی طرح ہر اسی ہراسوں جتنا ہے یہ بین الاقوامی مفکر المسلمین ہی کی خارجی نظر کا قصور ہے یا اُمتِ مرحومہ ہی کافر مشرک ہے؟

دیکھو تو دھنری سی اندازِ نقش پا  
موجِ خرامِ یار بھی کیا گل کتر گئی

## تیسری عنایت

مودودی صاحب کی اپنے لٹریچر میں یہ غایت مجتہدین کے خلاف نفرت پھیلانا سعی رہی ہے کہ مسلمانوں کو جو راسخین فی العلم اور علم نبی کے وارثوں سے تعلق ہے اُسے حتی الامکان کمزور کیا جائے تاکہ وہ ایک ہی رتی کو مضبوطی سے نہ تھامے رہیں بلکہ جو لوگ اصلاح کے پردے میں تخریب کرنا چاہتے ہیں، جو رہنمائی کے بجائے رہزنی اپنا شیوہ بنا چکے ہیں، اُن کی بات بھی سُن سکیں، اُن کی آواز پر بھی کان دھریں۔ چنانچہ اُمتِ محمدیہ کے مخصوص افراد جو انتہائی نامساعد حالات میں گلشنِ اسلام کی حفاظت کافرینہ انجام دیتے رہے، جو باطل کے گھٹا ٹوپ اندھیروں اور غضب کی آندھیوں میں بھی شمعِ ہدایت کو روشن رکھتے رہے، جنہوں نے اپنے اپنے دور میں باطل سے فیصلہ کن ٹکڑے کر گلشنِ اسلام کو بہار و درکنار کر کے ہمیشہ نئی تر و تازگی بخشی، اُن مقدس ہستیوں کے بارے میں مودودی صاحب یوں رقمطراز ہیں:

”تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کوئی مجدد کامل پیدا

نہیں ہوا ہے۔ قریب تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز اس منصب پر فائز ہو جاتے مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اس کے بعد جتنے مجدد پیدا ہوئے ان میں سے ہر ایک نے کسی خاص شعبے یا چند شعبوں ہی میں کام کیا۔ مجددِ کامل کا مقام ابھی تک خالی ہے، مگر عقل چاہتی ہے، فطرت مطالبہ کرتی ہے اور دنیا کے حالات کی رفتار متقاضی ہے کہ ایسا لیڈر پیدا ہو۔ خواہ اس دور میں پیدا ہو یا زمانے کی ہزاروں گردشوں کے بعد پیدا ہو۔ اس کا نام الامام المہدی ہوگا، جس کے بارے میں صاف پیشگوئیاں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں موجود ہیں:

اسلام کے بطلِ جلیل اور ملتِ اسلامیہ کی جلیل القدر اور مایہ ناز ہستی یعنی حضرت حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۰۵ھ) کے متعلق مودودی صاحب یوں غامض فرمائی کرتے ہیں:

امام غزالی کے تجدیدی کام میں علمی و فکری حیثیت سے چند نقائص بھی تھے اور وہ تین عنوانات پر تقسیم کیے جاسکتے ہیں۔ ایک قسم ان نقائص کی جو حدیث کے علم میں کمزور ہونے کی وجہ سے ان کے کام میں پیدا ہوئے۔ دوسری قسم ان کے نقائص کی جو ان کے ذہن پر عقلیات کے غلبہ کی وجہ سے تھے اور تیسری قسم ان نقائص کی جو تصوف کی طرف ضرورت سے زیادہ مائل ہونے کی وجہ سے تھے۔

ملتِ اسلامیہ کی اس خلاصہ روزگار اور سرمایہ افتخار ہستی کو تو مودودی صاحب نے یوں واغدار دکھانے کی سعی فرمائی لیکن مجموعہ کفر و ضلالت، خارجیت کی مردہ بڑیوں میں از سر نو جان ڈالنے والے ابن تیمیہ حرافی علیہ ما علیہ (المتوفی ۷۲۸ھ) کی تعریف و توصیف میں موصوف کا قلم یوں بالمقابل رطب اللسان ہوتا ہے:

ان کمزوریوں سے بچ کر امام موصوف (امام غزالی) کے اصل کام یعنی اسلام کی ذہنی و اخلاقی رُوح کو زندہ کرنے اور بدعت و ضلالت کی آلائشوں کو نظامِ فکر و نظامِ تمدن سے چھانٹ چھانٹ کر نکالنے کے کام کو جس شخص نے آگے بڑھایا

وہ ابن تیمیہ تھا۔ لے

ابن تیمیہ کی مزید قصیدہ خوانی اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے قلبی بغض و عداوت کا اظہاریوں بھی فرمایا ہے:

ابن تیمیہ قرآن میں گہری بصیرت رکھتے تھے، حتیٰ کہ حافظ ذہبی نے شہادت دی کہ اما التفسیر فسلّم الیہ۔ تفسیر تو ابن تیمیہ کا حصہ ہے۔ حدیث کے امام تھے۔ یہاں تک کہا گیا کہ: کلّ حدیث لا یعرفہ ابن تیمیہ فلیس بحدیث (جس حدیث کو ابن تیمیہ نہ جانتے ہوں وہ حدیث نہیں ہے) تفقہ کی شان یہ تھی کہ بلاشبہ ان کو مجتہد مطلق کا مرتبہ حاصل تھا۔ علوم عقلیہ، منطق، فلسفہ اور کلام میں اتنی گہری نظر تھی کہ ان کے معاصرین میں سے جن لوگوں کا سرمایہ ناز بھی علوم تھے وہ ان کے سامنے بچوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہود اور نصاریٰ کے لٹریچر اور ان کے مذہبی فرقوں کے اختلافات پر ان کی نظر اتنی وسیع تھی کہ گولڈ زیہر کے بقول کوئی شخص جو تورات کی شخصیتوں سے بحث کرنا چاہے وہ ابن تیمیہ کی تحقیقات سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اور ان سب علمی کمالات کے ساتھ اس شخص کی جرأت و ہمت کا یہ حال تھا کہ اظہارِ حق میں کبھی کسی بڑی سے بڑی طاقت سے بھی نہ ڈرا۔ حتیٰ کہ متعدد مرتبہ جیل بھیجا گیا اور آخر کار جیل ہی میں جان دے دی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ امام غزالی کے چھوڑے ہوئے کام کو ان سے زیادہ خوبی کے ساتھ آگے بڑھانے میں کامیاب ہوا۔ لے

ابن تیمیہ حیرانی کو موردِ دہی صاحبِ مجددوں کی فہرست میں شامل کر کے، ان کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا تے اور حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی عظمت کو گھٹاتے ہوئے یہ بھی لکھتے ہیں:

انہوں (ابن تیمیہ) نے اسلام کے عقائد، احکام اور قوانین کی تائید میں ایسے

لے تجدید و احیائے دین: ص ۶۹

لے تجدید و احیائے دین: ص ۷۳

زبردست دلائل قائم کیے جو امام غزالی کے دلائل سے زیادہ معقول بھی تھے اور اسلام کی اصل رُوح کے حامل ہونے میں بھی اُن سے بڑھے ہوئے تھے۔ امام غزالی کے بیان و استدلال پر اصطلاحی معقولات کا اثر چھپا یا ہوا تھا۔ ابن تیمیہ نے اس راہ کو چھوڑ کر عقل عام (COMMON SENSE) پر تفہیم و تبیین کی بناء رکھی، جو زیادہ فطری، زیادہ مؤثر اور زیادہ قرآن و سنت کے قریب تھی۔ یہ نئی راہ پھلی راہ سے بالکل الگ تھی۔ جو لوگ دین کے علمبردار تھے وہ فقط احکام نقل کر دیتے تھے، تفہیم نہ کر سکتے تھے اور جو کلام میں پھنس گئے تھے وہ تفسیر اور اصطلاحی معقولات کو ذریعہ تفہیم بنانے کی وجہ سے کتاب و سنت کی اعلیٰ اسپرٹ کو کم و بیش کھو دیتے تھے۔ ابن تیمیہ نے عقاید و احکام کو اُن کی اصل اسپرٹ کے ساتھ بے کم و کاست بیان بھی کیا اور پھر تفہیم کا وہ سیدھا سادہ فطری ڈھنگ اختیار کیا جس کے سامنے عقل کے لیے سر جھکا دینے کے سوا چارہ نہ تھا۔<sup>۱۷</sup>

ائمہ مجتہدین کے کام کو غلط دکھانے، مسلمانوں کے ناجی گروہ کو ناری بنانے اور صورتِ حال سے بے خبر لوگوں کو خارجیت کی چوکھٹ پر جھکانے کی خاطر ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم کی یوں قبیحہ خوانی کی جاتی ہے:

”اُنھوں (ابن تیمیہ) نے تقلید جامد کے خلاف صرف آواز ہی نہیں اٹھائی بلکہ قرونِ اولیٰ کے مجتہدین کے طریقہ پر اجتہاد کر کے دکھایا۔ براہِ راست کتاب و سنت اور آثارِ صحابہ سے استنباط کر کے اور مختلف مذہبِ فقہ کے درمیان آزاد محاکمہ کر کے کثیر التعداد مسائل میں کام کیا، جس سے راہِ اجتہاد از سر نو باز ہوئی اور قوتِ اجتہاد یہ کا طریق استعمال لوگوں پر واضح ہوا۔ اس کے ساتھ اُنھوں نے اور اُن کے جلیل القدر شاگرد ابن قیم نے حکمتِ تشریح اور شارع کے طرزِ قانون سازی پر اتنا تفسیر کام کیا جس کی مثال اُن سے پہلے کے شرعی لٹریچر میں نہیں ملتی۔ یہ وہ

<sup>۱۷</sup> تجدید و احیائے دین: ص ۷۷



مواد ہے جس سے اُن کے بعد اجتہادی کام کرنے والوں کو بہترین رہنمائی حاصل ہوئی  
اور آئینہ ہوتی رہے گی؛ لے

سے خار کو گل اور گل کو خار جو چاہے کرے

تو نے جو چاہا کیا، اسے یار جو چاہے کرے

مردودی صاحب کے نزدیک شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی مجددین کی فہرست میں  
شامل ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ (المتوفی ۱۰۳۴ھ) بھی مجدد اور اُن کے مدوح  
ہیں، لیکن مردودی قلم کا تھمنا کہاں، گنگا کی موج میں جینا کہاں؛ موصوف کے قلم سے ان  
دونوں مجددین کی تواضع بھی ملاحظہ ہو:

’پہلی چیز جو مجھ کو حضرت مجدد الف ثانی کے وقت سے شاہ صاحب (شاہ  
ولی اللہ محدث دہلوی) اور اُن کے خلفاء تک کے تجدیدی کام میں کھٹکی ہے،  
وہ یہ ہے کہ اُنھوں نے تصوف کے بارے میں مسلمانوں کی بیماری کا پورا اندازہ  
نہیں لگایا اور نادانستہ اُن کو پھر وہی غذا دے دی جس سے مکمل پرہیز کرانے  
کی ضرورت تھی؛ لے

دوسرے مقام پر ان دونوں بزرگوں کو موصوف نے یوں آڑے ہاتھوں لیا ہے:

’مسلمانوں کے اس مرض سے نہ حضرت مجدد صاحب ناواقف تھے، نہ شاہ صاحب  
دونوں کے کلام میں اس پر تنقید موجود ہے۔ مگر غالباً اس مرض کی شدت کا انھیں  
پورا اندازہ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں بزرگوں نے اُن بیماروں کو پھر وہی غذا  
دے دی جو اس مرض میں مہلک ثابت ہو چکی تھی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ  
دونوں کا حلقہ پھر اسی پرانے مرض سے متاثر ہوتا چلا گیا؛ لے

موصوف تصوف سے کچھ زیادہ ہی ناراض ہیں اور جسم اسلام کی اس رُوح کو وہ شجر ممنوعہ سے

لے ایضاً: ص ۱۱۹

لے تجدید و احیائے دین: ص ۷۸

لے ایضاً: ص ۱۲۱

کم نہیں سمجھتے اسی لیے مجددین کے مرتب و ناصح بن کر اٹنڈہ کارِ تجدید انجام دینے والے بزرگوں کو یوں فہمائش کرتے ہیں:

”اب جس کسی کو تجدیدِ دین کے لیے کام کرنا ہو اُس کے لیے لازم ہے کہ متصوفین کی زبان و اصطلاحات سے، رموز و اشارات سے، باس و اطوار سے، پیری مریدی سے اور ہر اُس چیز سے جو اس طریقہ کی یاد تازہ کرنے والی ہو اس طرح پرہیز کرے جیسے ذیابیطس کے مریض کو شکر سے پرہیز کرایا جاتا ہے“۔

حضرت شیخ احمد سرہندی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما نے اپنی تصانیف میں اپنے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔ اُن بزرگوں کے اس فعل کو مودودی صاحب نے کس نظر سے دیکھا، یہ موصوف ہی کے لفظوں میں ملاحظہ فرمائیے:

”اب شاہ ولی اللہ صاحب اور مجدد سرہندی رحمہما اللہ کے دعویٰ کو لیجیے۔ میں اس لحاظ سے بہت بدنام ہوں کہ اکابر سلف کو معصوم نہیں مانتا اور اُن کے صحیح کو صحیح کہنے کے ساتھ اُن کے غلط کو غلط بھی کہہ گزرتا ہوں۔ ڈرتا ہوں کہ اس معاملہ میں بھی کچھ صاف صاف کہوں گا تو میری فرد قرار و جریم میں ایک جریمہ کا اوہ اضافہ ہو جائے گا۔ لیکن آدمی کو دنیا کے خوف سے بڑھ کر خدا کا خوف ہونا چاہیے اس لیے خواہ کوئی کچھ کہا کرے، میں تو یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ ان دونوں بزرگوں کا اپنے مجدد ہونے کی خود تصریح کرنا اور بار بار کشف و الہام کے حوالہ سے اپنی باتوں کو پیش کرنا اُن کے چند غلط کاموں میں سے ایک ہے اور اُن کی یہی غلطیاں ہیں جنہوں نے بعد کے بہت سے کم ظرفوں کو طرح طرح کے دعوے کرنے اور امت میں نت نئے فتنے اٹھانے کی جرأت دلائی“۔

حضرت امام مہدی علیہ السلام جن کی دنیا میں تشریف آوری قیامت کے قریب ہوگی اور جن کے ظہور کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر تشریف لائیں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔

اُن امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں مسلمانوں کے نظریات میں من مانا رنگ بھرتے ہوئے  
مودودی صاحب اُن کا یوں مذاق اڑاتے ہیں؛

”مسلمانوں میں جو لوگ الامام المہدی کی آمد کے قائل ہیں وہ بھی ان متحد دین سے جو  
اس کے قائل نہیں ہیں، اپنی غلط فہمیوں میں کچھ تیکھے نہیں ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ  
امام مہدی کوئی اگلے وقتوں کے مولویانہ و صوفیانہ وضع قطع کے آدمی ہوں گے  
تسبیح ہاتھ میں لیے یکایک کسی مدرسے یا خانقاہ کے حجرے سے برآمد ہوں گے۔  
آتے ہی انا اللہدی کا اعلان کریں گے۔ علماء اور مشائخ کتابیں لیے ہوئے  
پہنچ جائیں گے اور لکھی ہوئی علامتوں سے اُن کے جسم کی ساخت وغیرہ کا مقابلہ  
کر کے اُنہیں شناخت کر لیں گے، پھر بیعت ہوگی اور اعلان جہاد کر دیا جائے گا۔  
چلتے پھرتے ہوئے درویش اور سب پرانے طرز کے بقیۃ السلف اُن کے جھنڈے  
تیلے جمع ہوں گے۔ تلوار تو محض شرط پوری کرنے کے لیے برائے نام چلائی پڑیگی۔  
اصل میں سارا کام برکت اور روحانی تصرف سے ہوگا۔ چھوٹوں اور وظیفوں کے  
زور سے میدان جیتے جائیں گے۔ جس کافر پر نظر مار دیں گے ٹرپ کر بہوش ہو جائیگا  
اور محض بد دعا کی تاثیر سے ٹینکوں اور ہوائی جہازوں میں کیرے پڑ جائیں گے“۔  
اب مسلمانوں کے بالمقابل مودودی صاحب نے اپنا نظریہ بھی پیش کیا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام  
کیسے ہوں گے۔ چنانچہ انہوں نے بڑے وثوق سے اپنا عندیہ یوں پیش کیا ہے؛  
”عقیدہ ظہور مہدی کے متعلق عام لوگوں کے تصورات کچھ اسی قسم کے ہیں مگر میں  
جو کچھ سمجھا ہوں اس سے مجھ کو معاملہ برعکس نظر آتا ہے۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ آئیو والا  
اپنے زمانہ میں بالکل جدید ترین طرز کا لیڈر ہوگا۔ وقت کے تمام علوم جدیدہ پر  
اُس کو مجتہدانہ بصیرت حاصل ہوگی۔ زندگی کے سارے مسائل ہمہ کو وہ خوب سمجھتا  
ہوگا۔ عقل و ذہنی ریاست، سیاسی تدبیر اور جنگی مہارت کے اعتبار سے وہ تمام

۱۷ تجدید و اجاڑے دین : ص ۵۲

دنیا پر اپنا سکہ جماوے گا اور اپنے عہد کے تمام جدیدوں سے بڑھ کر جدید ثابت ہوگا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اُس کی جدتوں کے خلاف مولوی اور صوفی صاحبان ہی سب سے پہلے شورش برپا کریں گے۔ پھر مجھے یہ بھی اُمید نہیں کہ اپنی جسمانی ساخت میں وہ عام انسانوں سے کچھ بہت مختلف ہوگا کہ اُس کی علامتوں سے اُس کو تاڑ لیا جائے نہ میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ اپنے مہدی ہونے کا اعلان کرے گا بلکہ شاید اُسے خود بھی اپنے مہدی موعود ہونے کی خبر نہ ہوگی اور اُس کی موت کے بعد اُس کے کارناموں سے دنیا کو معلوم ہوگا کہ یہی تھا وہ خلافت کو منہاج النبوة پر قائم کرنے والا جس کی آمد کا مژدہ سنایا گیا تھا۔ جیسا کہ میں پہلے اشارہ کر چکا ہوں، نبی کے سوا کسی کا یہ منصب نہیں ہے کہ دعویٰ سے کام کا آغاز کرے اور نہ نبی کے سوا کسی کو یقینی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس خدمت پر مامور ہوا ہے۔ مہدیّت دعویٰ کرنے کی چیز نہیں، کر کے دکھا جانے کی چیز ہے۔ اس قسم کے دعویٰ جو لوگ کرتے ہیں اور جو ان پر ایمان لاتے ہیں، میرے نزدیک دونوں اپنے علم کی کمی اور ذہن کی پستی کا ثبوت دیتے ہیں۔ مہدی کے کام کی نوعیت کا جو تصور میرے ذہن میں ہے وہ بھی ان حضرات کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔ مجھے اُس کے کام میں کرامات و خوارق، کشف و الہامات اور چٹوں اور مجاہدوں کی کوئی جگہ نظر نہیں آتی۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ انقلابی لیڈر کو دنیا میں جس طرح شدید جدوجہد اور کشمکش کے مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے انہی مرحلوں سے مہدی کو بھی گزرنا ہوگا۔ وہ خالص اسلامی بنیادوں پر ایک نیا مذہب فکر (SCHOOL OF THOUGHT) پیدا کرے گا۔ ذہنیوں کو بدلے گا۔ ایک زبردست تحریک اٹھائے گا جو بیک وقت تہذیبی بھی ہوگی اور سیاسی بھی۔ جاہلیت اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ اُس کو کچلنے کی کوشش کرے گی، مگر بالآخر وہ جاہلی اقتدار کو الٹ کر پھینک دے گا اور ایک ایسا زبردست اسلامی اسٹیٹ قائم کرے گا جس میں ایک طرف اسلام کی پوری رُوح کار فرما ہوگی اور دوسری طرف سائنٹفک ترقی اور کمال پر

پہنچ جائے گی! لے

یہ مودودی صاحب ہی کا دل گردہ ہے جنہوں نے اسی کتاب کے صفحہ ۱۴۶، ۱۴۷ پر اس امر کا اظہار کیا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما نے اپنے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا تھا لیکن مذکورہ بالا عبارت میں ایسا دعویٰ کرنے والوں اور ان کو سچا سمجھنے والوں کے بارے میں موصوف نے اپنا ایٹمی فیصلہ یوں سنایا ہے کہ: میرے نزدیک دونوں اپنے علم کی کمی اور ذہن کی پستی کا ثبوت دیتے ہیں۔ بہر حال مسلمان بیچاروں کی تو بات ہی کیا، مودودی صاحب جس قسم کا الامام المہدی چاہتے ہیں ممکن ہے فرشتوں نے ان کی جملہ تجاویز بارگاہِ خداوندی میں پیش کر دی ہوں اور وہاں سے کسی ایسے شخص کو امام مہدی کے منصب پر فائز کر کے نہ بھیجا جائے جو مودودی صاحب کی توقعات پر پورا نہ اترتا ہو۔

کاش! مودودی صاحب اپنی جان کو جانِ آفرین کے سپرد کرنے سے پہلے کبھی یہ سوچنے کی زحمت بھی گوارا فرمائیں کہ انہوں نے مہدیت کا جو حدود اربعہ اور امام مہدی علیہ السلام کے جو اوصاف بیان کیے ہیں، ان کے ان مفروضات کی شریعتِ مطہرہ میں کوئی اصل موجود ہے یا اپنے عقلی ڈھکوسلوں کو انہیں دین میں داخل کرنے کا پرمٹ ملا ہوا ہے؟ یہ کیا ستم ہے تبارک و تعالیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وہ ارشاداتِ گرامی جن میں سند کی رُو سے ذرا بھی کلام کی گنجائش ہو وہ مودودی صاحب کی بارگاہ میں ناقابلِ قبول، خواہ وہ متعلقہ فضائل ہی کیوں نہ ہوں بلکہ صحیح احادیث، بلکہ احادیثِ صحاح کو محض اس بنا پر رد کر دیا جاتا ہے کہ وہ مودودی صاحب کی شہدی درایت سے ٹکراتی ہیں، لیکن اپنے مفروضات کو دینی معاملات میں اتنے وثوق کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے کہ ان کی صحت کسی دلیل کی محتاج ہی نہیں۔ ان کے ارشادات کا وقوع کے مطابق ہونا دلائل سے بے نیاز ہے۔ آخر یہ تماشا کیا ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بھولے بھالے امتیٰی آخر ایسی ستم نظریوں کا شکوہ کس سے کریں یا یہ فیصلہ بھی محشر کی پتی ہوئی زمین پر ہونے کے لیے چھوڑ دیا جائے کیونکہ: **إِنَّ مَوْعِدَكُمْ الصُّبْحُ أَلَيْسَ الصُّبْحُ**

لے تجدیہ واجیائے دین: ص ۵۲ تا ۵۴

جس طرح سادہ کے اندھے کو ہر ای ہر اسوجھتا ہے مگر اُسے اشیاء اپنے اصلی رنگ و پ  
 نظر نہیں آتیں تو اسے وہ اپنی نظر کا تصور اور اپنے بخت کی نارسائی پر محمول کرتا ہے لیکن مودودی  
 صاحب فرماتے ہیں کہ: مجھے اُس (امام مہدی) کے کام میں کرامات و خوارق، کشف و الہامات  
 اور چٹوں اور مجاہدوں کی کوئی جگہ نظر نہیں آتی۔ بندہ خدا اگر آپ کو یہ چیزیں نظر نہیں آتیں تو اسے اپنی  
 نظر کا تصور اور بصیرت و فراست سے محرومی پر محمول کر کے خاموشی اختیار فرمالتے، بجلا اس  
 بات کا ثبوت کیا ہے کہ جو چیز آپ کو نظر نہ آئے حقیقت میں اُس کا وجود ہی نہیں ہے؛ کیا کہہ  
 سوچنے کی زحمت بھی گوارا فرماتی ہے کہ جس ایمانی فراست سے حقائق اپنی اصل صورت  
 میں نظر آنے ہیں اُس کا آپ کے قریب سے بھی گزر ہوا ہے؛ جب وہاں محرومی و نارسائی  
 اپنے آخری نقطے کو چھو رہی ہے تو نظر نہ آنے کا ذکر ہی کیا؛ یہ نظر ہمیشہ اہل نظر کے در کی دیوڑھی  
 سے حاصل ہوتی ہے جنہیں مودودی صاحب ملت اسلامیہ کا عضو معطل گردانتے اور ہمیشہ جن کے  
 مقابل **اَنَاخِيْرُ مِّنْهُ** کا آواز بلند کرتے رہتے ہیں۔ جب اندھے صاحب نظر ہونے کا  
 دعویٰ کرنے لگیں اور نظر والوں کو اندھا ٹھہرایا جائے تو کائنات معقولات و منقولات میں وہ عظیم  
 انقلاب برپا ہو جاتا ہے جس پر قابو پانا بظاہر ممکنات سے نظر آنے لگتا ہے۔ ذہن کی اس  
 آوارگی کے دور میں زبان پر یہ الفاظ مچلنے لگتے ہیں: س

بنے کیونکہ کہ ہے سب کار اُلٹا  
 ہم اُلٹے، بات اُلٹی، یار اُلٹا

## چوتھی عنایت

اس میدان میں مودودی صاحب نے اپنی  
 منصب صحابیت کو مجروح کرنا تحقیق کا خیر حضرت امیر المومنین عثمان بن عفان  
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی پر خاص طور سے چلایا ہے۔ چنانچہ انہوں نے بزعم خود تجدد  
 و اجیاتے دین کرتے ہوئے حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں "جاہلیت کا حملہ"

کے عنوان کے تحت لکھا ہے :

”مگر ایک طرف حکومت اسلامی کی تیز رفتار وسعت کی وجہ سے کام روز بروز زیادہ سخت ہوتا جا رہا تھا اور دوسری طرف حضرت عثمان جن پر اس کا عظیم کا بار رکھا گیا تھا، اُن تمام خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جلیل القدر پیشرووں کو عطا ہوئی تھیں، اس لیے اُن کے زمانہ خلافت میں جاہلیت کو اسلامی نظام اجتماعی کے اندر گھس آنے کا موقع مل گیا۔ حضرت عثمان نے اپنا سر دے کر اس خطرے کا راستہ روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہ رکھا۔“

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر زہراقتسانی کرنے، دل کھول کر کچھ اُچھالنے کی خاطر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خدشے کی آڑ لے کر اپنے دل کی بھڑاس یوں نکالتے ہیں :

”حضرت عمرؓ کو اپنے آخر زمانے میں اس بات کا خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں اُن کے بعد عرب کی قبائلی عصبیتیں (جو اسلامی تحریک کے زبردست انقلابی اثر کے باوجود ابھی بالکل ختم نہیں ہو گئی تھیں) پھر نہ جاگ اُٹھیں اور اُن کے نتیجے میں اسلام کے اندر فتنے برپا ہوں۔ چنانچہ ایک مرتبہ اپنے امکانی جانشینوں کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے اُنھوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے حضرت عثمانؓ کے متعلق کہا: اگر میں ان کو اپنا جانشین تجویز کروں تو وہ بنی ابی معیط (بنی اُمیہ) کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط کر دیں گے اور وہ لوگوں میں اللہ کی نافرمانیاں کریں گے۔ خدا کی قسم اگر میں نے ایسا کیا تو عثمانؓ یہی کریں گے اور اگر عثمانؓ نے یہ کیا تو وہ لوگ ضرور معصیتوں کا ارتکاب کریں گے اور عوام شورش برپا کر کے عثمانؓ کو قتل کر دیں گے۔“

اسی چیز کا خیال اُن کو اپنی وفات کے وقت بھی تھا۔ چنانچہ آخری وقت میں اُنھوں نے حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاص

کو بلا کر ہر ایک سے کہا کہ اگر میرے بعد تم خلیفہ ہو، تو اپنے قبیلے کے لوگوں کو عوام کی گردنوں پر سوار نہ کر دینا۔ مزید برآں چھ آدمیوں کی انتخابی شوری کے لیے انہوں نے جو ہدایات چھوڑیں ان میں دوسری باتوں کے ساتھ ایک بات یہ بھی شامل تھی کہ منتخب خلیفہ اس امر کا پابند رہے کہ وہ اپنے قبیلے کے ساتھ کوئی امتیازی برتاؤ نہ کرے گا مگر بد قسمتی سے خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ اس معاملے میں معیار مطلوب کو قائم نہ رکھ سکے۔ ان کے عہد میں بنو امیہ کو کثرت سے بڑے بڑے عہدے اور بیت المال سے عطیے دیے گئے اور دوسرے قبیلے اسے تلخی کے ساتھ محسوس کرنے لگے۔ ان کے نزدیک یہ صلہ رحمی کا تقاضا تھا۔۔۔۔۔ اس کا نتیجہ آخر کار وہی ہوا جس کا حضرت عمرؓ کو اندیشہ تھا۔ ان کے خلاف شورش برپا ہوئی اور صرف یہی نہیں کہ وہ خود شہید ہوئے، بلکہ قبائلیت کی دہی ہوئی چنگاریاں پھر سگ اٹھیں جن کا شعلہ خلافتِ راشدہ کے نظام ہی کو پھونک کر رہا۔ ۱

مذکورہ بالا عبارت میں مودودی صاحب نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافتِ راشدہ کی تباہی کا صاف طور پر ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ صاف کہہ دیا کہ ان کی اقرباء پروری کی روش نے خلافتِ راشدہ کے نظام کو پھونک کر رکھ دیا۔ بر ملا لکھ دیا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نافرمانوں کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط کر دیا تھا۔ ان بیانات کی روشنی میں خلیفہ ثالث کے تقویٰ و طہارت کا جو نقشہ مودودی صاحب نے کھینچا ہے وہ بالکل واضح ہے۔ اپنا بیان کو مدلل کرنے کی غرض سے موصوف نے بے سرو پا تاریخی قصوں کی آڑ میں یوں مشقِ ستم بھی کی ہے:

”لیکن ان (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بعد جب حضرت عثمان بن عفان جانشین ہوئے تو رفتہ رفتہ وہ اس پالیسی سے ہٹتے چلے گئے۔ انہوں نے پے درپے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کیے اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدفِ اعتراض بن کر رہیں۔

۱۔ خلافت و ملوکیت، طبع پنجم، ۱۹۷۰ء، ص ۹۸ تا ۱۰۰



حضرت سعد بن ابی وقاص کو معزول کر کے انھوں نے کوفہ کی گورنری پر اپنے ماں جائے بھائی ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو مقرر فرمایا اور اس کے بعد یہ منصب اپنے ایک اور عزیز سعید بن عاص کو دیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو بصرے کی گورنری سے معزول کر کے اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر کو ان کی جگہ مامور کیا۔ حضرت عمرو بن العاص کو مصر کی گورنری سے ہٹا کر اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرت کو مقرر کیا۔ حضرت معاویہؓ سیدنا عمر فاروقؓ کے زمانے میں صرف دمشق کی ولایت پر تھے۔ حضرت عثمانؓ نے ان کی گورنری میں دمشق، حمص، فلسطین، اردن اور ابادان کا پورا علاقہ جمع کر دیا۔ پھر اپنے چچا زاد بھائی مروان بن الحکم کو انھوں نے اپنا سکریٹری بنا لیا جس کی وجہ سے سلطنت کے پورے دروبست پر اس کا اثر و نفوذ قائم ہو گیا۔ اس طرح عملاً ایک ہی خاندان کے ہاتھ میں سارے اختیارات جمع ہو گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقربا پروری اور انھیں اعلیٰ عہدوں پر فائز کرنے پر خود ہی اعتراضات جڑے اور بے بنیاد الزامات عاید کیے۔ خود ہی فرضی سی صفائی پیش کر کے اسے رد کر رہے ہیں۔ گویا اپنے ہاتھوں قتلے کا دروازہ کھولنے اور اسے بند کرنے کے لیے ایسی مہم چلانا کہ دروازہ بھی کھلا رہے اور مہم چلانے کا دنیا بھر میں شہرہ بھی ہو جائے، یہ ہے مودودی صاحب کا وہ شریعت کی آڑ میں تجارتی کاروبار جس پر ان کی شہرت کا سارا دار و مدار ہے۔ چنانچہ موصوف کا یہ کردار ان کی مندرجہ ذیل عبارت کے آئینے میں بخوبی دیکھا جاسکتا ہے:

اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ اپنے خاندان کے جن لوگوں کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے حکومت کے یہ مناصب دیے، انھوں نے اعلیٰ درجے کی انتظامی اور جنگی قابلیتوں کا ثبوت دیا اور ان کے ہاتھوں بہت سی فتوحات ہوئیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ قابلیت صرف انھی لوگوں میں نہ تھی۔ دوسرے لوگ بھی بہترین قابلیتوں کے مالک موجود تھے اور ان سے زیادہ خدمات انجام دے چکے تھے۔ محض قابلیت

اس بات کے لیے کافی دلیل نہ تھی کہ خراسان سے لے کر شمالی افریقہ کا پورا علاقہ ایک ہی خاندان کے گورنروں کی ماتحتی میں دے دیا جاتا اور مرکزی سکرٹریٹ پر بھی اسی خاندان کا آدمی مامور کر دیا جاتا۔ یہ بات اول تو بجائے خود قابل اعتراض تھی کہ مملکت کا رئیس اعلیٰ جس خاندان کا ہو، مملکت کے تمام اہم عہدے بھی اسی خاندان کے لوگوں کو دے دیے جائیں، مگر اس کے علاوہ چند اسباب اور بھی تھے جن کی وجہ سے اس صورتِ حال نے اور زیادہ بے چینی پیدا کر دی؛ لہ

اب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری جرم فرد کے بارے میں مودودی صاحب کی وضاحت ملاحظہ ہو:

”مروان کے اس پس منظر کو نگاہ میں رکھا جائے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اُس کا سکرٹری کے منصب پر مقرر کیا جانا لوگوں کو کسی طرح گوارا نہ ہو سکتا تھا۔ لوگ حضرت عثمانؓ کے اعتماد پر یہ تو مان سکتے تھے کہ حضورؐ نے ان کی سفارش قبول کر کے حکم کو واپسی کی اجازت دینے کا وعدہ فرمایا تھا اس لیے اُسے واپس بلا لینا قابل اعتراض نہیں ہے لیکن یہ مان لینا لوگوں کے لیے مشکل تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی معتوب شخص کا بیٹا اس بات کا بھی اہل ہے کہ تمام اکابر صحابہؓ کو چھوڑ کر اُسے خلیفہ کا سیکرٹری بنا دیا جائے، خصوصاً جبکہ اُس کا وہ معتوب باپ زندہ موجود تھا اور اپنے بیٹے کے ذریعے حکومت کے کاموں پر اثر انداز ہو سکتا تھا۔“ لہ

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عائد کردہ دونوں الزامات کو مودودی صاحب نے آگے چل کر بھی ڈبیرا یا ہے جس سے بعض گوشے مزید اُجاگر ہو جاتے ہیں، چنانچہ موصوف نے لکھا ہے:

یہ تھے وہ وجوہ جن کی بناء پر حضرت عثمانؓ کی یہ پالیسی لوگوں کے لیے اور بھی زیادہ بے اطمینانی کی موجب بن گئی تھی۔ خلیفہ وقت کا اپنے خاندان کے آدمیوں کو

پے درپے مملکت کے اہم ترین مناصب پر مامور کرنا بجائے خود کافی وجہ اعتراض تھا۔ اس پر جب لوگ یہ دیکھتے تھے کہ آگے لائے بھی جا رہے ہیں تو اس طرح کے اشخاص، توفطری طور پر ان کی بے حسینی میں اور زیادہ اضافہ ہو جاتا تھا۔ اس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ دو چیزیں ایسی تھیں جو بڑے دور رس اور خطرناک نتائج کی حامل ثابت ہوئیں۔

ایک یہ کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت معاویہؓ کو مسلسل بڑی طویل مدت تک ایک ہی صوبے کی گورنری پر مامور کیے رکھا۔ وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں چار سال سے دمشق کی ولایت پر مامور چلے آ رہے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے ابلہ سے سرحد روم تک اور الجزائرہ سے ساحل بحر ابیض تک کا پورا علاقہ ان کی ولایت میں جمع کر کے اپنے پورے زمانہ خلافت (۲۱ سال) میں ان کو اسی صوبے پر برقرار رکھا۔ یہی وجہ ہے جس کا خمیازہ آنر کار حضرت علیؓ کو بھگتنا پڑا۔ شام کا یہ صوبہ اُس وقت کی اسلامی سلطنت میں بڑی اہم جنگی حیثیت کا علاقہ تھا۔ اس کے ایک طرف تمام مشرقی صوبے تھے اور دوسری طرف تمام مغربی صوبے۔ بیچ میں وہ اس طرح حائل تھا کہ اگر اُس کا گورنر مرکز سے منحرف ہو جائے تو وہ مشرقی صوبوں کو مغربی صوبوں سے بالکل کاٹ سکتا تھا۔ حضرت معاویہؓ اس صوبے کی حکومت پر اتنی طویل مدت تک رکھے گئے کہ انہوں نے یہاں اپنی جڑیں پوری طرح جمالیں اور وہ مرکز کے قابو میں نہ رہے بلکہ مرکز ان کے رحم و کرم پر منحصر ہو گیا۔

دوسری چیز جو اس سے زیادہ فتنہ انگیز ثابت ہوئی وہ خلیفہ کے سیکرٹری کی اہم پوزیشن پر مروان بن الحکم کی ماموریت تھی۔ ان صاحب نے حضرت عثمانؓ کی نرم مزاجی اور ان کے اعتماد سے فائدہ اٹھا کر بہت سے کام ایسے کیے جن کی ذمہ داری لامحالہ حضرت عثمانؓ پر پڑتی تھی، حالانکہ ان کی اجازت اور علم کے بغیر ہی وہ کام کر ڈالے جاتے تھے۔ علاوہ بریں یہ حضرت عثمانؓ اور اکابر صحابہؓ کے باہمی خوشگوار تعلقات کو خراب کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہے تاکہ خلیفہ برحق

اپنے پڑا تے رفیقوں کے بجائے ان کو اپنا زیادہ خیر خواہ اور حامی سمجھنے لگیں۔ یہی نہیں بلکہ متعدد مرتبہ انہوں نے صحابہ کے مجمع میں ایسی تہدید آمیز تقریریں کیں جنہیں طلقاء کی زبان سے سُننا سابقینِ اولین کے لیے مشکل ہی قابل برداشت ہو سکتا تھا۔ اسی بنا پر دوسرے لوگ، تو درکنار، خود حضرت عثمانؓ کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ بھی یہ رائے رکھتی تھیں کہ حضرت عثمانؓ کے لیے مشکلات پیدا کرنے کی بڑی ذمہ داری مروان پر عاید ہوتی ہے، حتیٰ کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے شوہر محترم سے صاف صاف کہا کہ: "اگر آپ مروان کے کئے پر چلیں گے تو یہ آپ کو قتل کروا کے چھوڑے گا۔ اس شخص کے اندر نہ اللہ کی قدر ہے، نہ ہیبت نہ محبت!"

یہ ہے مودودی صاحب کی نظر میں خلیفہ برحق حضرت امیر المؤمنین عثمانؓ ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جرائم کی فرد، کوتاہیوں اور غلطیوں کی فہرست جنہیں مودودی صاحب نے جھوٹے اور من گھڑت تاریخی واقعات سے مدلل و مزین بھی کیا ہوا ہے۔ مودودی صاحب کے جملہ نظریات وغیرہ پر سیر حاصل تنقید کے لیے توقارمین کرام تحفہ مودودیت کا انتظار فرمائیں، ان سطور میں تاریخی بحث کی گنجائش کہاں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذکورہ بالا فرضی جرائم پر اب سرکار مودودیت مآب کی عدالتِ عالیہ سے جو فیصلہ صادر ہوا، وہ ملاحظہ ہو:

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی کا پہلو بلاشبہ غلط تھا اور غلط کام بہر حال غلط ہے، خواہ وہ کسی نے کیا ہو۔ اُس کی خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثبات کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل و انصاف کا تقاضا ہے اور نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے!"

مودودی صاحب کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی عدیم المثال ہستی کی غلطیاں تو نظر آگئیں لیکن کیا انہیں اپنی ذات میں بھی کوئی غلطی نظر آئی ہے؟ ان کے تابعین کی نظر میں مودودی صاحب سے کوئی ایک فعل بھی ایسا سرزد ہوا ہے جسے وہ غلط سمجھتے ہوں؟ اگر کوئی فعل

یا افعال ایسے ہیں تو ازراہ کرم مسلمانوں کو ان سے مطلع فرمائیں بصورت دیگر یہی سمجھا جائے گا کہ قصرِ مودودیت میں رہنے والوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے اگر کسی انسان کو غلطیوں سے پاک رکھا ہے تو وہ صرف مودودی صاحب کی ذات ہے۔ کاشش! مودودیت کے شیش محل میں رہنے والے اُمتِ محمدیہ اور اس کے اکابر پر سنگ باری کرنے سے پہلے کبھی اپنے گریبانوں میں جھانک کر بھی دیکھ لیا کریں کہ وہ: سے

اسلام کے خلاف خدا کے حریف ہیں

ابلیس کی وہ فصلِ ربیع و خریف ہیں

قارئینِ کرام کو اگر بارِ خاطر نہ ہو تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مودودی صاحب کے الزامات کی فہرست ملاحظہ فرمائی جائے:

۱۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان خوبیوں کے حامل نہ تھے جو حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں موجود تھیں۔

۲۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنو امیہ کو بیت المال سے کثرت کے ساتھ عطیے دیے۔

۳۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنی ابی معیط (بنو امیہ) کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط کر دیا جنہوں نے معصیتوں کا ارتکاب کیا۔

۴۔ خلیفہ ثالث نے خراسان سے شمالی افریقہ تک کی اسلامی مملکت اپنے ہی خاندان کے لوگوں کو گورنر بنا بنا کر ان کی ماتحتی میں دے دیا اور سابقین اولین کو نظر انداز کر کے دیا بھی ان لوگوں کے ہاتھ میں جو طلقا تھے۔

۵۔ اسلامی مملکت میں سب سے اہم جنگی حیثیت کے صوبہ شام پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عزیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسلسل گورنر رکھنا نیز ایلہ سے سرحد روم تک اور الجزائرہ سے ساحلِ ابیض تک کا علاقہ ان کی ولایت میں جمع کر دیا تھا۔ جس کا خمیازہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھگتنا پڑا تھا۔

۶۔ خلیفہ ثالث نے اپنے چچا زاد بھائی مروان بن الحکم کو اپنا پرسنل سیکرٹری رکھ لیا تھا جو اپنی غلط کاری سے ایک جانب حکومت کے کاموں پر اثر انداز ہوتا اور دوسری طرف

اکابر صحابہ کے تعلقات خلیفہ برحق سے خراب کرنے میں کوشاں رہتا تاکہ خلیفہ کا اعتماد صرف اپنے ناندان پر مرکوز ہو کر رہ جائے۔

مذکورہ اعتراضات پر اگر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ مودودی صاحب گروہِ روافض کی طرح بعض اکابر صحابہ کی عداوت میں مغلوب ہو چکے ہیں اسی لیے ٹھوٹے تاریخی قصوں کے ساتھ اپنے مفروضات کو بھی قارئین کے سامنے اس طرح پیش کرتے چلے گئے ہیں کہ وہ گویا حقیقت پر مبنی ہیں۔ موصوف کا یہ لکھنا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان خوبیوں کے حامل نہ تھے جو شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں موجود تھیں، آخر اس میں خلیفہ ثالث کا کیا قصور جبکہ ہر شخص کے اوصاف علیحدہ اور ہر فرد دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے۔ جناب مودودی صاحب ہی فرماتے ہیں کہ کیا حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان خوبیوں کے حامل تھے جو کائناتِ ارضی و سماوی کی اس ممتاز ترین بستی میں موجود تھیں جس کے وہ خلیفہ مقرر ہوئے تھے؟ ہر مسلمان یہی جواب دے گا کہ ہرگز وہ ان خوبیوں کے حامل نہیں تھے۔ اس کے باوجود کسی مسلمان نے آج تک ان کے سوا کسی کو خلافت کا حقدار قرار نہیں دیا اور نہ انہیں نااہل ٹھہرایا۔ اسی طرح خلیفہ ثالث اگر ان خوبیوں کے حامل نہ تھے جو شیخین میں تھیں تو یہ کون سا عیب ہے جس پر انگشت نمائی کی جائے۔ سوال تو صرف یہ ہو سکتا ہے کہ خلیفہ ثالث حضرات شیخین کے بعد خلافت کے اہل تھے یا نہیں؟ مودودی صاحب انہیں نااہل قرار دیتے ہیں جیسا کہ ان کے اعتراضات کی فہرست سے واضح ہو رہا ہے لیکن سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تربیت یافتہ افراد (صحابہ کرام) جو حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد نبی نوراً انسان میں اپنی نظیر آپ تھے، ان مقدس گروہ کا فیصلہ یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر خلافت کی اہلیت اور کسی میں نہیں تھی۔ مودودی صاحب خلیفہ ثالث کو نااہل بتاتے ہیں جبکہ جملہ صحابہ کرام نے انہیں اُمتِ محمدیہ کا اہل ترین فرد قرار دیا تھا۔ ان حالات میں فیصلہ قوتِ ایمانی ہی کر سکتی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تربیت پانے والے مقدس گروہ کے فیصلے کو سچا سمجھا جائے یا مودودی صاحب کی رائے کو، جنہیں کسی قابلِ ذکر ہستی سے تربیت پانے کی زندگی میں ہوا بھی نصیب نہیں ہوئی۔ کیا مودودی صاحب کے مفروضات پر محمد رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کی معجزانہ تربیت اور صحابہ کرام کی عظمت کو قربان کر دینا کسی ایسے شخص کا کام ہو سکتا ہے جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان باقی ہو؛

دوسرا اعتراض مودودی صاحب نے خلیفہ ثالث پر یہ کیا ہے کہ انہوں نے بیت المال سے بنو امیر کو بڑے بڑے عطیے دیے۔ اس سلسلے میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ وضاحت قابل غور ہے؛

فانی ما اعطیہم من مالی ولا  
استحل اموال المسلمین لنفسی  
ولا لاحد من الناس۔ لہ  
میں نے جو کچھ انہیں (بنو امیر کو) دیا ہے  
وہ اپنے ہی مال سے دیا ہے اور مسلمانوں  
کا مال میں اپنی ذات کے لیے بھی حلال  
نہیں سمجھتا نہ کسی دوسرے آدمی کے لیے۔

تیسرا اور چوتھا اعتراض کثرت سے بنو امیر کے گورنر بنانے اور اتنا بڑا ملک ایک ہی خاندان کے تسلط میں دینے پر ہے۔ بہر حال اس دُکھ میں ہمیں مودودی صاحب سے دلی ہمدردی ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ انہیں صحابہ کرام کے دشمنوں کی صف سے نکال کر ان بزرگوں کے عقیدت مندوں میں شامل فرمائے۔ اس کے علاوہ ہم اور کہ بھی کیا سکتے ہیں؛

جب مودودی صاحب اسی کتاب کے صفحہ ۱۰۸ پر یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جن لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گورنر مقرر فرمایا تھا ان میں اعلیٰ درجے کی انتظامی اور جنگی قابلیت تھی اور ان کے ہاتھ پر بہت سی فتوحات بھی ہوئیں تو معلوم نہیں مودودی صاحب اس بات پر چسپ رہیں کیوں ہیں؛ کیا انہوں کی قابلیت اور سرفروشی سے پورے عالم اسلام کو فائدہ پہنچانا بھی موصوف کے نزدیک خلیفہ ثالث کا جرم ہے؛ بندہ خدا اسلام پر جانثاری کا اپنے اقرباء کو دوسروں سے بڑھ کر موقع دینا قابل اعتراض کسی عاقل کے نزدیک نہیں ہو سکتا، ہاں یاقیناً حسین و آفرین ضرور ہے۔ رہا ان کے گورنر بنائے جانے پر اعتراض کرنا، تو یہ بھی ہرگز قابل اعتراض نہیں کیونکہ وہ حضرات جن غیر مسلم علاقوں کو پے درپے فتح کر کے اسلامی مملکت کی حدود کو روز بروز

لے تاریخ طبری، جلد سوم، ص ۳۸۵

وسیع کر رہے تھے۔ ایسے علاقوں پر ان فاتحین حضرات ہی کو گورنر مقرر کرنا زیادہ قرین انصاف ہے یا دوسروں کو؟ دیگر صحابہ کرام تو اس طرز عمل پر قطعاً معترض نہ ہوئے لیکن اگر مودودی صاحب کو تکلیف پہنچی ہے تو وہ کسی بھی طرح خلیفہ ثالث ہی کے وقت میں تشریف لے آئے اور جس طرح آج مسلمانوں سے علیحدہ اپنا فرقہ بنا لیا ہے اسی طرح کر کے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بر ملا کہہ دیتے کہ حضور والا! جن علاقوں کو دلیران بنو امیہ فتح کر رہے ہیں ان پر یا تو جماعت اسلامی کے کارندوں اور ورکروں کو فائز فرماتے جائیے ورنہ آپ کے خلاف سول نافرمانی شروع کر دی جائے گی۔ خلیفہ برحق کے مخالف ہونے میں اس وقت تو اقتدار کی موہوم سی امید بھی ہو سکتی تھی لیکن آج فرضی قصوں، جھوٹی روایتوں کی آڑ لے کر ان کی مخالفت پر کمر بستہ ہونے میں کون سی اسلام کی خدمت یا آخرت کی بھلائی نظر آرہی ہے؟

مودودی صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جب مذکورہ صورت حال پیش آئی تو صحابہ کرام میں بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ کاش! موصوف یہ راستہ اختیار نہ کرتے کیونکہ وہ زمانہ خلافت راشدہ کا تھا۔ تمام امور مہمہ اجلہ اصحاب کے مشوروں سے طے پاتے تھے۔ جملہ حضرات بالکل مطمئن اور خلیفہ برحق کے ساتھ تھے۔ اگر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مانی کر رہے ہوتے تو صحابہ کرام کی اجتماعی قوت ہرگز انہیں ایسا نہ کرنے دیتی بلکہ وہ ان کی مرضی کے خلاف ایک قدم بھی نہ اٹھا سکتے اور نہ انہوں نے ایسا کوئی قدم اٹھایا اور نہ جمہور صحابہ کے لیے انہیں بار خلافت سے سبکدوش کر دینا بھی چندان مشکل نہیں تھا۔

پانچواں اعتراض حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گورنری پر ہے کہ خلیفہ ثالث نے انہیں اپنے دور خلافت میں مزید پورے بارہ سال تک شام کا گورنر کیوں رکھا؟ کیوں جڑیں مضبوط کرنے کا موقع دیا؟ یعنی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گورنروں کی جڑوں کو کھوکھلی کرتے رہتے تو مودودی صاحب کی آنکھوں کو نور اور دل کو سرور حاصل ہو جاتا جناب والا! خلافت راشدہ کے دور میں کسی گورنر کو اس کے خلاف شکایتیں پہنچنے یا اس کے خود کسی بھی وجہ سے مستعفی ہو جانے کے سوا ہٹایا نہیں جاتا تھا۔ مودودی صاحب کے پاس اگر مذکورہ بارہ سالہ دور کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق معقول شکایتیں ہیں تو وہ علی الاعلان ضرور



پیش کریں تاکہ اُن کی روشنی میں مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ ان کی موجودگی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چاہیے تھا کہ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شام کی گورنری سے ہٹا دیتے، بصورتِ دیگر مودودی صاحب اپنے موقف پر نظر ثانی فرمائیں تو اُن کے لیے بہت مفید ثابت ہو گا۔

سب سے پہلے بحری بڑھ تیار کرنے والے قیصرِ روم کی یلغار کو نہ صرف روکنے بلکہ اُسے ناکوں چنے چوانے والے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق مودودی صاحب کو یہ شکوہ ہے کہ حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی ماتحتی میں ایلہ سے سرحدِ روم تک اور الجزائرہ سے ساحلِ بحرِ ابیض تک کا پورا علاقہ جمع کر کے اُن کی ولایت کو اتنا وسیع کیوں کر دیا تھا۔ کاشش! مودودی صاحب سبائیت کی پٹی ہٹا کر اتنا بتانے کی زحمت گوارا فرمائیں کہ ایلہ سے سرحدِ روم تک اور الجزائرہ سے ساحلِ بحرِ ابیض تک کے علاقے فتح کس نے کیے تھے؟ یقیناً وہ اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ انہیں قربانی کی کھالیں جمع کرنے والے جماعتِ اسلامی کے کارندوں نے فتح نہیں کیا تھا بلکہ قیصرِ روم کی طاقت پر بار بار ضربیں لگانے والے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتح کیا تھا۔ شام کا صوبہ جو قیصرِ روم کو اسلامی مملکت کے دار الخلافہ کی جانب آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنے نہیں دیتا تھا اور بڑی بحری لڑائیوں میں پلے درپلے رویوں پر کاری ضربیں لگا رہا تھا، اُس کی حدود کو وسیع کر کے، اُسے مضبوط سے مضبوط تر بنا کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتہائی تدبیر اور دانشمندی کا ثبوت ہی دیا تھا لیکن دل کی لگی، سبائیت کی کھلبلی اگر اسے غلطی ہی کہنے پر مجبور کرے تو اس قلبی مرض کا علاج تو بہ کے ہوا اور کچھ نہیں۔ اس پر مُصر ہو کر مرغ کی ایک ہی ٹانگ بتائے جانے کا انجام اللہ کے کلامِ معجزِ نظام نے یہ بتایا ہے:

فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ  
اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ  
أَلِيمٌ، بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ۔

اُن کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے  
اُن کی بیماری اور بڑھائی اور اُن کے لیے  
دردناک عذاب ہے بدلہ اُن کے

جھوٹ کا۔

لے پارہ پہلا، سورہ بقرہ، آیت ۱۰

بخاری شریف، کتاب الجہاد میں ہے کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم جو خواب تھے۔  
 بیدار ہونے پر بوجہ مسرت تبسم فرمایا۔ حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تبسم  
 کی وجہ پوچھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

ناس من امتی یرکبون البحر  
 الا خضرو فی سبیل اللہ مثلہم  
 کمثل الملوک علی لاسرہ  
 فقات یا رسول اللہ ادع  
 اللہ ان یجعلنی منہم قال  
 اللہم اجعلہا منہم۔

میری امت کے بعض لوگ جہاد فی سبیل اللہ  
 کی خاطر سمندری جہازوں پر سوار ہیں۔ وہ  
 یوں نظر آتے ہیں جیسے بادشاہ تخت پر  
 بیٹھے ہوں۔ ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا  
 نے عرض کی، دعا فرمائیے اللہ تعالیٰ مجھے  
 ان لوگوں میں شمار فرمائے۔ آپ نے  
 دعا فرمائی: اے اللہ! اسے ان لوگوں  
 میں شمار فرمائے۔

اسی بخاری شریف کے کتاب الجہاد کی یہ روایت بھی چشم بصیرت سے دیکھنے کے قابل ہے:

اول جیش من امتی یغزون  
 البحر قد اوجبوا۔

میری امت کی پہلی فوج جو بحری لڑائی  
 کرے گی اُس کے لیے جنت واجب  
 ہوگی۔

بحری بیڑا بنانے کے موجد اول حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسی مقدس طاقت  
 میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلاف کر کے اللہ و رسول کی رضا خریدی، دانشمندی  
 اور ایمانی بصیرت کا زبردست ثبوت دیا ہے، اسے غلطی بتانا بوالعجبی ہے: ہ

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے

اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا

چھٹا اعتراض موردی صاحب کا یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مروان  
 جیسے شخص کو محض قرابت کے باعث اپنا سیکرٹری بنا لیا تھا اور وہ اپنی بے راہ روی  
 کے باعث حکومت کے کاموں پر اثر انداز ہو رہا تھا، کئی نادر کام اُس نے ایسے کیے جن کا

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم بھی نہ ہونے دیا لیکن اُن کی ذمہ داری بہر حال خلیفہ وقت پر عائد ہوتی ہے اور مروان نے خلیفہ سے اکابر صحابہ کے تعلقات خراب کرنے میں اہم پارٹ ادا کیا۔

جہاں تک مروان کو سیکرٹری بنانے کا تعلق ہے یہ مودودی صاحب کا سفید جھوٹ اور نری گپ ہے جس کی صحت پر وہ مرتے دم تک کوئی دلیل قایم نہیں کر سکیں گے۔ سیکرٹری کا کوئی عہدہ نہ زمانہ رسالت میں تھا، نہ عہدِ صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں اور نہ اس عہدے کی تخلیق حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور میں ہوئی۔ پورا دور رسالت اور عہدِ خلافتِ راشدہ اس عہدے سے نا آشنا رہا۔ کسی نے اس کا وجود بھی نہ دیکھا، لیکن دورِ حاضر کی محقق و مفکر کہلانے والی ہستی ایسے عالم آشکار میں ڈنکے کی چوٹ جھوٹ بولنے سے ذرا نہیں شرماتی۔ ایسے فرضی افسانے گھڑنے پر آنکھ ذرا بھی نہیں لجاتی۔ اللہ تعالیٰ دین و دیانت عطا فرمائے۔

مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ مروان نے کئی نادر و اکام وہ کیے کہ اگرچہ وہ خلیفہ کے علم میں نہ تھے لیکن اُن کی ذمہ داری خلیفہ وقت پر عاید ہوتی ہے اس کے پیش نظر ہم سبائیت کے وکیل مطلق صاحب سے سوال کرتے ہیں کہ وہ مرنے سے پہلے ایسے کسی ایک واقعے کی نشاندہی ضرور فرمادیں۔ **فَان لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلٰكِن تَفْعَلُوْا فَاْتَقُوْا النَّاسَ الَّذِيْنَ وَتُوْذُوْهَا الْمَنَاسُ وَالْحِيَجَارَةَ ط** عاجز رہنے کی صورت میں در توبہ کی جانب رجوع کریں کہ وہ ابھی کھلا ہوا ہے۔ ہم نے یہاں مودودی صاحب کے چیدہ چیدہ اعتراضات ہی پر بخوف طوالت اکتفا کیا ہے ورنہ مودودی صاحب نے تو خوفِ خدا اور خطرہ روز جزا سے عاری ہو کر اور بھی کتنے ہی سنگین الزامات عاید کیے ہیں، مثلاً:

- ۱۔ عہدِ عثمانی میں آگے بڑھائے جانے والے بزرگوں کو طلاق بتایا ہے۔
- ۲۔ بتایا ہے کہ اسلام لانے تک وہ سرور کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخالف ہے۔
- ۳۔ لکھا ہے کہ فتح مکہ کے وقت انہیں معافی ملی تھی۔
- ۴۔ صاف لکھا ہے کہ وہ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے تھے۔

- ۵۔ تصریح کی ہے کہ عہد عثمانی میں یہ لوگ سابقین اولین کو ہٹا کر لائے گئے تھے۔
- ۶۔ وہ حضرات ملک گیر ملک دار تھے۔
- ۷۔ ان لوگوں کی ذہنی اور اخلاقی تربیت نہیں ہوئی تھی۔
- ۸۔ وہ امت مسلمہ کی اخلاقی قیادت اور دینی سربراہی کے لیے موزوں نہ تھے۔
- ۹۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت و تربیت سے فائدہ اٹھانے کا بہت کم موقع ملا تھا۔

- ۱۰۔ حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پرنے نوشی کا الزام لگایا ہے۔
- ۱۱۔ عثمانی دور کے طرز عمل کو عہد رسالت اور صدیقی و فاروقی دور کے خلاف بتایا ہے۔
- ۱۲۔ چار پانچ اصحاب کے علاوہ پورے مدینہ منورہ میں کوئی صحابی خلیفہ ثالث کا حامی نہ رہا تھا۔
- قارئین کرام پہلے چار الزامات کو مد نظر رکھتے ہوئے غور فرمائیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ایمان لائے تھے یعنی فتح مکہ سے دو سال پہلے۔ حضرت سعید بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح مکہ کے وقت چھ سال کے تھے اور حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چار سال کے۔ لیکن مودودی صاحب بن الاقوامی شخصیت ہو کر ہمالیہ پہاڑ جتنا جھوٹ بول رہے ہیں اور مسلمانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ایسی گتوں سے بھی ذرا نہیں شرماتے، آنکھ تک نہیں جھکاتے۔ ذرا حق کی علمبرداری کے مدعی صاحب سے یہ پوچھا تو جائے کہ جناب والا! کیا یہ حضرات بھی طلقاء ہیں؟ کیا یہ دعوت اسلام کے فتح مکہ تک مخالف رہے تھے؟ کیا فتح مکہ کے وقت انہیں معافی ملی تھی؟ کیا یہ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے تھے؟ ہاتھ ابرو ہاتھ ان کُنْتُمْ صَادِقِينَ ۰ اگر پتے کوئی دلیل نہ ہو تو بتایا جائے کہ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۰ کے تحت طوق لعنت کس خوشی میں زیب گلو فرمایا ہوا ہے؟ کیا یہ بہتر نہیں کہ اتہامات سے توبہ کر کے طوق لعنت سے خلاسی حاصل کی جائے؟ قرآن کریم پکار پکار کر کہہ رہا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ۰

دور عثمانی کے اموی گورنروں میں سے حضرت ولید بن عقبہ اور حضرت عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ تعالیٰ عنہما ضرور فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے لیکن برضا و رغبت حلقہ بگوش اسلام

ہوئے تھے۔ نہ ان کا شمار طلقات میں ہے، نہ معافی کا معاملہ درپیش آیا۔ اگر مودودی صاحب کے پاس ان حضرات کو مطعون کرنے کے دلائل ہیں تو انہیں ضرور پیش کریں تاکہ ہم قارئین کو ان دلائل کا وزن دکھا سکیں اور آفتاب نیروز کی طرح واضح کر دیں کہ مودودی صاحب حق دشمنی اور بغض اصحاب رسول میں سبائیوں سے پیچھے ہیں یا چار قدم آگے ہی بڑھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ یہ مشاطہ را بگو کہ بر اسباب حسن یار چیزے فزوں کند کہ تماشا بما رسد

کاش! حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مشق ستم کرتے وقت مودودی صاحب کے گوشہ ذہن میں یہ بات آجاتی کہ وہ خلافت راشدہ اور یاران رسول پر تنقید کر رہے ہیں، کسی ڈکٹیٹر پر ان کی تنقید نہیں ہے۔ خلافت راشدہ میں تمام امور باہمی مشورے سے طے پایا کرتے تھے کسی ایک شخص کی رائے قانون نہیں بن جاتی تھی۔ دور عثمانی میں بھی تمام امور مشورے سے طے ہوتے تھے۔ اگر کسی کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتظام سلطنت غلط ہے تو اس وقت کے تمام صحابہ کرام کو غلط ماننا لازم آئے گا۔ چنانچہ اسی حقیقت کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یوں اظہار فرمایا ہے:

وما ذنب عثمان فیما صنع اور اُس میں حضرت عثمان کا کیا گناہ ہے  
عن امرنا۔ لہ جو انہوں نے ہمارے مشورے سے کیا ہے۔  
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصری سبائیوں کی ایک جماعت کو دھتکارتے ہوئے معترضین خلیفہ ثانی کے بارے میں فرمان رسالت سناتے ہوئے یوں اپنا عندیہ ظاہر کیا تھا:

فصاح بہم واطر دہم آپ نے اونچی آواز سے انہیں دھتکارا  
وقال لقد علوا الصالحون اور فرمایا: نیک لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہے  
ان جیش ذی المروۃ و ذی کہ ذی مروہ اور ذی خشب کے لشکر  
خشب ملعونون علی لسان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماں کے مطابق ملعون ہیں۔ تم واپس چلے جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہارا حمایتی نہ ہو۔  
 خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفین عثمان کی اس ساری کارگزاری کو بلوی یعنی شرارت و بغاوت قرار دیا ہے۔ چنانچہ مسلم شریف میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

بَشِيرَةٌ بِالْجَنَّةِ عَلَى بَلْوَى۔  
 اُسے (حضرت عثمان کو) جنت کی بشارت

دے دو، بلوی کے ساتھ۔

ان کی دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

بَشِيرَةٌ بِالْجَنَّةِ مَعَ بَلْوَى  
 تُصِيبُهُ۔  
 اُسے جنت کی خوشخبری سنا دو ساتھ بلوی کے جس سے وہ دوچار ہوگا۔

ترمذی شریف میں حضرت مرد بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دیتے ہوئے آپ کی جانب اشارہ کر کے فرمایا تھا:

هَذَا يَوْمٌ مُّثَدُّ عَلَى الْهَدَى۔  
 اُس روز ہدایت پر یہ ہوگا۔

اسی ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ فِتْنَةَ فَقَالَ يَقْتُلُ هَذَا  
 رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعْنِي  
 فِيهَا مَظْلُوْمًا لِعَثْمَانَ۔  
 رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے  
 فتنے کا ذکر کیا اور حضرت عثمان کے متعلق  
 فرمایا کہ اُس میں یہ مظلومانہ شہید ہوں گے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طویل حدیث میں ہے کہ فتنہ کے وقت آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں کے اصرار پر خلافت نہ چھوڑ دینا۔ الفاظ یہ ہیں: لَعَلَّ  
 اللَّهُ يَقْمِصَكَ قَمِيصًا فَإِنْ أَرَادَ وَكَ عَلَى خَلْعِهِ فَلَا تَخْلَعْ لَهُمْ۔ بیہمتی نے دلائل النبوة

میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ اس تذکرہ کے وقت ایک صحابی نے گزارش کی کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس فتنہ کے وقت ہمیں کیا کرنا چاہیے، تو حکم ہوا: علیکم بالامید و الصواب و ہولیشیر الی عثمان۔ یعنی اپنے امیر اور اُس کے ساتھیوں کی اطاعت کرنا۔ امیر کہتے وقت آپ نے حضرت عثمان کی جانب اشارہ فرمایا لیکن مودودی صاحب اُن کی مخالفت اور سبائیوں کی ہمنوائی پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔

مودودی صاحب کی مشق ستم سے رافضی حضرات بڑے شادمان ہیں کہ اُنھوں نے دشمنان صحابہ کی وکالت کا حق ادا کر دیا لیکن جو بیباک قلم کسی کو نظر انداز کرنا جانتا ہی نہ ہو اُس کی ناوک فگنی سے بھلا کون بچ سکتا ہے؟ امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تیر اندازی ان لفظوں میں ہوتی ہے:

”حضرت علی نے اس پورے فتنے کے زمانے میں جس طرح کام کیا وہ ٹھیک ٹھیک ایک خلیفہ راشد کے شایان شان تھا۔ البتہ صرف ایک چیز ایسی ہے جس کی مدافعت میں مشکل ہی سے کوئی بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ کہ جنگِ جمل کے بعد اُنھوں نے قاتلین عثمانؓ کے بارے میں اپنا رویہ بدل دیا۔ جنگِ جمل تک وہ اُن بزرگوں سے بیزار تھے، باوہلِ ناخواستہ اُن کو برداشت کر رہے تھے اور ان پر گرفت کرنے کے لیے موقع کے منظر تھے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سے گفتگو کرنے کے لیے جب اُنھوں نے حضرت قعقاع بن عمرو کو بھیجا تھا تو اُن کی نمائندگی کرتے ہوئے حضرت قعقاع نے کہا تھا کہ: حضرت علیؓ نے قاتلین عثمانؓ پر ہاتھ ڈالنے کو اُس وقت تک موخر کر رکھا ہے جب تک وہ اُنھیں پکڑنے پر قادر نہ ہو جائیں، آپ لوگ بیعت کر لیں تو خون عثمانؓ کا بدلہ لینا آسان ہو جائے گا۔ پھر جنگ سے عین پہلے جو گفتگو اُن کے اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے درمیان ہوئی اُس میں حضرت طلحہؓ نے اُن پر الزام لگایا کہ آپ خون عثمانؓ کے ذمہ دار ہیں تو اُنھوں نے جواب میں فرمایا:

لعن اللہ قتلۃ عثمان (عثمان کے قاتلوں پر اللہ کی لعنت) لیکن اس کے بعد بتدریج وہ لوگ اُن کے ہاں تقرب حاصل کرتے چلے گئے جو حضرت عثمانؓ کے خلاف

شورش برپا کرنے اور بالآخر انھیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے۔ حتیٰ کہ انھوں نے مالک بن حارث الاشر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کے عہدے تک دے دیے اور انہیں قتل عثمان میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے۔ حضرت علیؓ کے پورے زمانہ خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک کام ایسا نظر آتا ہے جس کو غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

اب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت طلحہ وزیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسی برگزیدہ ہستیوں پر مودودی صاحب کی تیر اندازی ملاحظہ کر کے حالات کی ستم نظریں کا جائزہ لیجئے:

”تیسرے، حضرت عثمانؓ کے خون کا مطالبہ، جسے لے کر دو طرف سے دو فیرتی اٹھ کھڑے ہوئے، ایک طرف حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ وزیر اور دوسری طرف حضرت معاویہؓ۔ ان دونوں فریقوں کے مرتبہ و مقام اور جلالیت قدر کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے بھی یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ دونوں کی پوزیشن آئینی حیثیت سے کسی طرح درست نہیں مانی جاسکتی۔ ظاہر ہے کہ یہ جاہلیت کے دور کا قبائلی نظام تو نہ تھا کہ کسی مقتول کے خون کا مطالبہ لے کر جو چاہے اسے پورا کرانے کے لیے استعمال کرے۔ یہ ایک باقاعدہ حکومت تھی جس میں ہر دعوے کے لیے ایک ضابطہ اور قانون موجود تھا۔ خون کا مطالبہ لے کر اٹھنے کا حق مقتول کے وارثوں کو تھا، جو زندہ تھے اور وہیں موجود تھے۔ حکومت اگر مجرموں کو پکڑنے اور ان پر مقدمہ چلانے میں واقعی دانستہ ہی تساہل کر رہی تھی تو بلاشبہ دوسرے لوگ اُس سے انصاف کا مطالبہ کر سکتے تھے۔ لیکن کسی حکومت سے انصاف کے مطالبے کا یہ کون سا طریقہ ہے اور شریعت میں کہاں اس کی نشان دہی کی جاسکتی ہے کہ آپ سرے سے اُس حکومت کو جائز حکومت ہی اُس وقت تک نہ مانیں جب تک وہ آپ کے اس مطالبے کے مطابق عمل درآمد نہ کر دے۔ حضرت



علیؑ اگر جائز خلیفہ تھے ہی نہیں تو پھر ان سے اس مطالبہ کے آخر کیا معنی تھے کہ وہ مجرموں کو پکڑیں اور سزا دیں؛ کیا وہ کوئی قبائلی سردار تھے جو کسی قانونی اختیار کے بغیر جسے چاہیں پکڑ لیں اور سزا دے ڈالیں؟

حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مذکورہ طرز عمل پر موروثی صاحب کا فتویٰ ملاحظہ ہو:

”اس سے بھی زیادہ غیر آئینی طریق کار یہ تھا کہ پہلے فریق نے بجائے اس کے کہ وہ مدینے جا کر اپنا مطالبہ پیش کرتا، جہاں خلیفہ اور مجرمین اور مقتول کے ورثا سب موجود تھے اور عدالتی کارروائی کی جاسکتی تھی، بصرے کا رخ کیا اور فوج جمع کر کے خونِ عثمان کا بدلہ لینے کی کوشش کی، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ ایک خون کے بجائے دس ہزار مزید خون ہوں اور مملکت کا نظام اگ درہم برہم ہو جائے شریعتِ الہی تو درکنار، دنیا کے کسی آئین و قانون کی رو سے بھی اسے ایک جائز کارروائی نہیں مانا جاسکتا“

ہم موروثی صاحب کے ایسے جملہ بیانات پر تبصرہ کرنے اور ان کی تغلیط ثابت کرنے کا حق محفوظ رکھتے اور اسے تحفہ موروثیت میں استعمال کر کے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ اب خلیفہ ثالث کے قصاص نے جو صورت حال اختیار کی اُس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر موروثی صاحب نے زبانِ طعن دراز کر کے جس طرح سبائوں رافضیوں کی دکالت کی ہے وہ ملاحظہ فرمائی جائے:

”اس سے بدرجہا زیادہ غیر آئینی طرز عمل دوسرے فریق، یعنی حضرت معاویہؓ کا تھا، جو معاویہ بن ابی سفیان کی حیثیت سے ہیں بلکہ شام کے گورنر کی حیثیت سے خونِ عثمان کا بدلہ لینے کے لیے اُٹھے، مرکزی حکومت کی اطاعت سے انکار کیا، گورنری کی طاقت اپنے مقصد کے لیے استعمال کی اور مطالبہ بھی یہ نہیں کیا

کہ حضرت علیؓ قاتلین عثمانؓ پر مقدمہ چلا کر انہیں سزا دیں، بلکہ یہ کیا کہ وہ قاتلین عثمان کو ان کے حوالہ کر دیں تاکہ وہ خود انہیں قتل کریں۔ یہ سب کچھ دور اسلام کی نظامی حکومت کے بجائے زمانہ قبل اسلام کی قبائلی بد نظمی سے اس شبہ ہے۔ خون عثمان کے مطالبے کا حق اول تو حضرت امیر معاویہؓ کے بجائے حضرت عثمان کے شرعی وارثوں کو پہنچتا تھا۔ تاہم اگر رشتہ داری کی بنا پر حضرت معاویہؓ اس مطالبہ کے مجاز ہو بھی سکتے تھے تو اپنی ذاتی حیثیت میں، نہ کہ شام کے گورنر کی حیثیت میں۔ حضرت عثمان کا رشتہ جو کچھ بھی تھا، معاویہ بن ابی سفیان سے تھا، شام کی گورنری ان کی رشتہ دار نہ تھی۔ اپنی ذاتی حیثیت میں وہ خلیفہ کے پاس مستغیث بن کر جاسکتے تھے اور مجربین کو گرفتار کرنے اور ان پر مقدمہ چلانے کا مطالبہ کر سکتے تھے۔ گورنر کی حیثیت سے انہیں کوئی حق نہ تھا کہ جس خلیفہ کے ہاتھ پر باقاعدہ آئینی طریقے سے بیعت ہو چکی تھی، جس کی خلافت کو ان کے زیر انتظام صوبے کے سوا باقی پوری مملکت تسلیم کر چکی تھی، اس کی اطاعت سے انکار کر دیتے اور اپنے زیر انتظام علاقے کی فوجی طاقت کو مرکزی حکومت کے مقابلے میں استعمال کرتے اور ٹھیٹھ جاہلیتِ قدیمہ کے طریقے پر مطالبہ کرتے کہ قتل کے لمزموں کو عدالتی کارروائی کے بجائے مدعی قصاص کے حوالے کر دیا جائے تاکہ وہ خود ان سے بدلہ لے۔“ لہ

مودودی صاحب کو کون سمجھائے کہ یہ معاملہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خونِ ناحق ہی کا نہیں تھا بلکہ ان لوگوں سے بدلہ لینے اور اس جماعت کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کا مرحلہ تھا، جس نے خلیفہ ثالث کو شہید کر کے نظامِ خلافت کو درہم برہم کرنے کی سعی نامسعود کی تھی۔ ان حالات میں ہر مسلمان مستغیث تھا اور ایک پوری جماعت مجرم تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر خلیفہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے ماتحت گورنر نہ ہوتے تو واقعی حضرت

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خون عثمان کے سلسلے میں گورنر کی حیثیت سے نہیں بلکہ ذاتی حیثیت میں مطالبہ کرنا چاہیے تھا، لیکن خلیفہ وقت کے وفادار گورنر کی حیثیت میں قاتلین خلیفہ برحق کے خلاف عملی اقدام کرنا ان کی قانونی اور شرعی ذمہ داری قرار پاتا ہے۔ اس کو ٹھیکہ جاہلیت قدیمہ ٹھہرانے اور زمانہ قبل اسلام کی بد نظمی سے تشبہ بنانے کی وہی شخص جرات کر سکتا ہے، جو بعض صحابہ کی بیماری کا شکار اور رخص و سبائیت کا عاشق زار ہو۔ اسی سلسلے کی اگلی کڑی ملاحظہ ہو:

”حضرت عثمان کی شہادت (۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ) کے بعد حضرت نعمان بن بشیر ان کا خون سے بھرا ہوا قمیص، اور ان کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی اٹکلیا حضرت معاویہؓ کے پاس دمشق لے گئے اور انہوں نے یہ چیزیں منظر عام پر دکھادیں تاکہ اہل شام کے جذبات بھرک اٹھیں۔ یہ اس بات کی کھلی علامت تھی کہ حضرت معاویہؓ خون عثمان کا بدلہ قانون کے راستے سے نہیں بلکہ غیر قانونی طریقہ سے لینا چاہتے ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ شہادت عثمان کی خبر ہی لوگوں میں غم و غصہ پیدا کرنے کے لیے کافی تھی، اس قمیص اور اٹکلیوں کا مظاہرہ کر کے عوام میں اشتعال پیدا کرنے کی کوئی حاجت نہ تھی۔“

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو کچھ عرصہ بعد انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شام کی گورنری سے معزول کرنے کا حکم صادر فرمادیا۔ مورخین نے اس سلسلے میں بہت کچھ رائے زنی کی ہے، جس کی تغلیط کرتے ہوئے موودوی صاحب نے اپنا عندیہ یوں بیان کیا ہے:

”حالانکہ واقعات کا جو نقشہ خود انہی مورخین کی لکھی ہوئی تاریخوں سے ہمارے سامنے آتا ہے اسے دیکھ کر کوئی سیاسی بصیرت رکھنے والا آدمی یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت علیؓ اگر حضرت معاویہؓ کی معزولی کا حکم صادر کرنے میں تاخیر کرتے تو یہ بہت بڑی غلطی ہوتی۔ ان کے اس اقدام سے ابتدا

ہی میں یہ بات کھل گئی کہ حضرت معاویہؓ کس مقام پر کھڑے ہیں۔ زیادہ دیر تک اُن کے موقف پر پردہ پڑا رہتا تو یہ دھوکے کا پردہ ہوتا جو زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔  
 یہاں مورودی صاحب نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کردار بیان کیا ہے کہ وہ کس قسم کے انسان تھے۔ یہی مشقِ ستم تاریخ کی آڑ اور جھوٹی کہانیوں کے سہارے مزید جاری رکھتے ہوئے حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو موصوف نے عیاروں کی صف میں دکھانے کی غرض سے یہ ستم بھی ڈھایا ہے؛

”حضرت عمارؓ کی شہادت کے دوسرے روز، صرف کو سخت معرکہ برپا ہوا، جس میں حضرت معاویہؓ کی فوج شکست کے قریب پہنچ گئی۔ اُس وقت حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت معاویہؓ کو مشورہ دیا کہ اب ہماری فوج نیزوں پر قرآن اٹھائے اور کہے کہ هَذَا حَكْمٌ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ (یہ ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے) اس کی مصلحت حضرت عمرو نے خود یہ بتائی کہ اس سے علیؓ کے لشکر میں پھوٹ پڑ جائے گی کچھ کہیں گے کہ یہ بات مان لی جائے اور کچھ کہیں گے کہ نہ مانی جائے۔ ہم مجتمع رہیں گے اور اُن کے ہاں تفرقہ برپا ہو جائے گا۔ اگر وہ مان گئے تو ہمیں مہلت مل جائے گی۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ محض ایک جنگی چال تھی، قرآن کو حکم بنانا سرے سے مقصود ہی نہ تھا۔ اس مشورے کے مطابق لشکر معاویہؓ میں قرآن نیزوں پر اٹھایا گیا اور اس کا وہی نتیجہ ہوا جس کی حضرت عمروؓ بن العاصؓ کو امید تھی۔ حضرت علیؓ نے عراق کے لوگوں کو سمجھایا کہ اس چال میں نہ آؤ اور جنگ کو آخری فیصلے تک پہنچ جانے دو۔ مگر اُن میں پھوٹ پڑ کر رہی۔ اور آخر کار حضرت علیؓ مجبور ہو گئے کہ جنگ بند کر کے حضرت معاویہؓ سے تحکیم کا معاہدہ کر لیں! اے

حافظ ابن کثیر نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس تجویز اور تحکیم کے مسئلے میں

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برطرف نہ کرنا، اجتہاد کی بنا پر بتایا ہے جس میں وہ اگر غلطی پر بھی ہوں پھر بھی اجر کے مستحق ہیں۔ اس پر مودودی صاحب بڑے برا فروختہ ہیں اور پھر کر اپنے مدوح کی رائے کو یوں رد کرتے ہیں :

”اجتہاد کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ امرِ حق معلوم کرنے کے لیے آدمی اپنی انتہائی حد و وسیع تک کوشش کرے۔ اس کوشش میں نادانستہ غلطی بھی ہو جائے تو حق معلوم کرنے کی کوشش بجائے خود اجر کی مستحق ہے۔ لیکن جان بوجھ کر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق غلط کام کرنے کا نام اجتہاد ہرگز نہیں ہو سکتا۔ درحقیقت اس طرح کے معاملات میں افراط و تفریط دونوں ہی یکساں احتراز کے لائق ہیں۔ کوئی غلط کام محض شرفِ صحابیت کی وجہ سے مشرف نہیں ہو جاتا بلکہ صحابی کے مرتبہ بلند کی وجہ سے وہ غلطی اور نمایاں ہو جاتی ہے۔ لیکن اس پر رائے زنی کرنے والے کو لازماً یہ احتیاط ملحوظ رکھنی چاہیے کہ غلط کو صرف غلط سمجھنے اور کہنے پر اکتفا کرے۔ اس سے آگے بڑھ کر صحابی کی ذات کو بحیثیت مجموعی مطعون کرنے لگے۔ حضرت عمرو بن العاص یقیناً بڑے مرتبے کے بزرگ ہیں اور انہوں نے اسلام کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ البتہ ان سے یہ دو کام ایسے سرزد ہو گئے ہیں جنہیں غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔“

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سبائیوں کی ہمنوائی کرتے ہوئے مودودی صاحب نے منبروں پر خطبوں میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سب و شتم کا سلسلہ جاری کرنے کا الزام بھی لگایا ہے۔ اسی الزام تراشی کے ضمن میں موصوف نے حجر بن عدی تابعی کا ذکر یوں کیا ہے :

”اس نئی پالیسی کی ابتداء حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں حضرت حجر بن عدی کے قتل (۳۵ھ) سے ہوئی جو ایک زاہد و عابد صحابی اور صحابہ کے امت میں ایک اونچے مرتبے کے شخص تھے۔ حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں جب منبروں پر

خطبوں میں علانیہ حضرت علیؑ پر لعنت اور سب و شتم کا سلسلہ شروع ہوا تو عام مسلمانوں کے دل ہر جگہ ہی اس سے زخمی ہو رہے تھے مگر لوگ خون کا گھونٹ پی کر خاموش ہو جاتے تھے۔ کوفہ میں حجر بن عدی سے صبر نہ ہو سکا اور انہوں نے جواب میں حضرت علیؑ کی تعریف اور حضرت معاویہؓ کی مذمت شروع کر دی۔ حضرت مغیرہؓ جب تک کوفہ کے گورنر رہے، وہ ان کے ساتھ رعایت برتتے رہے۔ ان کے بعد جب زیاد کی گورنری میں بھوکے ساتھ کوفہ بھی شامل ہو گیا تو اس کے اور ان کے درمیان کشمکش برپا ہو گئی۔ وہ خطبے میں حضرت علیؑ کو گالیاں دیتا تھا اور یہ اٹھ کر اس کا جواب دینے لگتے تھے۔ اسی دوران میں ایک مرتبہ انھوں نے نماز جمعہ میں تاخیر پر بھی اس کو ٹوکا۔ آخر کار اس نے انھیں اور ان کے بارہ ساتھیوں کو گرفتار کر لیا اور ان کے خلاف بہت سے لوگوں کی شہادتیں اسے فردِ جرم پر لیں کہ: انھوں نے ایک جتھا بنا لیا ہے، خلیفہ کو علانیہ گالیاں دیتے ہیں، امیر المؤمنین کے خلاف لڑنے کی دعوت دیتے ہیں، ان کا دعویٰ یہ ہے کہ خلافت آلِ ابی طالب کے سوا کسی کے لیے درست نہیں ہے، انھوں نے شہر میں فساد برپا کیا اور امیر المؤمنین کے عامل کو نکال باہر کیا، یہ ابو تراب (حضرت علیؑ) کی حمایت کرتے ہیں، ان پر رحمت بھیجتے ہیں اور ان کے مخالفین سے اظہارِ برأت کرتے ہیں۔“ لے

مردودی صاحب نے اس اعتماد پر کہ بہت سے عقل کے اندھے اور دین کے کورے ان کی باتوں پر وثوق کے ساتھ ایمان لانے کے عادی ہو چکے ہیں، اسی لیے انھوں نے اس عبارت میں پیٹ بھر کر جھوٹ بولے ہیں۔ مثلاً: حجر بن عدی کو صحابی بتانا پہلا جھوٹ۔ اُسے عابد زاہد اور صلحائے امت میں شمار کرنا دوسرا جھوٹ۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں منبروں پر خطبوں میں علانیہ حضرت علیؑ کو اللہ و جہنم پر لعنت کرنے اور سب و شتم کا

سلسلہ شروع کرنے کا الزام تیسرا جھوٹ۔ مسلمانوں کے دلوں کا زخمی ہونا چوتھا جھوٹ۔ مسلمانوں کا خون کے گھونٹ پی کر خاموش ہو جانا پانچواں جھوٹ۔ حجر بن عدی کا اس پر صبر کرنا چھٹا جھوٹ۔ زیاد کا خطبے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالیوں دینا ساتواں جھوٹ۔ قزحہ کو خلاف واقعہ سہرا آٹھواں جھوٹ۔ اگر دورِ حاضر کے وکیل روافض و دشمنِ سماہ یعنی عالیجناب مودودی صاحب کے نزدیک آخرت کی باز پرس بھی کوئی چیز ہوتی تو **وَدَعَلَهُ اللَّهُ عَلَى الْكَذِبِ** کے تحت کبھی برضا و رغبت طوقِ لعنت کو زیبِ گلونہ کرتے۔ موصوف نے آگے لکھا ہے:

”اس طرح یہ ملزم حضرت معاویہؓ کے پاس بھیجے گئے اور انہوں نے ان کے قتل کا حکم دے دیا۔ قتل سے پہلے جلادوں نے ان کے سامنے جو بات پیش کی وہ یہ تھی کہ بہ ”ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم علیؓ سے برأت کا اظہار کرو اور ان پر لعنت بھجو تو تمہیں چھوڑ دیا جائے ورنہ قتل کر دیا جائے۔“ ان لوگوں نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور حجر نے کہا: ”میں زبان سے وہ بات نہیں نکال سکتا جو رب کو ناراض کرے۔“ آخر کار وہ اور ان کے سات ساتھی قتل کر دیے گئے۔ ان میں سے ایک صاحب عبدالرحمن بن حسان کو حضرت معاویہؓ نے زیاد کے پاس واپس بھیج دیا اور اس کو لکھا کہ انہیں بدترین طریقہ سے قتل کرو، چنانچہ اس نے انہیں زندہ دفن کر دیا۔“

موصوف نے الاستیعاب، ابن اثیر، البدایہ والنہایہ اور ابن خلدون کے سہارے یہ تمام جھوٹ بولے ہیں جبکہ وہاں مودودی صاحب کی بعض فرضی زٹلوں کا وجود تک نہیں۔ بعض باتیں ان ماخذوں میں ہیں لیکن کذابوں اور غالی رافضیوں کی روایات سے۔ انہیں اپنی تحقیق کا مدار وہی بتانے کا جو بعض صحابہ میں مغلوب الحال اور سبائیوں کا **طابق النعل بالنعل** ہو۔ اس کرتوت سے بہر حال مسلمانوں کو مودودی صاحب کے مرکرٹی میں ملنے سے پہلے ہی پتہ لگ گیا کہ وہ کس مقام پر کھڑے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر روافض کے اتباع میں گھناؤنے الزامات عاید کرتے ہوئے موصوف نے یہ الزام بھی لگایا ہے:

ایک نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہؓ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر، خطبوں میں برسر منبر حضرت علی رضی اللہ عنہ پرست و شتم کی بوچھاڑ کرتے تھے، حتیٰ کہ مسجد نبوی میں منبر رسولؐ پر عینِ روضہ نبوی کے سامنے حضور کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علیؓ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سننے لگتے تھے۔ لے

موردی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یوں بھی مشقِ ستم کی ہے:

مالِ غنیمت کی تقسیم کے معاملہ میں بھی حضرت معاویہؓ نے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔ کتابِ سنت کی رو سے پورے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل ہونا چاہیے اور باقی چار حصے اُس فوج میں تقسیم کیے جانے چاہئیں جو لڑائی میں شریک ہوئی ہو۔ لیکن حضرت معاویہؓ نے حکم دیا کہ مالِ غنیمت میں سے چاندی سونا ان کے لیے الگ نکال لیا جائے، پھر باقی مال شرعی قاعدے کے مطابق تقسیم کیا جائے۔ لے

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر موردی صاحب نے اپنی تحقیق کے ترکش سے یہ تیر بھی چلایا ہے:

حضرت معاویہؓ نے اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر قرار دیا اور ان کی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کارروائی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ ان کا گورنر عبد اللہ بن عمرو بن غیلان ایک مرتبہ بصرے میں منبر پر خطبہ دے رہا تھا۔ ایک شخص نے دورانِ خطبہ میں اُس کو کنکر مار دیا۔ اس پر عبد اللہ نے اُس شخص کو گرفتار کر دیا اور اُس کا ہاتھ کٹوا دیا۔ حالانکہ شرعی قانون کی رو سے یہ ایسا جرم نہ تھا جس پر کسی کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ حضرت معاویہؓ کے پاس استغاثہ کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں ہاتھ کی ویت تو بیت المال سے ادا کر دوں گا، مگر میرے عمال سے قصاص کی کوئی سبیل نہیں۔ زیادہ کہ جب حضرت معاویہؓ نے بصرے کے ساتھ کوفہ کا بھی گورنر مقرر کیا اور



وہ پہلی مرتبہ خطبہ دینے کے لیے کوفہ کی جامع مسجد کے منبر پر کھڑا ہوا تو کچھ لوگوں نے اُس پر کنکر پھینکے۔ اُس نے فوراً مسجد کے دروازے بند کر دیے اور کنکر پھینکنے والے تمام لوگوں کو (جن کی تعداد ۳۰ سے ۴۰ تک بیان کی جاتی ہے) گرفتار کر کے اُسی وقت اُن کے ہاتھ کٹوا دیے۔ کوئی مقدمہ اُن پر نہ چلایا گیا، کسی عدالت میں وہ نہ پیش کیے گئے کوئی باقاعدہ قانونی شہادت اُن کے خلاف پیش نہ ہوئی۔ گورنر نے محض اپنے انتظامی حکم سے اتنے لوگوں کو قطعید کی سزا دے ڈالی جس کے لیے قطعاً کوئی شرعی جواز نہ تھا۔ مگر دربار خلافت سے اس کا بھی کوئی نوٹس نہ لیا گیا۔ اس سے بڑھ کر ظالمانہ افعال بُسر بن ابی ارطاة نے کیے جسے حضرت معاویہؓ نے پہلے حجاز میں کو حضرت علیؓ کے قبضے سے نکلنے کے لیے بھیجا تھا اور پھر ہمدان پر قبضہ کرنے کے لیے مامور کیا تھا۔ اُس شخص نے یمن میں حضرت علیؓ کے گورنر عبید امتد بن عباسؓ کے دو چھوٹے چھوٹے بچوں کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ ان بچوں کی ماں اس صدمے سے دیوانی ہو گئی۔ بنی کنانہ کی ایک عورت جو یہ ظلم دیکھ رہی تھی، حنیخ اٹھی کہ: "مردوں کو تو تم نے قتل کر دیا، اب ان بچوں کو کس لیے قتل کر رہے ہو؟" نپتے تو جاہلیت میں بھی نہیں مارے جاتے تھے۔ اے ابن ارطاة، جو حکومت بچوں اور بوڑھوں کے قتل اور بے رحمی و برادر کشی کے بغیر قائم نہ ہو سکتی ہو، اُس سے بُری کوئی حکومت نہیں۔" اس کے بعد اسی ظالم شخص کو حضرت معاویہؓ نے ہمدان پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا جو اُس وقت حضرت علیؓ کے قبضہ میں تھا۔ وہاں اُس نے دوسری زیادتیوں کے ساتھ ایک ظلمِ عظیم یہ کیا کہ جنگ میں جو مسلمان عورتیں پکڑی گئی تھیں، انہیں لوٹیاں بنایا۔ حالانکہ شریعت میں اس کا قطعاً کوئی جواز نہیں۔ یہ ساری کارروائیاں گویا اس بات کا عملاً اعلان تھیں کہ اب گورنروں اور سپہ سالاروں کو ظلم کی کھلی چھٹی ہے اور سیاسی معاملات میں شریعت کی کسی حد کے وہ پابند نہیں ہیں۔"

ان تمام الزامات کے جواب میں ہماری صرف یہی گزارش ہے کہ مودودی صاحب! إِنَّ  
 مَوْعِدُكُمْ الصُّبْحُ دَ الْيَسْرِ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ۝ حشر کے میدان میں جب یہ صحابہ کرام آپ کو  
 گریبان سے پکڑ کر انصاف کے طلبکار ہوں گے تو اللہ اور اس کے آخری رسول کو چھوڑ کر کتاب و  
 سنت کی واضح تعلیمات سے منہ موڑ کر، روافض سے رشتہ جوڑ کر جن کذابوں کو اَدْبَابًا مِّنْ  
 دُونِ اللّٰهِ بنا کر ان مقدس ہستیوں پر کھینچ بازی کی جو ملتِ اسلامیہ کی خشتِ اول، تعلیماتِ اسلامیہ  
 کی منہ بولتی تصویریں اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے تربیت یافتہ تھے، کیا اُس  
 وقت مودودی صاحب کے وہ کذاب اور افتراء پر داز پیشوا ان کے کچھ کام آجائیں گے، اگر صفائی  
 کا موقع دیتے ہوئے بارگاہِ خداوندی سے حکم ہوا کہ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ  
 اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ اُس وقت مودودی صاحب اور ان کے سارے اَدْبَابًا مِّنْ دُونِ  
 اللّٰهِ صفائی پیش کر سکیں گے، فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاْتَقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا  
 النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ اَعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۝

جب سرِ مشرؤہ پوچھیں گے بلا کے سامنے

کیا جواب جرمِ دو گے تم خدا کے سامنے

مودودی صاحب نے مفسرِ قرآن بن کر تفہیم القرآن چھ جلدوں میں لکھی۔ قرآن کریم کی متعدد  
 آیات صحابہ کرام کی تعریف و توصیف میں ہیں، متعدد مقامات پر ان بزرگوں کے عظیم المثال  
 فضائل و درجات اور جانی و مالی قربانیوں کی قبولیت اور تقویٰ و طہارت کے محبت سے ہونے اور شریعت  
 مطہرہ کی منہ بولتی عملی تصویریں ہونے کا اعلان فرمایا گیا ہے، لیکن حالات کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ  
 ایسی آیتوں کی تشریح کرنے اور صحابہ کرام کے خداداد فضائل و کمالات کے بارے میں کچھ لکھنے سے  
 پہلے مودودی صاحب کے قلم کی سیاہی خشک ہو جاتی تھی۔ نمونے کے طور پر چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

۱۔ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۳ میں حکم ہوا ہے کہ صحابہ کی طرح ایمان لاؤ اور ان پر اعتدال  
 کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے خود جواب دیا ہے۔ لیکن تفہیم القرآن، جلد اول کا  
 صفحہ ۵۴ ان پہلوؤں کو بیان کرنے سے خاموش رہا ہے۔

۲۔ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۳ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو گروہ صحابہ کی طرح ایمان لائیں گے

وہی مومن ہو سکتا ہے اور اس طرح ایمان لانے سے جو انکار کرے وہ ہٹ دھرم ہے۔  
یہ آیت تفہیم القرآن، جلد اول، طبع یازدہم کے صفحہ ۱۱۶ پر ہے لیکن مودودی صاحب نے  
اس موضوع پر ایک لفظ بھی نہیں کہا۔

۳۔ سورہ الانفال کی آیت ۴، میں اللہ تعالیٰ نے مہاجر و مجاہدین اصحاب کو هُمُ الْمُؤْمِنُونَ  
حَقًّا سے یاد فرمایا۔ اُن کے لیے مغفرت اور رزقِ کریم کی بشارت دی۔ یہ آیت تفہیم القرآن  
جلد دوم، طبع ہشتم کے صفحہ ۶۳ پر ہے لیکن مودودی صاحب نے شمع رسالت کے  
پر دانوں کی ان خوبیوں اور بشارتوں کے بارے میں زبان بند رکھی۔

۴۔ سورہ التوبہ کی آیت ۲۰ اور اُس سے اگلی چند آیتوں میں صحابہ کرام کے عظیم فضائل و  
درجات کا بیان ہے۔ یہ آیتیں تفہیم القرآن، جلد دوم کے صفحہ ۸۱ تا ۸۳ پر ہیں۔ لیکن  
مودودی صاحب کے قلم پر معلوم نہیں کس مصلحت نے پرے بٹھا دیے تھے کہ انہوں  
نے اُمتِ محمدیہ کے ان مشنوں کے فضائل و کمالات کی تشریح و توضیح سے اپنے راہوار  
قلم کو کوسوں دُور ہی رکھا۔

۵۔ سورہ التوبہ کی آیت ۱۰۰ میں مہاجرین و انصار کے سابقین اولین اور اُن کے قُبعین کو  
اللہ جل مجدہ نے رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ کی سندِ رحمت فرمائی ہے نیز اُن کے  
جنتی اور صاحبِ فوزِ عظیم ہونے کی بشارت سُنائی ہے۔ یہ آیت تفہیم القرآن، جلد دوم  
کے صفحہ ۲۲۸ پر ہے لیکن سرکارِ مودودیت مآب کی تفسیر و تفہیم کا مُنہ تک رہی ہے کہ  
کاش وہ بولتے۔ آیاتِ قرآنیہ کی موافقت میں کچھ تو مُنہ کھولتے۔ وائے حراما نصیبی۔

۶۔ سورہ الفتح کی آیت ۲۶ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گروہ صحابہ پر ہم نے کلمہ تقویٰ لازم کر دیا  
اور یہ اس کے سب سے زیادہ حقدار اور اہل ہیں۔ یہ آیت تفہیم القرآن، جلد پنجم کے صفحہ  
۶۱ پر ہے لیکن ان امور کی قطعاً تشریح نہیں کی۔

۷۔ سورہ الحجرات کی تیسری آیت میں صحابہ کرام کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ ہے  
تفہیم القرآن، جلد پنجم، صفحہ ۷۲ پر صحابہ کرام کے ان فضائل پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی۔  
۸۔ سورہ الحجرات کی ساتویں آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے دلوں میں کفر و

فسق و عصیان سے نفرت بھردی ہے۔ مودودی صاحب نے اس کا اعتراض تو کیا ہے لیکن دل حوال کر صحابہ کرام پر بلکہ اکابر صحابہ پر فسق و عصیان کے الزامات عائد کر کے قرآن کریم کی تلمذیب اور اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی ہے جیسا کہ گزشتہ الزامات سے واضح ہے۔

۹۔ سورۃ الحدید کی آیت ۱۰ میں صحابہ کرام کو اعظم درجے اور وعدہ حسنیٰ کی بشارت دی گئی لیکن تفہیم القرآن، جلد پنجم، طبع چہارم کے صفحہ ۸۰۳ پر ان امور کے بیان سے موصوف کا قلم خاموش رہا۔

۱۰۔ سورۃ حشر کی آیت ۸ تا ۱۰ صحابہ کرام کی شان میں ہیں، لیکن تفہیم القرآن، جلد پنجم کے صفحہ ۲۹۳ تا ۳۰۳ میں ان بزرگوں کے اوصاف پر روشنی ڈالنا شاید مودودی صاحب کی طبع نازک پر گراں گزرا۔

تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ

اکابر صحابہ کے انفرادی فضائل سے قطع نظر کرتے ہوئے ذیل میں چند وہ آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں صحابہ کرام کے مجموعی فضائل کا تذکرہ ہے۔ قارئین کرام! انہیں بنور دیکھیں اور مودودی صاحب کے گزشتہ بیانات و اتہامات سے موازنہ کریں۔ موازنہ کرتے وقت انصاف کا دامن کسی صورت میں بھی چھوڑ دینا خطرناک نتائج کا باعث ہو سکتا ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا	اور جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی
فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَدُوا نَصْرُوا	راہ میں لڑے اور جنہوں نے جگہ دی اور
أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ط	مدد کی، وہی سچے ایمان والے ہیں۔ اُن
لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ط	کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا	وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے
فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ	مال و جان سے اللہ کی راہ میں لڑے،

۱۔ پارہ ۱۰، سورۃ الانفال، آیت ۷۴

اللہ کے یہاں اُن کا درجہ بڑا ہے اور وہی  
مراد کو پہنچے۔ اُن کا رب اُنہیں خوشی  
سناتا ہے، اپنی رحمت اور اپنی  
رضا اور اُن باغوں کی جن میں اُنہیں دائمی  
نعمت ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ اُن میں رہیں گے  
بیشک اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے۔

أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ طَوَّاءُ وَأَوْلِيكَ  
هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ  
بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ  
تَجْرِي فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ۝ خَالِدِينَ  
فِيهَا أَبَدًا ط إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ  
أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ ۱۰

سب میں اگلے، پہلے مہاجر و انصار اور  
جو بھلائی کے ساتھ اُن کے پیرو ہونے  
اللہ اُن سے راضی اور وہ اللہ سے  
راضی اور ان کے لیے تیار کر رکھے ہیں  
باغ، جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ  
ہمیشہ اُن میں رہیں۔ یہی بڑی کامیابی  
ہے۔

وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ  
الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَ  
الَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ  
اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ  
جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ  
خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ط ذَلِكَ الْفَوْزُ  
الْعَظِيمُ ۝ ۱۱

اور پرہیزگاری کا کلمہ ان پر لازم فرمایا  
اور وہ اس کے زیادہ سزا اور  
اس کے اہل تھے۔

وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ  
اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ  
جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ  
خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ط ذَلِكَ الْفَوْزُ  
الْعَظِيمُ ۝ ۱۱

بیشک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں

إِنَّ الَّذِينَ يَعْضُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ

۱۰ پ ۱۱، س التوبہ، آیت ۱۰۰

۱۰ پ ۱۰، س التوبہ، آیت ۲۰ تا ۲۲

۱۱ پ ۲۶، س الفتح، آیت ۲۶

رَسُولِ اللَّهِ أَوْلَيْكَ الَّذِينَ  
 امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ط  
 لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ط  
 رسول اللہ کے پاس، وہ ہیں جن کا دل  
 اللہ نے پرہیزگاری کے لیے پرکھ لیا ہے  
 ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے

وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَبٌ إِلَيْكُمْ  
 الْإِيمَانَ وَزَيَّنَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ  
 وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ  
 وَالْعِصْيَانَ ط ط  
 لیکن اللہ نے تمہیں ایمان پیارا کر دیا ہے  
 اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ  
 کر دیا اور کفر اور حکم عدولی اور نافرمانی  
 تمہیں ناگوار کر دی۔

لَا يَسْتَوِيٰ مِنْكُمْ مَنْ أَنفَقَ  
 مِنْ تَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ط  
 أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ  
 الَّذِينَ أَنفَقُوا مِنْ بَعْدِ وَقَاتَلُوا ط  
 وَكَذَٰلِكَ وَعَدَّ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ط وَ  
 اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ط ط  
 تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے  
 قبل خرچ اور جہاد کیا۔ وہ مرتبہ میں  
 ان سے بڑے ہیں، جنہوں نے  
 بعد فتح کے خرچ اور جہاد کیا۔ اور ان  
 سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا  
 اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

فاریں کرام! آپ نے صحابہ کرام پر تحقیق کے پردے میں مودودی صاحب  
 فیصلہ کن مرحلہ کے بعض الزامات بھی گزشتہ سطور میں پڑھے اور ان مقدس  
 بزرگوں کے بارے میں قرآن کریم کے واضح اعلانات بھی ملاحظہ فرمائے۔ اس مرحلے پر ہر قاری کے

ط پ ۲۶، س الفتح، آیت ۷

ط پ ۲۶، س الحجرات، آیت ۳

ط پ ۲۷، س الحديد، آیت ۱۰

ایمان کا امتحان ہے۔ ایک جانب خداوندی ارشادات ہیں اور دوسری طرف مودودی صاحب کے عاید کردہ الزامات۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان میں مطابقت ہے یا کھلا ہوا تضاد۔ آئیے اس امر کا جائزہ لیتے ہیں:

۱۔ اُس ذات نے فرمایا جو عَلِيمٌ، بِذَاتِ الصُّدُورِ اور عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَاتِ ہے کہ میں نے گروہ صحابہ کے قلوب کو تقویٰ کے لیے آزما لیا ہے (الحجرات، آیت ۳) اور ان پر کلمہ تقویٰ کو لازم کر دیا ہے کیونکہ یہ اس کے سب سے بڑھ کر حقدار اور اہل ہیں (الفتح، آیت ۲۶) لیکن مودودی صاحب کا دعویٰ ہے کہ عام صحابہ تو درکنار، اکابر صحابہ بھی ایک طرف، خلفائے راشدین تک تقویٰ کی صفت سے محروم تھے، کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خدا کے نافرمانوں کو محض قرابت کے باعث مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کر دیا تھا۔ بیت المال سے بنو امیہ کو کثرت کے ساتھ عطیات دیے تھے جس کا شرعاً کوئی جواز نہیں۔ ساری اسلامی مملکت کو اپنے اقارب کی ماتحتی میں دے کر سابقین اذہلین کو نظر انداز کیا اور طلقاء کو اعتماد میں لیا تھا۔ مروان جیسے غلط کار کو اپنا سیکرٹری بنایا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاتلین خلیفہ ثالث سے دو حضرات کو گورنری کے عہدوں پر فائز کر دیا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص کے سلسلے میں وہ طرز عمل اختیار کیا جس کا شریعت الہی تو درکنار دنیا کے کسی آئین اور قانون کی رو سے مودودی صاحب کے نزدیک جواز نہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے جمعہ کے خطبوں میں بلکہ روزہ مطہرہ کے سامنے منبر رسول پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پرست و شتم کا سلسلہ جاری رہا۔ مودودی صاحب کے نزدیک جو انھیں یا ان کے گورنروں کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لعنت کرنے یا سب و شتم سے روکتا اُسے قتل کر دیا جاتا تھا۔ ان کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مالِ غنیمت کے سلسلے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کو اپنا شعار بناتے ہوئے سونا چاندی کو اپنے لیے مخصوص کر لیا اور باقی مال تقسیم کیا جاتا تھا۔ انھوں نے اپنے غلط کار گورنروں کو قانون سے

بالا تر قرار دیا ہوا تھا اور مودودی صاحب کی تحقیق کے مطابق شریعت کی کسی حد کے پابند نہ ہونے کے باوجود انھیں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے ظلم کی کھلی چھٹی ملی ہوئی تھی۔ اُدھر اللہ تعالیٰ کا اعلان وہ اور ادھر مودودی صاحب کی تحقیقات یہ۔

۲۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں گروہ صحابہ سے راضی اور وہ مجھ سے راضی۔ (سورہ التوبہ، آیت ۱۰۰)۔

لیکن مودودی صاحب نے اکابر صحابہ تک کے کردار کا جو نقشہ پیش کیا ہے اُس سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے راضی یعنی فانی اللہ تھے۔ اس تماش کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جن کا کردار ایسا ہو جو مودودی صاحب نے پیش کیا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اصحاب رسول کے دلوں میں کفر و فسق و عصیان کی نفرت بھردی ہے لیکن مودودی صاحب کی تصریحات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اُن بزرگوں کے دلوں میں فسق و عصیان سے قطعاً کوئی نفرت نہیں تھی بلکہ وہ توفیق و عصیان کے دلدادہ تھے۔

اب فیصلہ ہر قاری کے اپنے ہاتھ میں ہے کہ وہ قرآن کریم کے واضح ارشادات کی روشنی میں اپنے ایمان بالقرآن کا ثبوت پیش کرتے ہوئے مودودی صاحب کے الزامات کو حق دشمنی قرار دے یا مودودی صاحب کی تحقیقات کو درست تسلیم کرتے ہوئے آیات قرآنیہ کو جھٹلا دے اور اپنی مسلمانی کا بھرم رکھنے کی خاطر ان میں دُور از کار تاویلیں کرنے لگ جائے۔ اتنا یاد رہے کہ اختلافات کی صورت میں تنازعہ کو مٹانے کی خاطر قَانَ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ یعنی اللہ اور رسول کی جانب رجوع کرنا ضروری ہے۔ ایک سچے مسلمان کے لیے فیصلہ وہی ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت ہو، ان کے خلاف ہر بات رد کر دینے کے قابل ہوتی ہے۔ جب مودودی صاحب کی تصریحات کتاب و سنت کے سراسر خلاف ہیں تو یہ کہاں کی دیانت داری ہے کہ کتاب و سنت کو رد کر کے مودودی صاحب کے دامن سے وابستہ رہنے کی کوشش کی جائے۔ ایسے مواقع پر اپنے پیشواؤں سے وابستہ رہنے کو اللہ تعالیٰ نے اَرَبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ بنا کر قرار دیا ہے کیونکہ ارشاد خداوندی قَانَ تَنَازَعْتُمْ



فِي شَيْءٍ فَرَمَدُوهُ إِلَى الْمَوْدُودِي بَرَكْتَ نَهِيں ہے۔

یہ مودودی صاحب ہی کا دل گڑہ ہے کہ قرآن کریم کے واضح ارشادات اور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روشن فرمودات کے خلاف ڈٹ کر بول رہے ہیں۔ اس کے باوجود خوفِ خدا اور خطرہ روزِ جزا کو خطرے میں لانا تو درکنار اُلٹا اپنے داعیِ حق اور علمبردارِ حق و صداقت ہونے کا ڈھول پیٹ رہے ہیں اور ان کے متبعین مودودی صاحب کی نکارشات کو وحی الہی سے بڑھ کر درجہ دیتے پھر رہے ہیں۔ افسوس! ۵

زہزن خضرِ رُہ کی قبا چھین کر  
رہنما بن گئے دیکھتے دیکھتے

## پانچویں عنایت

مودودی صاحب کی انانیت کے سامنے کسی کی شخصیت

توہینِ انبیاء کا ارتکاب ہی کیا جو منہ دکھانے کے قابل ہو۔ انبیاء کرام کا وہ مقدس گروہ جسے اللہ تعالیٰ نے ہر بُرائی اور گناہوں سے پاک پیدا کر کے لوگوں کی ہدایت کے لیے نمونہ بنایا، ان پاکیزہ ہستیوں کو واغدار نہ دکھایا جائے تو مودودیت ہی کیا ہوئی۔ چنانچہ ان حضرات کی عظمت کو مسلمانوں کے قلوب سے نکالنے کی خاطر پہلے تو یہ تلقین فرمائی جاتی ہے:

”قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ انبیاء وحی آنے سے پہلے جو علم رکھتے تھے اُس کی نوعیت عام انسانی علوم سے کچھ بھی مختلف نہ ہوتی تھی۔ ان کے پاس نزولِ وحی سے پہلے کوئی ایسا ذریعہ علم نہ ہوتا جو دوسرے لوگوں کو حاصل نہ ہو۔“

کون بتائے مودودی صاحب جیسے پڑھے لکھے انسان کو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی پیدائش کے تھوڑے عرصہ بعد ہی اپنی والدہ محترمہ کی صفائی بیان کرتے ہوئے جو فرمایا تھا، وہ قرآن کریم میں یوں ہے:

۱۰ رسائل و مسائل، جلد اول، بارہم، ص ۲۵

قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ ؕ آتَنِي الْكِتَابَ  
وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۖ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا  
أَيْنَ مَا كُنْتُ ۖ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ  
وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۖ وَبَرًّا  
بِوَالِدَتِي ۖ وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا  
شَقِيًّا ۖ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ  
وُلِدْتُ ۖ وَيَوْمَ أَمُوتُ ۖ وَيَوْمَ  
أُبْعَثُ حَيًّا ۖ

فرمایا: میں ہوں اللہ کا بندہ اُس نے مجھے  
کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے  
والا (نبی) کیا اور اُس نے مجھے مبارک کیا  
میں کہیں ہوں اور مجھے ناز و زکوٰۃ کی تاکید  
فرمائی میں جب تک جیوں۔ اور اپنی ماں سے  
اچھا سلوک کرنے والا۔ اور مجھے زبردست  
بدبخت نہ کیا۔ اور سلامتی مجھ پر جس دن  
میں پیدا ہوا اور جس دن مروں اور جس  
دن اٹھایا جاؤں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن میں اس کلام فرمانے سے قطع نظر، کیا مودودی صاحب یہ  
بتانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مذکورہ باتوں کا علم اُس کون سے ذریعے  
سے حاصل ہوا تھا جو عام انسانوں کے ذرائع علم ہیں؛ اگر مودودی صاحب اور اُن کے تابعین یہ  
بتانے سے احتراز کریں تو اُس وقت کے منتظر رہیں جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا: قِفُوهُمْ أَنَّهُمْ  
مَسْتَوِلُونَ ۝

یہ تو تھا انبیائے کرام علیہم السلام کی وحی آنے سے پہلے کی زندگیوں کا معاملہ۔ کیا وحی آنے  
کے بعد انبیائے کرام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں؛ اس کا جواب دیتے ہوئے موصوف نے  
عصمتِ انبیاء پر یہ تحقیقی ایت فرمائی ہے:

”مختصراً یہ بات اصولی طور پر سمجھ لیجیے کہ نبی کی معصومیت فرشتے کی سی معصومیت  
نہیں ہے کہ اُسے خطا اور غلطی اور گناہ کی قدرت ہی حاصل نہ ہو۔ بلکہ وہ اس معنی میں  
ہے کہ نبوت کے ذمہ دارانہ منصب پر سرفراز کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ بطور خاص  
اُس کی نگرانی اور حفاظت کرتا ہے اور اُسے غلطیوں سے بچاتا ہے اور اگر کوئی

۱۶ پارہ ۱۰، سورہ مریم، آیت ۳۰ تا ۳۳

چھوٹی موٹی لغزش اُس سے سرزد ہو جاتی ہے تو وحی کے ذریعہ سے فوراً اُس کی اصلاح کر دیتا ہے تاکہ اُس کی غلطی پوری اُمت کی گمراہی کا موجب نہ بن جائے۔ لے

مودودی صاحب کو کون سمجھائے کہ انبیاء کرام کی عصمت تو عصمتِ ملائکہ سے بھی ازکی و اطیب ہے کیونکہ انہیں مخلوقِ خدا کی ہدایت کے لیے ہدایت کے مجتہد بنا کر نمائندہ مقرر کیا جاتا ہے۔ اسی عصمت کے باعث اُن کی غیر مشروط اطاعت ضروری قرار دی جاتی تھی۔ مودودی صاحب نے عصمتِ انبیاء کا صاف انکار کر کے اُن حضرات کے لیے صرف حفاظتِ تسلیم کی ہے جس سے اولیائے عظام نوازے جاتے ہیں۔ اسی بیان کو مزید واضح کرتے ہوئے مودودی صاحب دوسرے مقام پر اپنا نظریہ یوں کھل کر بیان کرتے ہیں:

”عصمت در اصل انبیاء کے لوازم ذات سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو منصبِ نبوت کی ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا کرنے کے لیے مصلحتاً خطاؤں اور لغزشوں سے محفوظ فرمایا ہے ورنہ اگر اللہ کی حفاظت تھوڑی دیر کے لیے بھی اُن سے منگ ہو جاتے تو جس طرح عام انسانوں سے سبھول چوک اور غلطی ہوتی ہے اسی طرح انبیاء سے بھی ہو سکتی ہے اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں سرزد ہو جانے دی ہیں تاکہ لوگ انبیاء کو خدا نہ سمجھ لیں اور جان لیں کہ یہ بشر ہیں خدا نہیں ہیں۔“

اس عبارت کے الفاظ، — محفوظ فرمایا — اللہ کی حفاظت — یہ ہمارے دعوے کی تصدیق کر رہے ہیں کہ موصوفِ عصمتِ انبیاء کے منکر اور اُن کے لیے صرف حفاظت کے قائل ہیں۔ دوسری عجیب بات مودودی صاحب نے لطیف نکتہ بتا کر یہ پیش کی ہے کہ، اللہ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں سرزد ہو جانے دی ہیں۔ یعنی کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جو مودودی صاحب کے نزدیک غلط کار نہ ہو۔ اگر بنی آدم سے کوئی فرد ایسا ہوا ہے جس سے ایک بھی غلطی سرزد نہیں ہوئی تو وہ ہے مودودی صاحب دی گریٹ

کی ذاتِ گرامی۔ ذرا کوئی مودودی صاحب کی کسی بات کو لغزشش تو قرار دے کر دیکھے۔ پھر دیکھیے کہ جماعتِ اسلامی میں کیا گہرام مچتا ہے۔ وہ کانیں کانیں ہوگی کہ کان کھا جائیں گے، بوٹیاں نوچ لیں گے بہر حال جس طرح مودودی صاحب نے اپنی تصانیف میں انبیائے کرام کی لغزشوں کی فہرست پیش کی ہے اسی طرح وہ اپنی غلطیوں کی کوئی فہرست بھی پیش کر دیں تو مسلمانوں کا یہ شبہ دور ہو جائے گا کہ مودودی صاحب اس خوش فہمی میں ہیں کہ میری حفاظت انبیائے کرام سے بھی بڑھ کر فرمائی جا رہی ہے۔ تیسری بات یہ قابل غور ہے کہ ہر نبی سے جتنی دیر کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی حفاظت اٹھائی اُس عرصہ میں اُمت پر اُس نبی کی اطاعت فرض رہی یا نہ رہی؛ ہاں کیے تو لغزش کا اتباع فرض مانا۔ انکار کی صورت میں نبی ہر وقت لائقِ اتباع نہ رہا۔ اس صورت میں مودودی صاحب کو ایسی فہرست ضرور شائع کرنی چاہیے جس میں جملہ انبیائے کرام کے متعلق یہ وضاحت کی گئی ہو کہ فلاں نبی اتنا عرصہ قابلِ اتباع رہا اور اتنی دیر لائقِ اجتناب۔ اگر مودودی صاحب اپنے متعلق بھی ایسی وضاحت فرمادیں کہ وہ اپنی زندگی میں کتنا عرصہ قابلِ اعتبار رہے ہیں اور کتنے دن ناقابلِ یقین و لائقِ اجتناب، تو یہ اُن کی جانب سے ایسا اقدام ہوگا جس کے باعث بہت سی غلط فہمیاں مٹ جائیں گی۔

جب مودودی صاحب کے بقول اللہ تعالیٰ ہر نبی سے تھوڑی دیر کے لیے اپنی حفاظت بٹالیتا تھا تا کہ اتنے عرصے میں وہ چھوٹی موٹی کوئی لغزش کر لیں اور مودودی صاحب نے اپنی تصانیف میں ایسی لغزشوں کا جا بجا تذکرہ بھی کیا ہے، تو اُن چھوٹی موٹی لغزشوں کو دیکھنا ضروری ہے۔ موصوف نے آدم علیہ السلام کے بارے میں سورہ طہ کی آیت ۱۱۵ **وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا** کی تشریح کرتے ہوئے اپنا عندیہ یوں ظاہر کیا ہے:

”بعض لوگوں نے اُس میں عزم نہ پایا کا مطلب یہ لیا ہے کہ ہم نے اُس میں نافرمانی کا عزم نہ پایا یعنی اُس نے جو کچھ کیا، نافرمانی کے عزم کی بنا پر نہیں کیا۔ لیکن یہ خواہ مخواہ کا تکلف ہے۔ یہ بات اگر کہنی ہوتی تو لَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا عَلَى الْعَصِيَانِ کہا جاتا کہ محض لَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا۔ آیت کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ فقدانِ عزم سے مراد، اطاعتِ حکم کا فقدان ہے نہ کہ نافرمانی کے عزم کا

مودودی صاحب کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرنے کا حضرت آدم علیہ السلام نے عزم ہی نہیں کیا تھا، یعنی وہ بغاوت پر آمادہ ہو چکے تھے۔ اس سراسر غیر اسلامی اور روح ایمان کے منافی نظریہ کا اثبات مودودی صاحب یوں کرتے ہیں کہ اس جملے کے بعد عصیان کا لفظ نہیں ہے، لہذا اطاعت حکم کا فقدان ہی مراد لیا جائے گا۔ اگر موصوف بھی مسلمانوں کی طرح عصمت انبیاء کے قائل ہوتے تو اس جملے کے آخر میں طاعت کا لفظ نہ ہونے کے باعث اس سے مراد نافرمانی کے عزم کا فقدان ہی لیتے۔ موصوف نے اس پر مزیدیوں کا شبہ آرائی کی ہے:

”جو شخص بھی خالی الذہن ہو کر اس آیت کو پڑھے گا اُس کے ذہن میں پہلا مفہوم یہی آئے گا کہ: ”ہم نے اُس میں اطاعت امر کا عزم یا مضبوط ارادہ نہ پایا۔“ دوسرا مفہوم اُس کے ذہن میں اُس وقت تک نہیں آسکتا جب تک وہ آدم علیہ السلام کی طرف معصیت کی نسبت کو نامناسب سمجھ کر آیت کے کسی اور معنی کی تلاش شروع نہ کر دے۔“

مودودی صاحب کے اس سراسر غیر اسلامی نظریہ کے پیش نظر ایمانی غیرت ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم موصوف کی اس عبارت کو اسلامی بنا کر اُن کی اور جملہ قارئین کی خدمت میں انصاف کی خاطر پیش کر دیں:

”جو شخص بھی عصمت انبیاء کا قائل ہو کر اس آیت کو پڑھے گا اُس کے ذہن میں پہلا مفہوم یہی آئے گا کہ: ”ہم نے اُس میں معصیت کا عزم یا مضبوط ارادہ نہ پایا۔“ دوسرا مفہوم اُس کے ذہن میں اُس وقت تک نہیں آسکتا جب تک وہ آدم علیہ السلام کی طرف معصیت کی نسبت کو اپنا دھرم بنا کر آیت کے کسی اور معنی کی تلاش شروع نہ کر دے۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ مقدس ہستی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا وَاَتَّخَذَ اللّٰهُ

ابْرَاهِيمَ خَلِيلًا كَاثْرَهُ سُنَايَا، حَنِيفًا وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ کا اعلان کروایا۔ لیکن مودودی صاحب کا رہوارِ قلم جب میدانِ تحقیق میں بے لگام ہو کر چلتا ہے تو ابوالانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو یوں کفر و شرک کے سمندر میں پھینکتا ہے:

اس سلسلہ میں ایک اور سوال بھی پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ جب حضرت ابراہیم نے

تارے کو دیکھ کر کہا، یہ میرا رب ہے، اور جب چاند اور سورج کو دیکھ کر انھیں

اپنا رب کہا، تو کیا اُس وقت عارضی طور پر ہی سہی، وہ شرک میں مبتلا نہ ہو گئے تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک طالبِ حق اپنی جستجو کی راہ میں سفر کرتے ہوئے

بیچ کی جن منزلوں پر غور و فکر کے لیے ٹھہرتا ہے، اصل اعتبار اُن منزلوں کا نہیں ہوتا

بلکہ اصل اعتبار اُس سمت کا ہوتا ہے جس میں وہ پیش قدمی کر رہا ہے اور اُس آخری

مقام کا ہوتا ہے جہاں پہنچ کر وہ قیام کرتا ہے۔ بیچ کی منزلیں ہر جویائے حق کے لیے

ناگزیر ہیں۔ ان پر ٹھہرنا بسلسلہ طلب و جستجو ہوتا ہے نہ کہ بصورتِ فیصلہ۔ اصلاً یہ

ٹھہراؤ سوالی و استفہامی ہوا کرتا ہے نہ کہ حکمی۔ طالبِ جب ان میں سے کسی منزل

پر رُک کر کہتا ہے کہ ایسا ہے، اور تحقیق سے اُس کا جواب نفی میں پا کر وہ آگے

بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے یہ خیال کرنا بالکل غلط ہے کہ اثنائے راہ میں جہاں جہاں

وہ ٹھہرتا رہا وہاں وہ عارضی طور پر کفر یا شرک میں مبتلا رہا۔" ل

کچھ سمجھے کہ مودودی صاحب کیا فرمائے؟ یہی کہ انبیائے کرام ذاتی طور پر حق کی تلاش میں نکلتے ہیں۔

راستے میں خواہ کتنے ہی کفر و شرک بھی کر لیں اُن کا کوئی اعتبار نہیں، ان کی بنا پر وہ حضرات کافر و مشرک قرار

نہیں پائیں۔ کیونکہ ان درمیانی منزلوں کا کوئی اعتبار نہیں، اعتبار اُس سمت کا ہے جس کی جانب وہ پیش قدمی کرتے رہے۔

اس عبارت میں مودودی صاحب کو تسلیم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شرک

کیا تھا۔ موصوف کی منطق ہر کافر و مشرک اور فاسق و بد مذہب کے ہاتھ میں سندِ حقانیت تھا دینا ہے

بروقتِ تنقید وہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہماری درمیانی منزلیں ہیں، ان کا اعتبار نہ کرو، یہ تو ہر جویائے حق

کے لیے ناگزیر ہیں۔ اعتبار ہمارے اُس مقام کا کہ جہاں پہنچنے کا عزم لے کر ہم پیش قدمی کر رہے ہیں غرضیکہ ہر شخص ہی حقانیت کو اپنی منزل مقصود قرار دے گا اور اپنی غیر اسلامی روش کو درمیانی منزلیں بنا کر ناقابل اعتبار منوانے گا۔ جب درمیان کے کفر و شرک بھی عفو کے کھاتے ہیں تو دنیا میں کس کو کافر و مشرک سمجھا جائے گا؟ بہ حال ان تہہ بر تہہ پردوں کی آڑ میں مودودی صاحب نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے سر شرک تھوپنا تھا وہ کمال جسارت سے تھوپ ہی دیا۔ یہ ہیں موصوف کے نزدیک وہ چھوٹی موٹی لغزشیں جو اللہ تعالیٰ نے گاہے بگاہے اپنی حسانت اٹھا کر سر زد ہو سکتی ہیں۔

کاش! مودودی صاحب کو حقانیت سے چڑنہ ہوتی۔ قرآن کریم نے انبیائے کرام کے جس عظیم منصب کی نشان دہی کی ہے مودودی صاحب اس کے قائل ہوتے۔ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً مودودی صاحب کی نظر اسی واقعے کے فوراً بعد آیت ۸۳ پر ضرور ٹھہرتی، جس کی تشریح میں اُنھوں نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ شاید خطرہ محسوس ہوا ہو گا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مشرک بتانے کا جو حال تیار کیا ہے اس کے سارے تار پود ٹوٹ جاتے۔ آیت ملاحظہ ہو:

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا ابْرَاهِيمَ  
عَلَى قَوْمِهِ ط نَرَفَعُ دَرَجَاتٍ مَّنْ  
نَشَاءُ ط لَه  
اور یہ ہماری دلیل ہے کہ ہم نے ابراہیم کو  
اُس کی قوم پر عطا فرمائی۔ ہم جسے چاہیں  
درجوں بلند کریں۔

- ۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مشرک قوم کے خلاف یہ حجت مرحمت فرمائی تھی کہ انہوں نے ستارہ پرستی، چاند پرستی اور سورج پرستی کا بطلان اس انداز سے کیا کہ قوم کی مشرکانہ ذہنیت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ آپ کی گفتگو اسی وجہ سے حجت قرار پائی تھی ورنہ شرک کیا ہوتا تو اُسے حجت کے بجائے گمراہی اور گمراہ گری قرار دیا جاتا۔
- ۲۔ اس حجت کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب فرمائی، جس سے واضح ہے کہ قبل نبوت بھی اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے شامل حال بنتی، وہ مودودی صاحب کی تحقیق کے بموجب

لہ پارہ ۷، سورہ الانعام، آیت ۸۳

تجربے کرتے ہوئے نہیں پھر رہے تھے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کا رتبہ بلند کیا۔ اگر اُنھوں نے شرک کیا ہوتا تو رتبہ بلند کرنا کیسا؛ بلکہ قبل ازیں جو رتبہ ملا ہوا ہوتا اُس سے بھی محروم ہو کر رہ جاتے۔  
حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اول العزم پیغمبروں سے ہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے کلیم بنایا یعنی بکلام کے شرف سے مشرف فرمایا تھا، قبل نبوت اُن کے ہاتھوں ایک آدمی مر گیا تھا، اس واقعے سے مودودی صاحب یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں:

”نبی ہونے سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا تھا کہ اُنھوں نے ایک انسان کو قتل کر دیا۔ چنانچہ جب فرعون نے اُن کو اس فعل پر ملامت کی تو اُنھوں نے بھرے دربار میں اس بات کا اقرار کیا فَخَلَّتْهَا إِذْ آذَانَا مِنَ الضَّالِّينَ ۝ (الشعراء۔ ۲۰) یعنی یہ فعل مجھ سے اُس وقت سرزد ہوا تھا جب راہ ہدایت مجھ پر کھلی نہ تھی“ لے

اس عبارت سے صاف عیاں ہے کہ مودودی صاحب جہاں گناہ کے مفہوم سے ناواقف ہیں یا تجاہلِ عارفانہ سے کام لے رہے ہوں گے وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایک انسان کو قتل کرنے کا اقرار بھی جڑ بیٹھے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا اُس آدمی کو قتل کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا بلکہ اسرائیلی کی فریاد پر اُسے چھڑانے کے لیے آپ نے قبطلی کو مٹکا مارا لیکن قسناے الہی سے وہ نکلے کی تاب نہ لاتے ہوئے مر گیا۔

اگر لفظ ضالین کے پیش نظر مودودی صاحب اسے بہت بڑا گناہ قرار دے رہے ہیں تو وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۝ کے پیش نظر سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو، نیز مَرَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِينَ ۝ کے تحت حضرت آدم علیہ السلام کو اور لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحٰنَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّٰلِمِينَ ۝ کی وجہ سے حضرت یونس علیہ السلام کو گمراہ اور ظالم ٹھہرایا جائے گا۔ حضرت یونس علیہ السلام کے بائے ہیں جناب مودودی صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں لکھا ہے:

”مفسرین کے ان بیانات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تین قصور تھے جن کی

لے رسائل و مسائل، جلد اول، بار ہفتم، ص ۲۷، ۲۸



وجہ سے حضرت یونس پر عذاب ہوا۔ ایک یہ کہ انہوں نے عذاب کے دن کی خود ہی تعیین کر دی، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا کوئی اعلان نہ ہوا تھا۔ دوسرے یہ کہ وہ دن آنے سے پہلے ہجرت کر کے ملک سے نکل گئے، حالانکہ نبی کو اس وقت تک اپنی جگہ نہ چھوڑنی چاہیے جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ آجائے۔ تیسرے یہ کہ جب اس قوم پر سے عذاب ٹل گیا تو واپس نہ گئے۔“ لہ

## چھٹی عنایت

چونکہ مودودی صاحب کا نظریہ ہے کہ اپنی نبوت کا توہین و تنقیص سید المرسلین اعلان کرنے پہلے نبی کی زندگی اور دوسرے عام انسانوں کی زندگی اور ان کے ذرائع معلومات میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ چنانچہ اپنے اسی عقیدے کی نشر و اشاعت کرنے اور لوگوں کے دماغوں میں اس غیر اسلامی عقیدے کے جراثیم پھیلانے کی خاطر موصوف نے سورہ الشوریٰ کی آیت ۵۲ کے تحت لکھا ہے:

”نبوت پر سرفراز ہونے سے پہلے کبھی حضور کے ذہن میں یہ تصور تک نہ آیا تھا کہ آپ کو کوئی کتاب ملنے والی ہے یا ملنی چاہیے۔ بلکہ آپ سرے سے کتب آسمانی اور ان کے مضامین کے متعلق کچھ جانتے ہی نہ تھے۔ اسی طرح آپ کو اللہ پر ایمان تو ضرور حاصل تھا مگر آپ نہ شعوری طور پر اس تفصیل سے واقف تھے کہ انسان کو اللہ کے متعلق کیا کیا باتیں ماننی چاہئیں اور نہ آپ کو یہ معلوم تھا کہ اس کے ساتھ ملائکہ اور نبوت اور کتب الہی اور آخرت کے متعلق بھی بہت سی باتوں کا ماننا ضروری ہے۔“ لہ

معلوم نہیں مودودی صاحب کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذہنی تصورات کس طرح معلوم ہوئے، موصوف کو کس طرح یہ کھوج ملا کہ: ”آپ کو اللہ پر ایمان تو ضرور حاصل تھا۔ اور

فلاں فلاں چیزوں کا علم قطعاً نہ تھا۔ اگر موصوف ایسا کوئی ذریعہ علم بتادیں تو مسلمانوں کو مودودی صاحب سے جو یہ بدظنی ہے کہ وہ اپنے ذہن سے تراش کر بڑی سے بڑی بات اس وثوق سے پیش کرتے چلے جاتے ہیں گویا وہ کتاب و سنت ہی کے تحت بات کر رہے ہیں، اس کو دور کرنے میں کافی مدد ملے گی۔ موصوف نے فخر و عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عدیم النظیر کامیابی پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے:

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں جو زبردست کامیابی ہوئی اس کی وجہ یہی تو تھی کہ آپ کو عرب میں بہترین انسانی مواد مل گیا تھا، جس کے اندر کیرمٹ کی زبردست طاقت موجود تھی۔ اگر خدا نخواستہ آپ کو بودے، کم ہمت، ضعیف الارادہ اور ناقابل اعتماد لوگوں کی بیٹرمل جاتی تو کیا پھر بھی وہ نتائج نکل سکتے تھے؟“

یہی تو تھی کا حصر بتا رہا ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظیم الشان کامیابی کا دار و مدار صرف اس کامرہون منت ہے کہ آپ کو بہترین انسانی مواد مل گیا تھا۔ مواد بہترین تھا یا کیسا؟ اس سے قطع نظر کرتے ہوئے موصوف کے نزدیک اس بے مثال کامیابی میں خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تو کچھ بھی حصہ نہیں۔ یہ ہے جناب مودودی صاحب کا انصاف اور دین و دیانت کا تقاضا کہ جس ہستی نے انھیں ایسے رنگ میں رنگا کہ بہترین انسانی مواد بنا دیا اس کا اس کامیابی میں سرے سے حصہ ہی نہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

خار کو گل اور گل کو خار جو چاہے کرے  
تو نے جو چاہا کیا اسے یار جو چاہے کرے

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ جل مجدہ نے مخاطب کیا ہے لیکن پیارے پیارے القاب کے ساتھ، مثلاً: یا ایہا النبئی، یا ایہا الرسول، یا ایہا المزمّل، یا ایہا المدثر وغیرہ۔ غرضیکہ پورے قرآن کریم میں ایک

بھی ایسے مقام کی نشان دہی نہیں کی جاسکتی جہاں اللہ تعالیٰ نے فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نام لے کر مخاطب کیا ہو حالانکہ وہ خالق و مالک ہے۔ اُس پر کسی کا ادب ضروری نہیں، لیکن صرف یہ بات واضح کرنا مقصود تھی کہ جس ہستی کا پروردگارِ عالم اتنا ادب ملحوظ رکھتا ہے اُس کا ساری مخلوق کو اور خصوصاً اُس کے ماننے والوں کو کتنا ادب کرنا چاہیے۔ اس کے باوجود مودودی صاحب نے تفہیم القرآن میں کتنی ہی آیات کا ترجمہ کرتے وقت لکھا ہوا ہے، اے محمد! —  
 آخر اس دل چھیننے والی ادا کا جواز کیا ہے؟

سورہ آل عمران کی آیت ۸۱ میں اُس ميثاق کا تذکرہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے نبی آخر الزماں، سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق لیا تھا۔ لیکن مودودی صاحب داعی حق اور علمبردارِ حقیقت بن کر سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی افضلیت پر تشریح میں یوں پردہ ڈالتے ہیں:

”مطلب یہ ہے کہ ہر پیغمبر سے اس امر کا عہد لیا جاتا رہا ہے اور جو عہد پیغمبر سے لیا گیا ہو وہ لامحالہ اُس کے پیروؤں پر بھی آپ سے آپ عائد ہو جاتا ہے کہ جو نبی ہماری طرف سے اُس دین کی تبلیغ و اقامت کے لیے بھیجا جائے جس کی تبلیغ و اقامت پر تم مامور ہوئے ہو، اُس کا تمہیں ساتھ دینا ہوگا، اُس کے ساتھ تعصب نہ برتنا، اپنے آپ کو دین کا اجارہ دار نہ سمجھنا، حق کی مخالفت نہ کرنا، بلکہ جہاں جو شخص بھی ہماری طرف سے حق کا پرچم بلند کرنے کے لیے اٹھایا جائے اُس کے جھنڈے تلے جمع ہو جانا۔ یہاں اتنی بات اور سمجھ لینی چاہیے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہر نبی سے یہی عہد لیا جاتا رہا ہے اور اسی پر ہر نبی نے اپنی اُمت کو بعد کے آنے والے نبی کی خبر دی ہے اور اُس کا ساتھ دینے کی ہدایت کی ہے۔ لیکن نہ قرآن میں، نہ حدیث میں، کہیں بھی اس امر کا پتا نہیں چلتا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا عہد لیا گیا ہو یا آپ نے اپنی اُمت کو کسی بعد کے آنے والے نبی کی خبر دے کر اُس پر ایمان لانے کی ہدایت فرمائی ہو۔“

لے تفہیم القرآن، جلد اول، ص ۲۶۹

مودودی صاحب نے جو سند الوہیت پر ترجمانی کی اڑ میں بیٹھ کر انبیائے کرام کے نام احکامات صادر فرمائے ہیں کہ تم یوں کرنا اور ایسا ہرگز نہ کرنا وغیرہ یہ تو ان کے ذوقِ انانیت اور بین الاقوامی شخصیت ہونے کا تقاضا ہے۔ لیکن مودودی صاحب نے آیت کی جو تفسیر کی ہے اس کی صحت و عدم صحت کا شاید اُس وقت تک صحیح اندازہ نہ ہو سکے جب تک زیر بحث آیت سامنے نہ ہو۔ چنانچہ پہلے دونوں آیتیں ملاحظہ فرمائی جائیں:

وَإِذَا أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ	اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے
لَمَّا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ تُمْ	اُن کا عہد لیا، جو میں تم کو کتاب اور حکمت
جَاءَكُمْ رَسُولٌ مَقْصُودٌ لِمَا مَعَكُمْ	دوں، پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ
لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ	رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے،
أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذٰلِكُمْ	تو تم ضرور بر ضرور اُس پر ایمان لانا اور ضرور
إِصْرِي قَالُوا أَأَقْرَرْنَا قَالَ	بر ضرور اُس کی مدد کرنا، فرمایا کیوں تم نے
فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ	اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا۔ سب نے
فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ	عرض کی، ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو ایک دوسرے
هُمُ الْفٰسِقُونَ ۝	پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ

گواہوں میں ہوں۔ تو جو کوئی اس کے بعد

پھرے تو وہی فاسق ہے۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ ان دونوں آیتوں کے مفہوم پر نظر کر کے مودودی صاحب کی مذکورہ تفسیر بجات کو دیکھیں۔ چند امور خصوصی توجہ کے مستحق ہیں جو ہم پیش کیے دیتے ہیں:

۱۔ مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ: ہر پیغمبر سے عہد لیا جاتا رہا ہے۔ اس سے یہی مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ جب کوئی پیغمبر مخلوقِ خدا کی رہنمائی کے لیے دنیا میں تشریف فرما ہوتا تو اُس سے عہد لیا جاتا تھا لیکن مذکورہ آیت ۸۱ اس مفہوم کی تصدیق نہیں کرتی جیسا کہ مِثَاقِ

النَّبِيِّينَ سے ظاہر ہے۔ قرآن کریم کی دوسے یہ ميثاقِ گروہِ انبیاء سے ایک ہی وقت میں  
لیا گیا تھا یعنی اس عالمِ ناسوت کی تخلیق سے پہلے ارواحِ انبیاء سے عالمِ ارواح میں عہد  
لیا گیا ہوگا۔

۲۔ مودودی صاحب کے فرمانِ جو نبی سے یہ بات سامنے آرہی ہے کہ ہر نبی سے عہد لیا کہ  
تمہارے عہد میں جو بھی دوسرا نبی دین کی تبلیغ پر مامور ہو تمہیں اس کی مدد کرنی ہوگی۔  
اس صورت میں ہزاروں انبیاء ایسے ہوں گے جن کے متعلق یہ ميثاق لیا گیا، لیکن مودودی صاحب  
کا احسان ہوگا اگر وہ ایسے انبیاء کی نشان دہی فرمادیں جن پر دوسرے انبیاء کو ایمان  
لانا پڑا ہو۔ ظاہر ہے کہ ایمان لانے والا نبی ایک لحاظ سے اُس نبی کا اُمتی بھی ہے جس  
پر وہ ایمان لایا ہے۔

۳۔ مودودی صاحب نے مذکورہ عبارت میں انبیاء کے کرام کے نام فرمان نافذ کیا ہے کہ  
اُنہیں یہ کرنا ہوگا اور ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے وغیرہ۔ یہ الفاظ مفسرِ قرآن اور اُمتی کی  
زبان میں ادا کر رہے ہیں یا خدائی مقام پر بیٹھ کر؟

۴۔ امام عبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۷۱ھ) نے اسی آیت کے  
تحت اپنی تفسیر الجامع الاحکام القرآن میں جو تفسیر قرطبی کے نام سے مشہور و معروف  
ہے، فرمایا ہے:

الرسول هـنا محمد صلى الله	حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ
عليه وسلم في قول علي و ابن	تعالیٰ عنہما کے قول کے مطابق یہاں
عباس و اللفظ وان كان	رسول سے مراد محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
نكرة فالاشارة الى	ہیں۔ یہ لفظ اگرچہ نکرہ ہے لیکن اشارہ
معين -	شخص معین کی طرف ہے۔

خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۱۱ھ) نے اسی لفظ سے سؤل کی  
تفسیر میں فرمایا ہے:

وهو محمد صلى الله عليه وسلم۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

تفسیر جلالین کلاں، مطبوعہ کراچی، ص ۵۵

غرضیکہ مفسرین کی اکثریت کا موقف یہی ہے کہ یہاں رسول سے مراد نبی آخر الزماں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ جملہ انبیائے کرام سے یہ عہد آپ ہی کے متعلق لیا گیا۔ آپ پر ایمان لانا ان کے لیے ضروری قرار دیا گیا۔ اسی لیے آپ نبی آخر الزماں ہونے کے ساتھ نبی الانبیاء بھی ہیں۔ اسی کی تصدیق کرتے ہوئے شبِ معراج تمام انبیائے کرام نے بیت المقدس میں آپ کے پیچھے نماز ادا کی تھی۔ معلوم نہیں وہ کون سی مصلحت یا دارین کی بھلائی تھی جس نے سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس افضلیت کے اعتراف سے مورود می صاحب کی زبان و قلم کو روکا ہوا ہے؟

## ساتویں عنایت

جس طرح خالق کی صفات کا مخلوق میں پایا جانا ممنوع بالذات شان الوہیت کا مذاق ہے اسی طرح مخلوق کی صفات خالق میں پائی جائیں یہ محال ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ سُبُوْح و قُدُّوس ہر عیب و نقص سے پاک اور منزہ ہے۔ مسلمانوں کا ہمیشہ سے یہی عقیدہ ہے۔ مورود می صاحب نے بھی تشریح و تقدیس باری تعالیٰ کے بارے میں لکھا ہے:

”پہلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نقص اور کمزوری سے پاک ہے اور ظاہر ہے کہ اولاد کی ضرورت ناقص و کمزور کو ہوا کرتی ہے۔ جو شخص فانی ہوتا ہے وہی اس کا محتاج ہوتا ہے کہ اُس کے ہاں اولاد ہوتا کہ اُس کی نسل اور نوع باقی رہے اور کسی کو مقبضی بھی وہی شخص بناتا ہے جو با تو لا وارث ہونے کی وجہ سے کسی کو وارث بنانے کی حاجت محسوس کرتا ہے یا محبت کے جذبے سے مغلوب ہو کر کسی کو بیٹا بنا لیتا ہے۔ یہ انسانی کمزوریاں اللہ کی طرف منسوب کرنا اور اُن کی بنا پر مذہبی عقیدے بنا لینا جہالت اور کم نگاہی کے سوا اور کیا ہے؟“

مورود می صاحب نے منافقینِ مدینہ اور یہود وغیرہ کو جواب دینے کی خاطر مذکورہ عبارت میں

لے تفہیم القرآن، جلد چہارم، ص ۳۵۸

اسلامی عقیدے کو ڈھال کے طور پر استعمال کر لیا لیکن بعض آیات کا ترجمہ کرتے وقت وہ خود اس پر قائم نہیں رہتے بلکہ ذاتِ باری تعالیٰ سے بعض وہ صفات بھی منسوب کر دی ہیں جو برگز اس کی شان کے لائق نہیں ہیں۔ مثلاً:

اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ - اللہ ان سے مذاق کر رہا ہے۔

مذاق کرنا ایک انسانی فعل ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات یقیناً اس سے پاک اور منزوہ ہے۔ بھلا خالق کا مخلوق سے اور مخلوق کا خالق سے مذاق کرنا کیسا؟ بہر حال مودودی صاحب نے جب اپنے معبود کا منافقین سے مذاق کروا ہی دیا تو موصوف یہ وضاحت بھی فرمادیں کہ ان کا اللہ مدینہ طیبہ میں آکر مذاق کیا کرتا تھا یا منافقین کو آسمانوں پر بلا کر؟ ساتھ ہی یہ بھی مد نظر رہے کہ ہنسی مذاق بسا اوقات تو تو میں میں، جھگڑے فساد اور جوشم پزار کا پیش خیمہ بن جاتا ہے، لہذا یہ بھی بتا دیا جانے کہ دوران مذاق دو چار مرتبہ یہاں تک بھی نوبت پہنچی یا صرف دل لگی تک ہی یہ معاملہ محدود رہتا تھا؟ مزید ترجمہ ملاحظہ ہو:

يَخْرُ اللَّهُ مِنْهُمْ ط وَ لَهُمْ عَذَابٌ  
اللہ ان مذاق اڑانے والوں کا مذاق اڑاتا ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اب مذاق کے بعد اللہ تعالیٰ کی جانب چال بازی کی نسبت بھی مودودی صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے:

أَفَا مَنُوا مَكَرَ اللَّهِ ط فَلَا يَأْمُرُ  
مَكَرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ۝  
کیا یہ لوگ اللہ کی چال سے بے خوف ہیں؟  
حالانکہ اللہ کی چال سے وہی قوم بے خوف  
ہوتی ہے جو تباہ ہونے والی ہو۔

وَأُمْلِي لَهُمْ ط إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ۝  
(الاعراف، آیت ۱۸۳)  
میں ان کو ڈھیل دے رہا ہوں۔ میری  
چال کا کوئی توڑ نہیں۔

۱۔ تفہیم القرآن، جلد اول، ص ۵۴  
۲۔ تفہیم القرآن، جلد دوم، ص ۲۱۹  
۳۔ ایضاً، ص ۶۱  
۴۔ ایضاً، ص ۱۰۴

وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ  
خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ۝  
وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی  
چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر  
چال چلنے والا ہے۔ ۱۷

(الانفال، آیت ۳۰)

وَمَكْرُوا مَكْرًا وَمَكْرُؤًا مَكْرًا  
وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ (النمل، آیت ۵۰)  
یہ چال تو وہ چلے اور پھر ایک چال ہم نے  
چلی جس کی انھیں خبر نہ تھی۔ ۱۸

مذکورہ آیات میں ایک جانب کفار و منافقین کے مکر و فریب کو چال چلنا بتایا جا رہا ہے تو دوسری طرف یہی لفظ بغیر کسی جھجک کے اللہ تعالیٰ پر بھی چسپاں کر دیا ہے، حالانکہ ترجمانی کرتے ہوئے یہاں ایسا لفظ استعمال کرنا ضروری تھا جو اس سُبُوْح و قدوس ذات کے شایانِ شان ہوتا۔ کفار و منافقین کی فریب کاری کو چال چلنے سے تعبیر کرنا درست لیکن مودودی صاحب کے نزدیک خدا بھی فریب کا رہے کہ بے دھڑک ادھر بھی چال چلنا لکھ دیا اور ایک دفعہ نہیں بار بار۔ ممکن ہے چال چلنے کا کوئی اچھا معنی بھی ہو۔ لیکن جب زیادہ تر یہ لفظ بُرے معنی ہی میں استعمال ہوتا ہے تو لازم تھا کہ خدا کے لیے اسے استعمال کرنے سے اجتناب کیا جاتا۔ لفظ رَاعِنًا کا ہرگز کوئی غلط معنی نہیں لیکن مخالفین و حاسدین اس لفظ کو اس طرح توڑ مروڑ کر ادا کرتے کہ توہین آمیز مطلب برآمد ہوتا لیکن ایسے نامعلوم طریقے سے ادا کرتے کہ سُننے والوں کو غلط ادائیگی کا پتہ نہ لگتا اور اس طرح وہ اپنے دل کی لگی بجایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص برداشت نہ کی اور اس صحیح لفظ کے ذریعے اپنے حبیب کو مخاطب کرنے سے صحابہ کرام جیسے جانثاروں کو بھی روک دیا گیا تاکہ توہین کرنے والوں کا چور دروازہ بند ہو جائے۔ دریں حالات جو لفظ زیادہ تر استعمال ہی بُرے معنی میں ہوتا ہے وہ تو کسرِ شان کا بہن گیت ہوا۔ اُس کے استعمال کو اللہ تعالیٰ خود اپنے متعلق کس طرح پسند فرمائے گا؟ دراصل ترجمہ کرتے ہوئے



مردودی صاحب کے ذہن میں صفات الہیہ کا تصور نہ رہا ہوگا جس کے باعث یہ غلطی ہوگئی اور بقول  
مردودی صاحب تو بنیادی غلطی اور خطرناک سہل انگاری واقع ہوئی، جس کا خود اُنہوں نے یوں  
اظہار فرمایا ہے:

”انسان کی سب سے بڑی بنیادی غلطی وہ ہے جو وہ خدا کے متعلق اپنے عقیدے کے  
تعیین میں کرتا ہے۔ اس معاملے میں سہل انگاری سے کام لے کر کسی گہرے اور سنجیدہ  
فکر و تحقیق کے بغیر ایک سرسری یا سنا سنا یا عقیدہ بنا لینا ایسی عظیم حماقت ہے جو دنیا  
کی زندگی میں انسان کے پورے رویے کو، اور ابد الابد تک کے لیے اُس کے انجام  
کو خراب کر کے رکھ دیتی ہے۔ لیکن جس وجہ سے آدمی اس خطرناک سہل انگاری میں  
بتلا ہو جاتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو غیر ذمہ دار اور غیر جواب دہ سمجھ لیتا ہے  
اور اس غلط فہمی میں پڑ جاتا ہے کہ خدا کے بارے میں جو عقیدہ بھی میں اختیار  
کر لوں اُس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ یا تو مرنے کے بعد سب سے کوئی زندگی  
نہیں ہے جس میں مجھے کسی باز پرس سے سابقہ پیش آئے یا اگر کوئی ایسی زندگی ہو  
اور وہاں باز پرس بھی ہو تو جن ہستیوں کا دامن میں نے تھام رکھا ہے وہ مجھے  
انجام بد سے بچالیں گی۔ یہی احساس ذمہ داری کا فقدان آدمی کو مذہبی عقیدے  
کے انتخاب میں غیر سنجیدہ بنا دیتا ہے اور اس بنا پر وہ بڑی بے فکری کے ساتھ  
دوسرے سے لے کر شرک کی انتہائی نامعقول صورتوں تک طرح طرح کے لغو  
عقیدے خود گھٹاتا ہے یا دوسروں کے گھڑے ہوئے عقیدے قبول کر لیتا ہے۔“

کاش مردودی صاحب اپنے آپ کو غیر جواب دہ یا غیر ذمہ دار نہ سمجھتے اور خدا کے متعلق اپنے عقیدے  
کے تعین میں سنجیدہ فکر و تحقیق کو کام میں لاتے اور سہل انگاری سے کام نہ لیتے۔ علاوہ بریں  
موصوف اور وہاں بیان پاک و ہند کے پیشوائے اعظم مولوی محمد اسماعیل دہلوی (المتوفی ۱۲۴۶ھ /  
۱۸۳۱ء) تو ہر اُس شخص کو خدا بنا دیا کرتے تھے جو آسمان کے تاروں یا ایک درخت کے پتوں کی

لے تفہیم القرآن، غلامپارم، ص ۶۰۱

گفتی بھی بتا دے لیکن موصوف نے اس کا ردِ کو خوب وسعت دی ہے کہ ہر ولی، قطب، غوث، قلندر وغیرہ کو خدا بتا دیا نیز کسی نے فاتحہ یا نذر نیاز دی یا کسی کا عرس کیا تو اُسے خدا بنا لیا۔ چنانچہ مودودی صاحب نے اپنی اس مہم کا اظہار ان لفظوں میں فرمایا ہے:

”جاہلیتِ خالصہ (خالص کفر) کے بعد یہ دوسری قسم کی جاہلیت (کفر) ہے جس میں انسان قدیم ترین زمانہ سے آج تک مبتلا ہوتا رہا ہے اور ہمیشہ گھٹیا درجہ کی دماغی حالت ہی میں یہ کیفیت رونما ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے اثر سے جہاں لوگ اللہ واحد و قہار کی خدائی کے قائل ہو گئے وہاں سے خداؤں کی دوسری اقسام تو رخصت ہو گئیں مگر انبیاء و اولیاء، شہداء، صالحین، مجاذیب، اقطاب، ابدال، علماء، مشایخ اور ظل اللہوں کی خدائی پھر بھی کسی نہ کسی طرح عقاید میں اپنی جگہ نکالتی ہی رہی جاہل دماغوں نے مشرکین کے خداؤں کو چھوڑ کر ان نیک بندوں کو خدا بنا لیا، جن کی ساری زندگیاں بندوں کی خدائی ختم کرنے اور صرف اللہ کی خدائی ثابت کرنے میں صرف ہوئی تھیں۔ ایک طرف مشرکانہ پوجا پاٹ کی جگہ فاتحہ، زیارات، نیاز، نذر، عرس، صندل، چڑھاوسے، نشان، علم، تعزیلے اور اسی قسم کے دوسرے مذہبی اعمال کی ایک نئی شریعت تصنیف کر لی گئی۔ دوسری طرف بغیر کسی ثبوت علمی کے ان بزرگوں کی ولادت و وفات، ظہور و غیاب، کرامات و خوارق، اختیارات و تصرفات اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے تقرب کی کیفیات کے متعلق ایک پوری میتھالوجی تیار ہو گئی جو بت پرست مشرکین کی میتھالوجی سے بر طرح لٹکا کھا سکتی ہے۔ تیسری طرف توسل اور استمداد روحانی اور اکتساب فیض وغیر ناموں کے خوشنما پردوں میں وہ سب معاملات جو اللہ اور بندوں کے درمیان ہوتے ہیں، ان بزرگوں سے متعلق ہو گئے اور عملاً وہی حالت قائم ہو گئی جو اللہ کے ماننے والے ان مشرکین کے ہاں ہے جن کے نزدیک پادشاہ عالم انسان کی رسانی سے بہت دُور ہے اور انسان کی زندگی سے تعلق رکھنے والے تمام امور نیچے کے بلکاروں ہی سے وابستہ ہیں۔ فرق صرف یہ ہے

کہ ان کے ہاں اہل کارِ علانیہ اللہ، دیوتا، اوتار یا ابن اللہ کہلاتے ہیں اور یہ انہیں  
 غوث، قطب، ابدال، اویاد اور اہل اللہ وغیرہ الفاظ کے پردوں میں چھپاتے ہیں۔  
 انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک کتھی یا مچھر بنانے کی طاقت بھی نہیں دی ہے۔ کاش! مودودی صاحب  
 دائرہ انسانیت ہی میں رہتے اور تمام حدود کو چھاند کر مولوی محمد اسمعیل دہلوی کی طرف خدا سازی کا  
 کاروبار نہ کرتے۔ جن معاملات کو مودودی صاحب خدا بنانے پر محمول کر رہے ہیں ان میں سے  
 اکثر چیزیں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) کے ہاں پورے اہتمام سے  
 پائی جاتی ہیں جو مودودی صاحب کے نزدیک بارہویں صدی کے مجدد اور مایہ ناز علمی ہستی ہیں۔ کیا  
 یہ کافر مشرک تھے؟ یہ مشرکین والی میتھالوجی کے قائل ہوئے یا نہیں؟ دریں حالات انہیں بزرگ  
 اور مجدد ماننے کون ہوئے؟ اسی طرح ہزاروں اویاد اللہ اور علمائے امت محمدیہ کا معاملہ ہے۔  
 کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ انہیں اور ساری امت محمدیہ کو کافر و مشرک ٹھہرانے کے بجائے مودودی صاحب  
 ہی خدا سازی کا کاروبار نہ کرتے۔ مسلمانوں کو کافر و مشرک ٹھہرانے اور خود کو دین کا علمبردار منوانے  
 کے زعم میں بندگانِ خدا کو خدائی منصب پر بٹھانے کا کاروبار تو خود جاری کیا ہے لیکن الزام مسلمانوں کے  
 سر تھوپا جاتا ہے۔ کوئی مسلمان بھی کسی بزرگ کو خدا کی ذات و صفات میں شامل کرنے کا تصور تک  
 اپنے ذہن میں نہیں لاتا، خدا کی صفات کا ان میں ہزاروں حصہ بھی تسلیم نہیں کرتا لیکن مودودی صاحب  
 بضد ہیں کہ انہوں نے بزرگوں کو خدا بنا لیا۔ انہوں نے تو خدا کے بندوں کو ہرگز خدا نہیں بنایا، ہاں  
 مودودی صاحب ہی نے خدا بنانے کا کارخانہ لگایا ہوا ہے جہاں سے زبان زوری کے ساتھ  
 بندگانِ خدا کو خدا بنا کر مسلمانوں کو کافر و مشرک ٹھہرایا جاتا ہے۔ موصوف نے اپنی جملہ تصانیف  
 میں اور خصوصاً تجدید و احیائے دین اور قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں کتاب میں اس کاروبار کی  
 خوب گرم بازاری دکھائی ہے۔

آپ کا دعویٰ ہے گلشن کی بہاریں ہم سے ہیں

یعنی اب بدخواہ کو کہنا پڑے گا خیر خواہ

مودودی صاحب نے اپنی مخصوص تحقیق کے اصلی جوہر تو خلافت و  
**شانِ تحقیق** ملکیت کتاب میں دکھائے ہیں، جہاں کتاب و سنت کی واضح تصریحات

لے تجدید و احیائے دین ص ۱۹-۲۰

کے خلاف حقیقت کا سر بازار منہ چڑاتے ہوئے جھوٹے اور سراسر جعلی تاریخی قصوں کا سہارا لے کر اکابر اصحاب کی مقدس سیرتوں اور شخصیتوں کو داغدار کرنے میں ذرا جھجک محسوس نہیں کی۔ دل کھول کر ان بزرگوں پر الزامات کی فائرنگ کر کے اپنے دل کی لگی بجبانی ہے۔ یہاں ہم صرف ایک ہی مثال پیش کریں گے اور بے سید احمد بریلوی اور مولوی محمد اسمعیل دہلوی کی حکومت سے متعلق۔ وباللہ التوفیق۔

مولوی محمد اسمعیل دہلوی نے جب اپنے خاندانی مذہب اہلسنت وجماعت کو خیر باد کہہ دیا اور انگریزوں کی ہدایت کے مطابق محمد بن عبد الوہاب نجدی (المتوفی ۱۲۰۶ھ) کے دھرم کا متحدہ ہندوستان میں بانی بنا قبول کر لیا تو موسوف پرچاروں طرف سے انگلیاں اٹھنے لگیں تو اس مسئلے کی اگلی کڑی مرزا حیرت دہلوی نے یہ بتائی ہے:

”آپ نے پہلے چند بڑے بڑے بد معاشوں کے سرغنوں کو اپنی جاؤد بھری تقریر سنا کے مرید کیا اور انھیں ایسا معتقد بنایا کہ وہ اپنی جان قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ مصیبت اس کی مقتضی تھی کہ یہ کارروائی کی جائے کیونکہ دن بدن مخالفت کی آگ بھڑکتی جاتی تھی۔“

مودودی صاحب اور ان کے تابعین نیز جملہ دیوبندی اور اہلحدیث حضرات کو ماننا پڑے گا کہ مولوی محمد اسمعیل دہلوی نے اپنا خاندانی مذہب یعنی طریقہ اہلسنت وجماعت ترک کر دیا تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑے گا کہ دہلوی صاحب مذکور سے پہلے متحدہ ہندوستان میں وہابیت کا وجود ہی نہیں تھا۔ اگر وہابیوں کا وجود ہوتا یا خاندانی مذہب پر رہتے تو بد معاشوں کے سرغنوں کو مرید کرنے کی ضرورت پیش ہی کیوں آتی؟ بہر حال ہندوستان میں فرقہ سازی کے بانی مولوی محمد اسمعیل ہوئے۔ جو وہابی علماء اہلسنت وجماعت کو بریلوی فرقہ اور امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کو کسی فرقے کا بانی کہتے ہیں وہ دین وایمان کے ساتھ ہی انصاف و دیانت نہ کریں گے۔ غرض یہ تھے مولوی محمد اسمعیل دہلوی کے اعیان و انصار۔ اور یہ تھی وہابیت کی پاکیزہ خشتِ اول۔ آگے کیا ہوا، ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ بیاتِ طیبہ، مطبوعہ لاہور، ص ۵۸

”اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ کئی برس تک پیارے شہید کے معتقدین اتنے کم رہے جن کا شمار انگریزوں پر ہو سکتا ہے، مگر اس ناکامی سے کسی قسم کی دل شکنی مولانا شہید کو حاصل نہ تھی۔“ ۱

مرزا حیرت دہلوی نے غنڈوں کے سرغنوں پر مشتمل اپنے توجید کے علمبردار محمدی گروہ کے بارے میں مزید لکھا ہے:

”جب اس قسم کے وعظ ہونے لگے تو دو چار جگہ لائٹی بھی چل گئی کیونکہ اب محمدیوں کا گروہ بھی بڑھتا جاتا تھا۔“ ۲

سیاں بھٹے کو نوال اب ڈر کا ہے کا کے تحت جب اس شجر ممنوعہ کی جڑیں پھیلنی شروع ہوئیں جو حکومت کی سرپرستی کے باعث ناگزیر تھیں تو اس اولین ترقی کا تذکرہ مرزا صاحب مسرور ہو کر یوں کرتے ہیں:

”پیارے شہید نے ہزاروں بلکہ لاکھوں کی زبان سے یہ نکلوا دیا کہ ہم محمدی ہیں۔ چاروں طرف سے آوازیں بلند ہو رہی تھیں کہ اس ضلع میں اتنے محمدی آباد ہیں اور اس ضلع میں اتنی تعداد مسلمانوں کی ہے۔“ ۳

اب ان حضرات کو انگریزی حکومت اپنے حکم اور امداد کے ساتھ سرحد کے مسلمانوں اور پنجاب کے سکٹوں سے لڑنے کے لیے بھیجتی ہے۔ مسلمانوں کے سامنے اعلان صرف سکٹوں سے لڑنے کا کرتے اور مدد مانگتے ہیں۔ مسلمان حیران ہو کر سوال کرتے ہیں کہ جہاد تو انگریزوں سے لڑنے کے گھر کرنا چاہیے جنہوں نے ہماری آزادی سلب کی ہوئی ہے۔ سید احمد صاحب جو اب دیتے ہیں:

”انگریزی سرکار کو منکر اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کوئی ظلم و تعدی نہیں کرتی اور نہ ان کو فریق مذہبی اور عبادات لازمی سے روکتی ہے۔ ہم ان کے ملک میں

۱ ایضاً: ص ۹۹

۲ حیاتِ طیبہ: ص ۹۷

۳ ایضاً: ص ۲۳۸

غلطیہ و غلط کتے اور ترویج مذہب کرتے ہیں، وہ کبھی مانع و مزاحم نہیں ہوتی، بلکہ ہم پر اگر کوئی زیادتی کرتا ہے تو اس کو سزا دینے کو تیار ہے۔ ہمارا اصل کام اشاعتِ توحیدِ الہی اور احیائے سننِ سید المرسلین ہے، سو ہم بلا روک ٹوک اس ملک میں کرتے ہیں۔ پھر ہم سرکارِ انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور اصولِ مذہب کے خلاف بلاوجہ طرفین کا خون گراویں۔

مصوف کے اولین سوانح نگار اور وہابیت کے عاشق زار مولوی محمد جعفر تھانیسری نے یہ وساحت بھی کی ہے:

اس سوانح اور مکتوبات کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سید صاحب کا انگریزی سرکار سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہ تھا۔ وہ اس آزاد عملداری کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ اگر انگریزی سرکار اس وقت سید صاحب کے خلاف ہوتی تو ہندوستان سے سید صاحب کو کچھ بھی مدد نہ پہنچتی مگر سرکارِ انگریزی اس وقت دل سے چاہتی تھی کہ سکھوں کا زور کم ہو۔

مذکورہ دونوں عبارتوں میں سید احمد صاحب اور ان کے اولین سوانح نگار، مولوی محمد جعفر تھانیسری کے یہ الفاظ کتے قابلِ غور ہیں:

مسلمانوں پر کوئی ظلم و تعدی نہیں کرتی۔ ہم ان کے ملک میں۔ ہم سرکارِ انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور اصولِ مذہب کے خلاف بلاوجہ طرفین کا خون گراویں۔ وہ اس آزاد عملداری کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے۔ سرکارِ انگریزی دل سے چاہتی تھی کہ سکھوں کا زور کم ہو۔ لگے ہاتھوں وہابی بیڑے کے ناخدا یعنی مولوی محمد اسمعیل دہلوی کا اس سلسلے میں نظریہ بھی مرزا حیرت دہلوی کی زبانی ملاحظہ ہو:

”کلکتہ میں جب مولانا اسمعیل صاحب نے جہاد کا وعظ فرمانا شروع کیا ہے اور سکھوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی ہے، تو ایک شخص نے دریافت کیا: آپ

لے حیات سید احمد شہید، مطبوعہ کراچی: ص ۱۱۱

انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے؟ آپ نے جواب دیا: اُن پر جہاد کسی طرح واجب نہیں ہے۔ ایک تو اُن کی رعیت ہیں، دوسرے ہمارے مذہبی ارکان کے ادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست درازی نہیں کرتے۔ ہمیں اُن کی حکومت میں ہر طرح کی آزادی ہے بلکہ اُن پر اگر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آپنج نہ آنے دیں۔

ملا کو جو مسجد میں ہے سجدے کی اجازت

ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

مسلمانان ہند کی اُمیدوں کا آخری مرکز یعنی سلطان فتح علی ٹیپو شہید ہو گیا۔ یہ آخری تلوار بھی ٹوٹ گئی۔ یہ کارنامہ مظالم کمپنی نے میر صادق علی اور پورنیاں وغیرہ غداروں کی مدد سے انجام دیا تھا۔ اُس کے بعد وسط ہند میں سب سے مضبوط نواب امیر خاں والی ٹونک تھا۔ اُس پھرے ہوئے شیر پر انگریزوں نے کون سے غدار کے ذریعے قابو پایا، مرزا حیرت دہلوی سے منیہ:

"۱۲۳۱ھ تک سید احمد صاحب، امیر خاں کی ملازمت میں رہے، مگر ایک ناموری کا کام آپ نے یہ کیا کہ انگریزوں اور امیر خاں کی صلح کرادی اور آپ ہی کے ذریعے جو شہر بعد ازاں دیے گئے اور جن پر آج تک امیر خاں کی اولاد حکمرانی کرتی ہے، دینے سے پائے تھے۔ لارڈ ہیسٹنگ، سید احمد صاحب کی بے نظیر کارگزاری سے بہت خوش تھا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا اور اُس میں تین آدمیوں کا باہم معاہدہ ہوا، امیر خاں، لارڈ ہیسٹنگ اور سید احمد صاحب۔ سید احمد صاحب نے امیر خاں کو بڑی مشکل سے شیشہ میں اتارا۔"

قیام پاکستان کے بعد وہابی علماء اور مورخین نے اپنے ان انگریز پرست اکابر کو برٹش گورنمنٹ کا دشمن بتانا اور ان کے نام نہاد جہاد کا رخ انگریز کی جانب پھیرنا شروع کر دیا ہے تاکہ یہ حضرات جعفر بنگال اور صادق دکن کی صف سے نکل جائیں اور ٹیپو سلطان، نواب سراج الدولہ اور

نواب امیر خاں کی صفت میں نظر آنے لگیں۔ مولوی محمد اسماعیل پانی پتی نے ایسے لوگوں کو جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

”سر سید نے اس مضمون میں یہ بات بار بار لکھی ہے کہ حضرت سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید، انگریزی حکومت کے ہرگز ہرگز مخالف نہ تھے اور نہ ہی انہوں نے کبھی ان کے خلاف جہاد کا اعلان کیا بلکہ سر سید کے اس بیان کی تائید بعد کے متعدد مورخوں نے بھی کی ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن نے ترجمانِ دہلیہ مطبوعہ امرتسر کے صفحہ ۲۱، ۲۲ پر، نیز سوانح احمدی مولفہ محمد جعفر تھانویسری میں بیس مقالات پر، اس طرح حضرت شاہ اسماعیل کے سوانح موسوم حیاتِ طیبہ کے صفحہ ۱۸۹، ۱۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲ پر اس خیال کو پیش کیا گیا ہے مگر حال میں بعض اصحاب نے ان حقائق کے برخلاف یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ حضرت سید احمد رائے بریلوی اور حضرت شاہ اسماعیل کا اصل مقصد انگریزوں کے خلاف جہاد تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسے حضرات کا یہ بیان واقعات کے مطابق نہیں اور نہ اس دعوے کا کوئی واضح ثبوت موجود ہے“

وہا بیت کا شگ بنیاد رکھنے اور انگریز بہادر کی حمایت پر تن من دھن سے کمر بستہ رہنا تو بیان ہوا۔ اب تحریک جہاد کے سلسلے میں سید احمد صاحب کا سراسر جوٹا اور شیطانی الہام بھی ملاحظہ ہو۔ تحائفی صاحب لکھتے ہیں:

”اکثر مولفوں کی تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ وعدہ فتح پنجاب کے الہام کا آپ کو ایسا وثوق تھا کہ آپ اس کو سراسر صادق اور بونے والی بات سمجھ کر بار بار فرمایا کرتے تھے اور اکثر مکتوبات میں لکھا کرتے تھے کہ اس الہام میں وسوسہ شیطانی اور شائبہ نفسانی کو ذرا بھی دخل نہیں ہے۔ ملک پنجاب ضرور میرے ہاتھ پر فتح ہوگا اور اس فتح سے پہلے مجھ کو موت نہ آئے گی“

۱۷ مقالات سر سید، حصہ نہم، مطبوعہ لاہور، ص ۲۰۰ ۱۸ حیات سید احمد شہید، ص ۲۹۱



مولوی محمد جعفر تھا نیسری نے یہ انکشاف بھی کیا ہے :

”سید محمد یعقوب آپ کے بھائی کے سے روایت ہے کہ بروقت روانگی خراسان آپ (سید احمد صاحب) اپنی ہمیشہ یعنی والدہ سید محمد یعقوب سے رخصت ہونے لگے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ اے میری بہن! میں نے تم کو خدا کے سپرد کیا اور یہ بات یاد رکھنا کہ جب تک ہندو کا شرک اور ایران کا رخص اور چین کا کفر اور افغانستان کا نفاق میرے ہاتھ سے محو ہو کر ہر مردہ سنت زندہ نہ ہو جائیگی اللہ رب العزت مجھ کو نہیں اٹھانے گا۔ اگر قبل از ظہور ان واقعات کے کوئی شخص میری موت کی خبر تم کو دے اور تصدیق پر حلف بھی کرے کہ سید احمد میرے روبرو مر گیا یا مارا گیا تو تم اس کے قول پر ہرگز اعتبار نہ کرنا کیونکہ میرے رب نے مجھ سے وعدہ واثق کیا ہے کہ ان چیزوں کو میرے ہاتھ پر پورا کر کے مارے گا۔ آپ کے سفر جہاد سے پہلے، غالباً سفر حج میں، آپ کو یہ الہام ربانی ہوا تھا کہ ملک پنجاب آپ کے ہاتھوں پر فتح ہو کر پشاور سے دریائے ستلج تک مثل ملک ہندوستان کے رشک افزائے چمن ہو جائے گا۔ چنانچہ ان متواتر وعدوں نے فتح سے آپ کا ہر ایک مرید واقف تھا۔“

بار محمد خاں حاکم یاغستان کے نام مکتوب میں سید احمد صاحب نے یہ بھی تحریر کیا تھا:

”یہ فقیر اس خصوص میں غیبی اشارہ کی بنا پر مامور ہے اور اس مبشر کی اس بشارت میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ ہرگز ہرگز کسی شیطانی دوسہ اور

نفسانی خواہش کا شائبہ اس الہام رحمانی میں شامل نہیں ہے۔“

شہزادہ کامران کے نام خط لکھتے ہوئے بھی سید احمد صاحب نے اس الہام اور وعدہ فتح کا ذکر یوں کیا تھا:

”اس عاجز کو جہاد کے اجراء اور کفر و فساد کے ازالے کے لیے غیب سے مامور

۱۶ جات سید احمد شہید: ص ۱۶۱، ۱۶۲ سے مکتوبات سید احمد شہید، مطبوعہ کراچی: ص ۴۱

کیا گیا ہے اور فتح و نصرت کی بشارتیں پہنچانے والا قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ مکرر،  
سہ کثر الہام ربانی اور روحانی مکالمہ کے ذریعے اپنے لطف و کرم سے مجھ کو اس کی  
اطلاع دی گئی ہے۔ ہرگز ہرگز کوئی شیطانی وسوسہ یا خواہشات نفسانی اس میں  
شامل نہیں ہے! لہ

شاہ بخارا کے نام لکھے ہوئے مکتوب میں بھی سید احمد صاحب نے وعدہ نصرت، مشرودہ فتح اور روحانی  
مکالمے والہام کابیوں ذکر کیا،

”قیام جہاد کے معاملے اور کفر و فساد کے رفع و دفع کرنے کے لیے الہام اور روحانی  
مکالمہ کے ذریعے غیبی امامت سے اس فقیر کو مشرف فرمایا اور ہم کو فتح و نصرت  
کے متعلق ایسی بشارتوں کا مخبر اور اس پروردگار عالم کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے  
اور سید المرسلین کی سنت کے اچھا اور سرکش کافروں کی بیخ کنی اور بنیاد کو اکھاڑ  
پھینکنے کے لیے مامور فرمایا ہے اور اپنے سچے وعدوں کے بموجب مظفر و منصور  
کے لقب سے ملقب فرمایا ہے! لہ

اس شیطانی اور سراسر جھوٹے الہام کا سید احمد صاحب نے مرزا غلام احمد قادیانی کا استاد بن  
نوب نشر و اشاعت کی خوب فتح کے وعدے خدا کی جانب سے بتا کر عوام و خواص کو دھوکا دیا۔  
کیا ہے کوئی سید احمد صاحب اور مولوی محمد اسمعیل صاحب کا حمایتی جو اس فریب کاری کو درست  
منوانے کی ہمت کر کے مرد میدان بنے ورنہ اپنے ان آسرابا باقن دون اللہ کے پسندے  
سے نجات حاصل کر کے حق و صداقت قبول کرے۔ ان حضرات کا چوتھا کارنامہ یہ ہے کہ سرحد کے  
مسلمانوں کو انگریز کی ہدایت کے بموجب زیر کرنا تھا۔ جب بعض حضرات پر ان کی فریب کاری  
کا پردہ کھلا، ان کے دشمن دین و ایمان ہونے کا راز بلا تودہ حمایت سے ہٹنے لگے۔ وریں حالات  
اسمعیل تہ تیغ کرنے کی خاطر کفر و از نداد و نفاق کے فتوے جڑے گئے۔ خاندان سید احمد کے  
چشمہ و چراغ مولوی ابوالحسن ندوی نے ایسے لوگوں کے بارے میں مولوی اسمعیل دہلوی کا ایک فتویٰ

لہ مکتوبات سید احمد شہید، مطبوعہ کراچی، ص ۵۶ لہ ایضاً: ص ۸۸

یوں نقل کیا ہے :

”پس آپ کی اطاعت تمام مسلمانوں پر واجب ہوئی۔ جو آپ (سید احمد) کی امامت سرے سے تسلیم ہی نہ کرے یا تسلیم کرنے سے انکار کر دے وہ باغی مستل الدم ہے اور اُس کا قتل کفار کے قتل کی طرح عین جہاد اور اُس کی بے عزتی تمام اہل فساد کی طرح خدا کی عین مرضی ہے، اس لیے کہ ایسے لوگ بحکمِ اسادت متواترہ، کلاب النار اور ملعونین اشرار ہیں۔ اس مسئلے میں اس ضعیف (مولوی محمد اعلیٰ دہلوی) کا یہی مذہب ہے اور معتزضین کے اعتراضات کا جواب تلوار ہے نہ کہ تحریر و تقریر۔“

اس ظالمانہ فتوے اور خلافِ دین و دیانت طرزِ عمل پر کسی تبصرے کی حاجت ہی کیا ہے۔ سید احمد صاحب جیسے دشمنِ ملتِ اسلامیہ کی اطاعت کو واجب قرار دینا بانی و ہابیت و مبلغِ خارجیت ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ ایسے لوگ مسلمانوں سے یہ سلوک نہ کرتے تو ان سے اور یکے سلوک کی توقع وابستہ کی جا سکتی تھی؛ دہلوی صاحب مذکور نے یہ بھی وضاحت کی ہے :

”یہاں دو معاملے درپیش ہیں۔ ایک تو مفسدوں اور مخالفوں کے ارتداد کا ثابت کرنا اور قتل و خون کے جواز کی صورت نکالنا اور ان کے اموال کو جائز قرار دینا۔ اس بات سے قطع نظر کہ وہ اُن کے ارتداد پر یا اُن کی بغاوت پر مبنی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کا آیا کوئی سبب ہے یا کچھ اور ہے جبکہ بعض اشخاص کے مقابلہ میں اُن کا مرتد ہونا ثابت ہو چکا ہے اور بعض کے متعلق بغاوت یا اس کا کوئی سبب۔ اگرچہ کہ پہلا طریقہ ہمارے پاس وہی یعنی تحقیق اور تفتیش کرنا ہے کیونکہ ہم ان فتنہ پردازوں کو فی الحقیقت مرتدوں بلکہ اصل کافروں میں شمار کرتے ہیں۔“

اگر مسلمانانِ اہلسنت و جماعت فتنہ پرداز نہ سہی کم از کم فتنہ پردازوں سے بدلہ لینا ہی پسند کرتے تو اسی وقت وہابیوں کو کچا چبا گئے ہوتے جب یہ سرحد میں کفر و ارتداد کے فتوے لگا کر مسلمانوں کے

لے سیرت سید احمد شہید، جلد اول، ص ۲۸۵ لے مکتوبات سید احمد شہید، ص ۲۴۱

خون سے ہولی کھیل رہے تھے۔ اُس وقت سیکڑوں مسلمانوں کے حصے میں مشکل سے ایک دہائی آتا۔ تلوار کا سارا گھنٹہ خاک میں ملا دیا جاتا لیکن مسلمانوں میں بڑباری رہی ہے اور رہے گی حالانکہ دہائی حضرات اپنے روزِ اول ہی سے ملتِ اسلامیہ کے لیے مارا ستین ثابت ہوتے رہے ہیں چنانچہ خادمی خاں کو قتل کرنے کے بعد اُس کے مال کو غنیمت کا مال شمار کر کے وہابیوں میں تقسیم کر کے مسلمانوں کو واقعی کافر سمجھنے کا ثبوت پیش کر دیا تھا۔ وہابی صاحب کا بیان ہے:

”موصوف (سید احمد) نے اُس (خادمی خاں) کو کیفر کر دیا تک پہنچایا اور اُس کا

مال تقسیم کر دیا بلکہ اُس کے ہتھیاروں کو گھوڑوں کو بھی ضرورت کے وقت استعمال

فرمایا اور اُس کے دوسرے مال کو ضبط کر کے مجاہدین پر تقسیم فرما دیا۔“ ۱۷

یاد محمد خاں حاکمِ پاکستان اور اسکے ساتھیوں کے مال و جان کے متعلق بھی موصوف نے یوں ظالمانہ فتویٰ صادر کیا تھا:

”یاد محمد خاں بلا شک و شبہ اس معاملہ میں ظلم و تعدی کا رہبر تھا۔ ایسے رہبر کا

قتل اور اُس کا مال ضبط کرنا بلکہ اُس ظالم رہبر کی فوج کا قتلِ عام اور اُس کی

فوج کے تمام مال پر ہر قسم کا تصرف کرنا یعنی اُس کی فروخت اور تقسیم حسبِ شرع

جائز ہے۔“ ۱۸

اس اینگلو انڈین فوج کے امیر جناب سید احمد صاحب نے امیر قلات خان خاں خلیجائی کو خط لکھا، جس میں مسلمانوں کا قتلِ عام کرنے اور انھیں بزورِ شمشیر مطیع کرنے کی یوں ترغیب دی تھی:

”اپنی فوج اور قبیلہ کو جمع کر کے جناب والا خود غزنی کے نواح میں چھاپے مارنا شروع

کر دیں اور اپنے ساتھیوں میں سے بعض کو قبائل اور فوج کی کثیر تعداد کے ساتھ

کابل کے اطراف میں مقرر فرمائیں تاکہ یہ بھی منافقین پر شجون مار کر اس مقام کو

تاخت و تاراج کر دیں اور میں بھی ادھر سے پشاور کے منافقوں کی طرف متوجہ

۱۷ مکتوبات سید احمد شہید: ص ۲۴۴ ۱۸ ایضاً: ص ۲۴۵

ہوتا ہوں۔ جب منافقین بدکار کی موجودگی سے وہ مقام پاک ہو جائے تو میں جلال آباد  
 پہنچ جاؤں گا اور اس طرح پھر وہاں سے کابل جاؤں گا۔ اس طرح مرد و منافقین  
 جو پشاور سے قندھار تک پھیلے ہوئے ہیں ان کے پاؤں ایسے اکھڑ جائیں گے اور  
 ہر شخص جو اپنے حال میں خود گرفتار ہے، بے دست و پا ہو کر آپس میں ایک دوسرے  
 کی مدد نہیں کر سکے گا اور ان کا باہم اتحاد اور اجتماع دشوار ہو جائے گا۔<sup>۱</sup>  
 اس عبارت کو بار بار پڑھیے اور انصاف کی رُو سے بتائیے کہ پورے علاقے کے مسلمانوں کو بزورِ  
 شمشیر کرنے والے، ان کے خون سے ہاتھ رنگنے والے مسلمانوں کے خیر خواہ تھے یا بد خواہ ؟  
 مسلمان ان کا ساتھ دیتے یا ملتِ اسلامیہ کے ان دشمنوں کی گردنیں مروڑ کر رکھ دیتے ؟ کیا اب  
 بھی یہی کہا جائے گا کہ یہ تو صرف پنجاب کے سکھوں سے جہاد کرنے گئے تھے ؟ جب سارے  
 مسلمان ہی ان حضرات کے نزدیک منافع تھے تو وہ ان کا ساتھ دیتے یا میدان میں فیصلہ کرتے ؟  
 سید احمد صاحب نے یار محمد خاں کے معتمد و متوسل یعنی احمد خاں بن لشکر خاں کو مسلمانوں کا  
 ساتھ چھوڑنے اور اپنے ساتھ ملانے کی یوں تحریریں دی تھی :

”اللہ نے چاہا تو اس بادشاہ جبار اور مالکِ قہار کے دہرہ و قوت سے ان تمام  
 بدکردار منافقوں کی شان و شوکت آسانی سے تھوڑے ہی عرصہ میں خاک میں  
 مل جائے گی۔ انشاء اللہ آپ اس قادرِ مطلق کی قدرت کا تماشہ ملاحظہ فرمائیں اور  
 منافقوں کے ساتھ رواداری کو پروردگارِ عالم کی خاطر اور رضا جوئی پر تشریح  
 کریں۔“<sup>۲</sup>

مسلمانوں کو ان خوارج کے بقیۃ السلف نے کس نظر سے دیکھا اس کی ایک جھک تقاریر میں کرام کے  
 سامنے پیش کر دی۔ اب پانچویں مرحلے میں ان حضرات کی عیاشی اور حرام کاری کے نمونے ملاحظہ  
 ہوں۔ مثلاً مرزا حیرت دہلوی نے لکھا ہے :

”سید صاحب نے صد ہا غازیوں کو مختلف عہدوں پر مقرر فرمایا تھا جو شرعِ محمدی

<sup>۱</sup> لکھنؤ کی کتابت سید احمد شہید : ص ۴۸، ۴۹۔ لکھنؤ : ص ۱۴۱

کے موافق عمل درآمد کریں، مگر ان کی بے اعتدالیاں حد سے بڑھ گئی تھیں۔ وہ بعض اوقات نوجوان خواتین کو مجبور کرتے تھے کہ ان سے نکاح کر لیں اور بعض اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ عام طور پر دو تین دو شیزہ لڑکیاں جا رہی ہیں، مجاہدین میں سے کسی نے انہیں پکڑا اور مسجد میں لے جا کر نکاح پڑھالیا، لے

یہ نکاح تھے یا زری حرام کاری۔ اب بیوگان کے متعلق اسمعیلی شریعت اور اس کی تعمیل کے مناظر ملاحظہ ہوں:

”یہ محض ناممکن تھا کہ نوجوان عورت رانڈ ہو کے عدت کی مدت گزر جانے پر بے خاوند بیٹھی رہے۔ اس کا جبراً نکاح کیا جاتا تھا، خواہ اس کی مرضی ہو یا نہ ہو۔“

جب سرحد کے مسلمان ان مفسدوں کے نزدیک منافق واجب القتل تھے تو واجب القتل عورتوں اور لڑکیوں کو زندہ کیوں رہنے دیتے تھے، کیوں انہیں جبراً اپنے گھروں میں ڈال رہے تھے؟ مسلمانوں کے تنگ و ناموس پر اس طرح ہاتھ ڈالنے والوں کو مجاہدین ہی کہنا چاہیے یا مفسدین؟

اس اسمعیلی فوج کا عام طرز عمل یہ تھا:

”ایک نوجوان خاتون نہیں چاہتی کہ میرا نکاح ثمانی ہو مگر مجاہد صاحب زور دے رہے ہیں، نہیں ہونا چاہیے۔ آخر ماں باپ اپنی لڑکی کو حوالہ مجاہد کرتے تھے اور ان کو کچھ چارہ نہ تھا۔“

تمام دیوبندیوں، الجھیشوں اور تبعات اسلامی کے علما سے سوال ہے کہ بغیر عورت اور اس کے ولی کی اجازت کے مسلمانان سرحد کی جتنی لڑکیوں اور عورتوں کو ان مفسدین نے جبراً گھروں میں ڈال لیا تھا، ظاہری نکاح کا تکلف تو محض ایک پردہ تھا، آپ کے پاس ایسے نکاحوں کی صحت کے دلائل ہوں تو ضرور ان سے مطلع فرمائیں، بصورت دیگر ان فرضی نکاحوں کے ذریعے پیدا ہونیوالی اولاد یعنی کتنے ہی موجودہ وہابیوں کے وہ آباؤ اجداد حلالی تھے یا حرامی؟ مسلمانان سرحد کے مال و جان کے متعلق رئیس المفسدین مولوی اسمعیل دہلوی کا فتویٰ ضرور مد نظر رہے۔ خود سید احمد صاحب

لے حیات طیبہ، مطبوعہ لاہور، ص ۲۴۲ لے ایضاً: ص ۲۴۲ لے ایضاً: ص ۲۴۲

کی جانب بھی یہ اعلان منسوب ہے :

”آپ نے ایک فرمان جاری کیا کہ جتنی کنواری لڑکیاں ہیں وہ سب ہمارے لیفٹننٹ کی خدمت میں مجاہدین کے لیے حائز کی جائیں، اگر ان کی شادی بارہ دن میں نہ کر دی گئی تو قوم کی قوم اس اعلان سے بھڑک اٹھی۔“ لے

کیوں وہابیو! اگر مسلمانوں کی کوئی حکومت وہابیوں کے نام ایسا فرمان جاری کرتی کہ اپنی تمام کنواری لڑکیاں ہماری فوج کیلئے پیش کرو، تو آپ صاحبان اس حکومت کی قصیدہ خوانی کرتے؛ خدا کے بندو! ایسی حماقت تو آج تک دنیا کی کسی بدکار سے بدکار قوم نے نہیں کی۔ اس کے باوجود ان مفسدوں اور بیباکوں کو سراہنا کمال ستم ظریفی ہے۔ شریعت کی آڑ میں یہ جہلاء کس طرح دین کو کھلونا بنائے ہوئے تھے، یہ ان اینگلو اٹھین حضرات کی سپریم کورٹ کے اس فتوے سے اندازہ کیجئے :

”بد قسمتی سے ایک نیا گل کھلا، گل کیا کھلا گویا غازیوں یا مجاہدوں کی زندگی کے شیرازے کو اس نے پر اگڑہ کر دیا۔ باہم یہاں کے کل عمال نے جن کی تعداد ہزار سے بھی بڑھی ہوئی تھی، ایک فتویٰ مرتب کیا اور اسے پوشیدہ مولوی اسماعیل کی خدمت میں بھیج دیا۔ فتویٰ کا مضمون یہ تھا کہ بیوہ کا نکاح ثانی فرض ہے یا نہیں؛ مولانا شہید کیا واقف تھے کہ ملک پشاور میں آگ پھیل رہی ہے اور اس وقت میں اس فتویٰ کی اشاعت سخت غضبناک ہوگی۔ آپ نے سادہ طور پر اس پر اپنی مہر کر دی اور سید صاحب کی بھی اس پر مہر ہو گئی اور پھر وہ فتویٰ قاضی شہر پشاور، سید مظہر علی صاحب غازی کو بھیج دیا گیا۔ انہوں نے اس فتویٰ کی اشاعت ہی پر فتاعت نہ کی بلکہ یہ اعلان دے دیا کہ تین دن کے عرصہ میں ملک پشاور میں جتنی رانڈیں ہیں سب کے نکاح ہو جانے ضرور ہیں ورنہ اگر کسی گھر میں بے نکاح رانڈ رہ گئی تو اس گھر کو آگ لگا دی جائے گی۔“ لے





شکایتوں کی عرضیاں گزر رہی تھیں مگر وہاں کچھ بھی پُرسش نہ ہوتی تھی۔ لہٰذا  
قارئینِ کرام! گزشتہ سطور میں ہم نے ان نام نہاد مجاہدین کے چند مختلف پہلوؤں پر روشنی  
ڈالی ہے۔ جو کچھ کہا ہے ان حضرات کی مسئلہ کتبِ تواریخ سے کہا ہے۔ عجارتوں کو سیاق و سباق  
سے علیحدہ کرنے یا اپنی جانب سے مفہوم و مطالب کا رنگ بھرنے کی ہرگز کوئی کوشش نہیں کی۔  
ان تمام امور کو غیر جانب دار ہو کر ذہن میں رکھیے اور انصاف کا دامن مضبوطی سے تھام کر  
اس اہلے گروہِ مجاہدین کے بارے میں موروثی صاحب کی تحقیق کا نچوڑ ملاحظہ فرمائیے، جو  
انہوں نے ان لفظوں میں پیش کیا ہے:

اُن (سید صاحب اینڈ کمپنی) کو ایک چھوٹے سے علاقہ میں حکومت کرنے کا  
جو تھوڑا سا موقع ملا، انہوں نے ٹھیک اُسی طرح کی حکومت قائم کی جس کو  
خلافتِ علیٰ منہاج النبوتہ کہا گیا ہے۔ وہی فقیرانہ امارت، وہی مساوات، وہی  
شوری، وہی عدل، وہی انصاف، وہی حدودِ شرعیہ، وہی مالِ کو حق کے  
ساتھ لینا اور حق کے مطابق صرف کرنا، وہی مظلوم کی حمایت اگرچہ کمزور ہو اور  
ظالم کی مخالفت اگرچہ قوی ہو، وہی خدا سے ڈر کر حکومت کرنا اور اخلاقِ صالحہ  
کی بنیاد پر سیاست چلانا۔ غرض ہر پہلو میں انہوں نے اُس حکمرانی کا نمونہ ایک  
مرتبہ پھر تازہ کر دیا جو صدیق و فاروق نے کی تھی۔ لہٰذا

وہ حضرات اپنے قول و عمل سے خود اپنی تاریخ کی روشنی میں جو کچھ ثابت ہوتے ہیں موروثی صاحب  
کی تصریح اُس کے سو فیصد خلافت ہے۔ اُس چنگیز خانی کو صدیق و فاروق کی حکمرانی کا نمونہ اور  
خلافتِ علیٰ منہاج النبوتہ بتانا اُس شخص کا کام تو ہو سکتا ہے جو خوفِ خدا اور خطرہٴ روزِ جزا سے  
بالکل عاری ہو ورنہ ایک صحیح مسلمان اور صاحبِ عقل و دانش انسان اتنی جسارت ہرگز نہیں  
کر سکتا کہ حقائق کا دن دھاڑے سر بازار منہ چڑھانے لگے۔ اگر موروثی صاحب کے پاس  
اپنی خالص گپوں کی صداقت کے دلائل و شواہد موجود ہوں تو مرنے سے پہلے انہیں وہ ضرور پیش

کر دینے چاہئیں، تاکہ ایک جانب اُن کے اَرَبًا بَاقِن دُونَ اللّٰهِ کی پوزیشن صاف ہو جائے اور دوسری جانب قارئین بھی یہ یقین کرنے پر مجبور ہو جائیں کہ واقعی مودودی صاحب جو کچھ کہتے اور لکھتے ہیں وہ ایجادِ بندہ نہیں بلکہ تحقیق کے ذریعے بے لاگ تجزیہ کر کے کہتے ہیں:۔

دیکھیے اس بحر کی تر سے اُچھلنا ہے کیا

گنبد نیلوفر می رنگ بدلتا ہے کیا

راقم الحروف نے علالت کے باوجود یہ چند صفحات خطیبِ مشرق علامہ مشاق احمد نظامی مدظلہ العالی کی تصنیف جماعتِ اسلامی کاشیش محل کے لیے بطور دیباچہ لکھتے ہیں، دوسری جانب انہیں ہماری تحقیقی تالیف تحفہ مودودیت کا خاکہ سمجھنا چاہیے۔ مودودیت کے اور بھی کئی گوشوں پر روشنی ڈالنے کا ارادہ تھا لیکن اس طرح دیباچہ ہی کتاب کی صورت اختیار کر جاتا، لہذا اُنہیں نظر انداز کر دیا اور تحفہ مودودیت میں جملہ امور کو تحقیقی طور پر پیش کرنے کا وعدہ کیا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

زیر نظر کتاب میں راقم الحروف نے یہ جدت پیدا کر دی ہے کہ جملہ حوالوں کو حواشی میں نیچے لکھوایا ہے اور اس طرح کرنے سے کتاب میں بعض جگہ چند تعارفی الفاظ کا اپنی جانب سے اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ ہمیں مصنف مدظلہ کی اجازت سے کرنا چاہیے تھا لیکن بعض مخصوص حالات کے باعث ہم موصوف سے اجازت حاصل نہ کر سکے، جس کے لیے معذرت خواہ ہیں انشاء اللہ تعالیٰ یہ کتاب حضرت علامہ موصوف کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔ اگر اُنہیں کسی لفظ یا عبارت پر اعتراض ہو تو اگلے ایڈیشن میں اُسے تبدیل کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی کوششوں کو مقبول و منظور فرمائے۔ آمین

مولانا محمد انوار الاسلام قادری رضوی مدظلہ کی عمر و اقبال میں اللہ تعالیٰ برکت کرامت فرمائے کہ ایسی ہوشیار باگرانی کے دور میں بھی کتبِ دینیہ کی اشاعت پر ہم وقت کمر بستہ رہتے ہیں۔ احقر نے گزشتہ سطور میں اگر کوئی مفید بات لکھی ہے تو اُسے میرے ولی نعمتِ مرشد برحق، مفتی اعظم دہلی، شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۸۶ھ) کی نظرِ کرم کا کرشمہ سمجھا جائے۔ جتنی غلطیاں اور کوتاہیاں نظر آئیں اُنہیں راقم الحروف کی کم علمی پر

محمول کر کے اہل علم حضرات اُن سے مکتبہ حامدیہ کی معرفت مطلع فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں انہیں  
 درست کیا جاسکے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ  
 السَّوَابُ الرَّحِيمُ ۝ وَصَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَى حَبِيبِهِ سَيِّدِنَا وَوَالِدِنَا مُحَمَّدٍ وَ  
 عَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ ۝

خاکپائے علماء: محمد عبد الحکیم خاں مجددی مظہری

المعروف بہ اختر شاہ جہا پوری

دار المصنفین - لاہور

۱۹ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ

۱۵ ستمبر ۱۹۷۶ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَىٰ حَبِيبِهِ الَّذِي اصْطَفَىٰ

## پیش لفظ

شیش محل :- واقعات و حقائق کی ایک ایسی دستاویز ہے جو بجا طور پر جماعت اسلامی کے حق میں ایک لمحہ فریب میں نے اس محل کا سارا میٹرل اور بیل بوٹوں کا رنگ دروغن خور انہیں کے مفروضہ حدود مملکت سے حاصل کیا ہے۔ جماعت اسلامی اپنے جس نئے اسٹیٹ کی تاسیس و تعمیر کی داغ بیل ڈالنے کی خاطر ہندو پاک سرزمین پر مواد و میٹرل منتشر کر رہی ہے، انہیں میں سے کچھ کو میں نے اکٹھا کر دیا ہے۔ کتاب کا مطالعہ خود بھی آپ کو یقین و اعتماد کی یہ دولت بخشے گا کہ نہ تو اس میں باہر کی کوئی آمیزش ہے اور نہ ہی ان کی منشاء کے خلاف، سیاق و سباق، سے منہ موڑ کر اپنی طرف سے کوئی جدید اضافہ بجز اس کے قوانین کی سہولت کے پیش نظر ان کی عبارات کا کہیں کہیں سرسری جائزہ ہے۔ اگر اس حد تک تشریح قابل قبول ہو تو فریب اور نہ اسے بھی رد کر دیا جائے گا۔

حکومت سے الہیا :- خلافت علی منہاج النبوة اور اقامت دین کے بلند بانگ نعروں کی ہماہمی میں مودودی صاحب اور جماعت کے بعض دوسرے معتد افراد نے وقتاً فوقتاً کبھی جو کہا اور لکھا میں نے اس کی ترتیب کا حق ادا کیا ہے۔ اسے حسن اتفاق ہی سمجھئے کہ میری کاوشوں کے نتیجے میں کوئی آہنی قلعہ تو نہ بن سکا۔ البتہ جماعت کا ایک انتہائی نظر فریب "شیش محل" ضرور تیار ہو گیا جس میں وہ بیٹھ کر صحابہ خلفاء راشدین، ائمہ محدثین و مجتہدین اہل اللہ اور مجددین پر پتھر اڑا کر رہے ہیں۔ اس مقام پر یہ بات قابل غور

ہے۔ اگر مولانا مودودی کا مغربیت ہی سے ساٹھ گانٹھ ہو چکا ہے اور اب نابین مسیخت کی  
 بی عیاش اور علماء کی مشروع ڈاڑھی انھیں ایک آنکھ نہیں بھاتی، ایسے ہی اہل اللہ اور  
 مشائخ کی زندگی کی سادگی کا وہ بانگین جو انہیں اپنے اسلاف سے بطور وراثت ملا ہے  
 اب ان کی نظریں وہ ایک فرسودہ اور گھٹیا درجہ کی وضع قطع اور معمولی درجہ کا رہن سہن ہے  
 جسے اب ان کی جماعت بطور مسخر آثارِ قدیمہ سے تعبیر کرتی ہے یا اکابر اہل اللہ نے زکیہ نفس  
 کے لئے کثرتِ نوافل اور تسبیح و تہلیل کے ساتھ نفس کشی کی خاطر چلہ اور مراقبہ جیسی ریاضتیں متعین  
 کی ہیں اب وہ مودودی صاحب کی نظریں قابلِ استہزا اور ہنسی ٹھٹھا کی مترادف ہیں۔  
 پھر آخرش وہ کون سا دباؤ ہے جو انہیں اسلامی لبادہ پہننے پر مجبور کئے ہوئے ہے۔ بات بہت  
 ہی واضح اور صاف ہے کہ مودودی صاحب کو تفسیر کے پرانے ذخیروں سے کوئی واسطہ  
 نہیں۔ قرآن کی تفسیر برائے تجارت ہونی چاہئے۔ مگر وہ بھی من مانی، جسے تفسیر بالرائے کہا جائے  
 جو جمہور اسلام کی نظریں قطعاً حرام ہے مگر انھیں جمہور اسلام کی فکر و پروا ہی کیا۔ چونکہ اسلام کا مزاج  
 اور اسلام کی اسپرٹ جس حد تک مودودی صاحب نے سمجھا نہ اب سے پہلے کسی  
 نے سمجھا اور نہ آئندہ کی توقع جیسا کہ ان کے لٹریچر سے مترشح ہے، اپنے متعلق خوش فہمی  
 کی انتہا یہ ہے کہ جو حدیث ان کی مرضی یا منصوبہ بندی کے خلاف ہوئی۔ اس پر کسی سیر حاصل  
 گفتگو کرنے کے بجائے بس یہ کہہ دینا کافی سمجھا "لیکن مجھے یہ توقع نہیں کہ حضور نے ایسی بات  
 فرمائی ہوگی"؛ گویا مزاج کو حدیث کے سانچے میں نہ ڈھالا جائے۔ بلکہ وہی حدیث قابلِ استدلال  
 و اتسناد سمجھی جائے جو خود مودودی صاحب کے مزاج کے سانچے میں ڈھلائی ہو۔ انتہائی  
 افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حدیث سے متعلق یہ کتنا خطرناک انداز بیان ہے۔ اگر احادیث سے  
 بے اعتنائی کی یہ روش عام کر دی جائے اور جن علماء کا مزاج مودودی صاحب کی ذہنی و  
 فکری آزادی سے ہم آہنگ نہ ہو سکا۔ ان کی طرف سے یونہی ڈھیل دے دی جائے تو  
 خدا کی خدائی میں مولانا مودودی جیسے لاکھوں اہل علم و اہل قلم بستے ہیں۔ اگر ان میں سے ہر  
 ایک علیحدہ علیحدہ محض ایک ایک حدیث کے بارے میں اس نوع کی جرح و تنقید کر کے

لے رسائل و مسائل حصہ اول صفحہ ۶۳ بعنوان "مسئلہ مہدی"

گزر جائے خواہ سند و روایت کے لحاظ سے حدیث کتنی ہی با وزن ہو" لیکن مجھے یہ توقع نہیں کہ حضور نے ایسی بات فرمائی ہوگی، تو حدیث کا پورا سرمایہ شک اور اذیاب کی نذر ہو کے رہ جائے گا۔ جسے جماعت محدثین نے اپنی پلکوں سے چن چن کر اکٹھا کیا۔ و احسرتا! یہ علم و دانش کو منہ چڑھانا نہیں تو اور کیا ہے۔ خدائے قدیر ان اسلاف کی قبروں کو اپنی رحمتوں کا خزانہ بنائے۔ جنہوں نے اپنی پوری زندگی حدیث مبارک کے تحبس و تلاش میں گزاری اور نہ صرف اخذ حدیث ہی تک یہ جدوجہد جاری رہی بلکہ راویان حدیث سے متعلق اس حد تک ضروری معلومات فراہم کی گئیں کہ ان کی سنہ پیدائش، سنہ وفات، ایک کی دوسرے سے ملاقات، قوت حافظہ، سلسلہ نسب و اساتذہ، شرف تلمذ اور بعض دوسرے حالات زندگی جن کا روایات حدیث سے گہرا تعلق ہے۔ ان سب کو قلمبند کیا۔ حتیٰ کہ آج تہذیب التہذیب کی متعدد ضخیم جلدوں میں ہزار ہا ہزار راویان حدیث کے ضروری حالات قلمبند ہیں۔ جو یقیناً علمائے سلف کا ایک ایسا زریں کار نامہ ہے۔ جس کی مثال دنیا کی کوئی قوم نہیں پیش کر سکتی۔

آخرش یہ کیا قیامت ہے؟ احادیث کو فکری تلعب اور ذہنی عیاشی کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کی خاطر اسلاف نے اپنا خون جگر بہا دیا لیکن آج بے لگام شرابی کی طرح ایک بہکے ہوا قلم ہے۔ جو کبھی قرآن کی تفسیر اور مفسرین کو اپنی جودت طبع اور فن خطابت کا اکھاڑ بنا تا ہے اور کبھی فن حدیث اور محدثین کو اپنی جولانگاہ قرار دے کر ان میں کیرے لگانا ہے۔ جس کی فکری آزادی اس حد تک متجاوز ہو چکی ہے۔ جو معاذ اللہ کبھی حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مرتضیٰ پر چوٹ کستا ہے اور کبھی حضرت فاروق اعظم، حضرت صدیق اکبر کے نقائص اور کمزوریوں کو دہ گان خویش، دانشگان کر کے اپنی مجددیت کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے اور جب وہ فقہ اور ائمہ مجتہدین کی طرف رخ کرنا ہے تو کبھی عالمگیری اور ہدایہ و بدائع کا مذاق اڑاتا ہے اور کبھی سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ و دیگر ائمہ مجتہدین کے طریقہ استنباط

واستخراج کا تمسخر کرتا ہے۔ جس طرح ایک بہکا ہوا ایسا ب صفت مست شرابی جسے نہ تو کسی چور بے پر قرار ہے اور نہ خاموشی سے آشنائی، اسے اپنی دھن میں چلنا ہے۔ اور کچھ نہ کچھ بڑبڑانا ہے۔ خواہ نشہ اترنے کے بعد اسے معذرت کرنی پڑے یا اس کی غلط سلط تاویل۔ بس ایسے ہی مودودی صاحب اپنی افتاد طبع سے مجبور ہیں۔ انہیں صفحات بہر حال سیاہ کرنے ہیں، خواہ مجدد الفت ثانی اور شاہ ولی اللہ کی عزت و حرمت سے کھینا پڑے۔ یا عارفان باللہ و بزرگان دین کے طریق ریاضت کو ایفون کی گولی اور چنیا بیگم کی نئی اصطلاح کی اختراع سے چند دکانے کے ہمنشینوں کی دل بستگی کرنی پڑے۔ بہر حال انہیں نئے طرز فکر پر ایک نئے سانچے ڈھانچے کا نیا اسلام پیش کرنا ہے اور یہ اس وقت تک ناممکن ہے تا وقتیکہ پرانے اسلام کی بھری محفل میں گپڑی نہ اچھال دی جائے اس لئے تفسیر قرآن و مفسرین، احادیث و محدثین، صحابہ و خلفاء راشدین، ائمہ مجتہدین و کتب فقہ اہل اللہ و طریق تصوف، ڈاڑھی و عبا، مہدویت و مجددیت سبھی میں کیڑے نکلنے ہیں۔ تاکہ اسلام کی علامت و شناخت سے لیکر اس کی بنیاد تک متزلزل ہو کے رہ جائے۔ پھر اس کے بعد مغربی طرز پر نئے انداز کا ایک نیا اسلام پیش کر دیا جائے جس اسٹیٹ کے لئے ایسے نام و نہاد مسلمان ہوں گے۔ جن کے دسترخوان اسلاف کی سادگی کے بجائے انگریزوں کے چمچے و کانٹے سے مزین ہوں گے اور ان کی نشستگاہ چٹائی اور فرش کے بجائے کرسی اور ٹیبل سے آراستہ ہوگی حکومت الہیہ اور اقامت دین کے نام پر یہ ہوگا۔ جماعت اسلامی کا بنام اسٹیٹ ”چڑیاخانہ“ جہاں مخالفوں کے بجائے سینما ہال کی ہماہمی ہوگی۔ جس کا دیکھنا تو ابھی مودودی شریعت میں مباح ہے اور ہو سکتا ہے قیام اسٹیٹ کے بعد مستحسن یا اس سے بھی زائد کا مرتبہ پا جائے۔ البتہ مودودی اسٹیٹ میں تصوف سے گریزاں نہ رہے گا۔ جتنا کہ ذیابیطس کے مریض کو شکر سے۔

ہاں یہ بات نشہ تکمیل رہ گئی کہ جب مودودی صاحب کسی نئے اسلام ہی کو پیش

کرنا چاہتے ہیں۔ پھر پرانے اسلام کا ببادہ اتار کیوں نہیں بھینکتے؟ بات اپنی طرف سے کہنے کے بجائے جو خود ان کے تجربے کی ہے، اسے پیش کر دینا کچھ زیادہ مناسب ہوگا۔

”منصب ریالت نمبر“ ڈاکٹر عبدالودود اور مودودی صاحب کی ایک خاص مسئلہ میں مرادنت کا ایک مجموعہ ہے جس کے دیباچہ میں مودودی صاحب نے خوارج اور معتزلہ کی ایک مشترک تکنیک کی ایک تاریخی شہادت فراہم کی ہے۔ جسے پڑھ کر یہ یقین ہوتا ہے کہ مودودی صاحب نے خوارج اور معتزلہ کی مردہ تکنیک کو زندہ کر کے ان کے تجربے سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً

الکار سنت کا فقہ اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے دوسری صدی ہجری میں اٹھا تھا اور اس کے اٹھانے والے خوارج اور معتزلہ تھے خوارج کو اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ مسلم معاشرے میں جو انار کی وہ پھیلانا چاہتے تھے۔ اس کی راہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ سنت حائل تھی جس نے اس معاشرے کو ایک ضبط و نظم پر قائم کیا تھا اور اس کی وہیں حضور کے وہ ارشادات حائل تھے جن کی موجودگی میں خوارج کے انتہا پسندانہ نظریات نہ چل سکتے تھے۔ اس بنا پر انھوں نے احادیث کی صحت میں شک اور سنت کے واجب الاتباع ہونے سے انکار کی دو گونہ پالیسی اختیار کی۔ معتزلہ کو اس کی ضرورت اس لئے لاحق ہوئی کہ عجمی اور یونانی فلسفوں سے پہلا سابقہ پیش آتے ہی اسلامی عفت اور اصول و احکام کے بارے میں جو شکوک و شبہات ذہنوں میں پیدا ہونے لگے تھے۔ انھیں پوری طرح سمجھنے سے پہلے وہ کسی نہ کسی طرح انھیں حل کر دینا چاہتے تھے۔ خود ان فلسفوں میں ان کو وہ بصیرت حاصل نہ ہوئی تھی کہ ان کا تنقیدی جائزہ لے کر ان کی صحت و قوت جانچ سکتے۔ انھوں نے یہ اس بات کو جو فلسفے کے نام سے آئی، سراسر عقل کا تقاضا سمجھا اور یہ چاہا

لے ترجمان القرآن جلد ۵۶۔ عدد نمبر ۶ ”منصب رسالت نمبر“ صفحہ ۹ دیباچہ



کہ اسلام کے عقائد اور اصولوں کی ایسی تعبیر کی جائے جس سے وہ ان نام نہاد عقلی تقاضوں کے مطابق ہو جائیں۔ اس راہ میں پھر وہی حدیث و سنت مانع ہوئی۔ اس لئے انھوں نے بھی خوارج کی طرح حدیث کو مشکوک ٹھہرایا اور سنت کو محبت ماننے سے انکار کیا۔ ان دونوں کی غرض اور ان کی تکنیک مشترک تھی۔

بس جس طرح خوارج اور معتزلہ اپنی تحریک کی کامیابی میں جن جن چیزوں کو سداہ سمجھتے گئے یا ان سے کلیتہً بے اعتنائی برتی یا اپنی مصلحت کے تحت اس کے استخفاف پر اتر آئے تاہم عوام و خواص ورنہ کم از کم ان کے متبعین کی نظر میں ان چیزوں کا وزن ہلکا ہو جائے بعینہ وہی انداز فکر و طرز استدلال جماعت اسلامی کا بھی ہے۔ جو مودودی صاحب کا ایک اختراعی نظریہ ہے یا خوارج و معتزلہ سے مستعار ہے، جسے مجموعی طور پر پورے جماعت نے اپنا لیا ہے۔ حتیٰ کہ اسلامیات سے بے بہرہ حدیث، اصول حدیث، فقہ اور اصول فقہ جیسی مہمات دین سے بے خبر و نا آشنا، محض اردو کی چند کتابیں یا اردو ادب تک ان کی معلومات کا سرمایہ، لیکن جماعت اسلامی سے متعلق ہوتے ہی فقہی مسائل کا مذاق علما کی تنگ نظری کا چرچا اور اپنے روشن خیالی و اسلامی فلاسفی کا خطبہ ان کی مشغول زندگی بن جاتا ہے۔ واضح رہے یہ ذہن از خود نہیں بنتا بلکہ مودودی لٹریچر کا یہی پس منظر ہے کہ صحابہ کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھو۔ لیکن اردو کی چند کتابوں کا مطالعہ اور معمولی سوچ بوجھ کے بعد شاہ ولی اللہ، مجدد الف ثانی، امام اعظم البخاری، امام شافعی جیسے عمائد و اکابر پر کھلے بندہ تنقید کرو۔ البتہ اگر تنقید کا دروازہ کہیں بند ہے تو وہ مولانا مودودی کی عرش نشین بارگاہ ہے جس کی بلند ان کی اپنی نظر میں انسانی دست رس کے نشانہ تنقید سے بالاتر ہے۔ چنانچہ یہ ایک عام تجربہ ہے کہ جماعت اسلامی کے وہی افراد جو اسلاف و اکابر پر بے محابہ تنقید کا اپنے کو مجاز و

اے ترجمان القرآن - جلد ۵۶ - عدد نمبر ۴ "منصب رسالت" صفحہ ۹ - دیباچہ

مختار سمجھتے ہیں اور خدا رسیدہ قدسی صفات بزرگوں کی شان میں گھٹیا سے گھٹیا درجہ کی گفتگو میں وہ اردو ادب کا پورا سرمایہ خرچ کر دیتے ہیں لیکن وہ مودودی صاحب پر کسی بھی حق بجانب تنقید کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے، پندار و غرور کا یہی وہ صنم اکبر ہے۔ جس کی پرستش و پوجا میں جماعت کی جماعت سر خمیدہ ہے۔ لیکن اسے اپنی اس پوجا پاٹ کا احساس تک نہیں۔ اگرچہ جماعت اسلامی انھیں کھلے بندالہ و معبود کہنے سے گریز کرتی ہے۔ لیکن آستانہ مودودی پر ان کا نیاز مندانہ طرز عمل جس خطرناک عقیدے کی غمازی اور پردہ درمی کرتا ہے۔ بالکل وہ رہی ہے۔ جو بندے اپنے معبود سے رشتہ قائم کر لینے کے بعد اختیار کرتے ہیں۔ اگر صحیح معنوں میں جماعت اسلامی اپنے اس دعوے میں سچی اور انصاف پسند واقع ہے کہ رسول خدا کے بعد کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھو، پھر اسی اصول کے تحت وہ حق مجھے بھی ملنا چاہئے۔ چونکہ میں جماعت اسلامی کے لیڈر مودودی صاحب رجنہیں خود بھی اپنے لئے مولانا نہیں بلکہ لیڈر کا ہی لفظ پسندیدہ ہے“ حتیٰ کہ مودودی شریعت کے حضرت مہدی بھی نئی صدی کے نئے طرز کے لیڈر ہوں گے“ ملا ٹاٹپ کے آثار قدیمہ نہ ہوں گے اور خدایا نبی نہیں سمجھتا کہ میں انہیں تنقید سے بالاتر سمجھ کر ان پر ایمان لا کے خاموش ہو جاؤں۔ یہ دولت ایمان بس ارکان جماعت اسلامی ہی کو مبارک ہو۔ جو ان کا اپنا نصیب ہے۔ جس میں ان کا کوئی شریک و سہم نہیں۔ ابتدائی مرحلہ میں اس بات کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ جب ارکان جماعت سے مسکت سوالات کئے جاتے ہیں۔ جواب نہ بننے کی صورت میں راہ فرار کا ایک طریقہ یہ بھی اختیار کیا جاتا ہے کہ اسلامیات پر مولانا مودودی کی جس قدر تصنیفات و تالیفات ہیں کسی اور کی بھی ہیں۔

ذہن اور فکر کو مرعوب بنانے کا یہ ایک ایسا حربہ ہے کہ اکثر مقامات پر ان کا یہ داؤ بیچ ان کے کام آجاتا ہے اور اسی بہانے گلو خلاصی کی ایک راہ نکل آتی ہے۔ لیکن

اہل دانش و حقیقت پسند عناصر پر یہ بات مخفی نہیں کہ کسی بھی جماعت کے امیر و قائد پر سوالات کے جواب کی یہ شکل فی الواقع جواب ہے یا اگر بڑا فرار کی ایک بھونڈی اور بھدی شکل!

خطا، معاف! ناظرین پر یہ بات واضح رہے کہ مودودی شریعت کا نیا لٹریچر ان کے نئے مذہب کی روشن دلیل ہے۔ اس سے زیادہ نہ اس کی کوئی حقیقت ہے اور نہ ہی کوئی وزن میں اس حقیقت کا کھلے بند اعلان کرتا ہوں کہ مودودی شریعت کے ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے مضامین سے اہل قرآن کوشہ ملتی ہے غیر مقلدیت پسندی ہے اور اہل حدیث کی بھی بنیادیں مضبوط ہوتی ہیں، کہیں حنفیت مجروح ہوتی ہے اور کہیں شافعییت دم توڑتی ہے۔ غرضیکہ یہ وہ ادنٹ ہے جس کا کوئی کل پیدا نہیں۔ چنانچہ اسی بنیاد پر تقریباً ہر مکتبہ فکر کے علمائے مودودی تحریک کے خطرناک نتائج اور زہر آلود اندازِ خطابت سے اپنے مقبضین کو آگاہ کرنے میں مصلحت کوشی کو حائل نہ ہونے دیکر بر ملا شریعت مودودی کے چہرے سے نقاب الٹ دیا ہے خواہ وہ جماعتیں بجائے خود کتنی ہی گمراہی میں مبتلا ہوں۔ پھر بھی ان کا اپنا ایک متعینہ نظریہ ہے۔ لیکن مودودی لٹریچر اپنے نظری و فکری اضطراب و اختلال کے باعث اردو ادب یا اندازِ خطابت کا ایک بے روح مجسمہ بن کے رہ گیا ہے۔ چنانچہ اس کی شہادت میں مودودی شریعت کے چند نادر شاہی فیصلے حاضر کئے جاتے ہیں۔

”میں نہ مسلک اہل حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا

ہوں اور نہ حنفیت یا شافعییت ہی کا پابند ہوں۔ اے

یہ دعویٰ کرنا صحیح نہیں کہ بخاری میں جتنی احادیث درج ہیں۔ ان

کے مطابق کو بھی جوں کا توں بلا تنقید قبول کر لینا چاہئے۔ ۲۷

۱۷۔ رسائل و مسائل حصہ اول صفحہ ۱۸۹ بعنوان ”تقلید و عدم تقلید“ ۲۷ حوالہ نمبر ۲ (ترجمان القرآن اکتوبر و نومبر ۱۹۵۲ء)۔

کیا اب بھی ذہن کے گوشہ میں شبہ باقی رہ جاتا ہے کہ جسے تفسیر کے پرانے خزانے تہ  
جائیں اور جو حدیث اس کی خود ساختہ شریعت سے میل نہ کھائے۔ اس کے متعلق وہ  
علی الاعلان یہ کہہ دے کہ حضور نے ایسی بات نہ کہی ہوگی، اس پر طرہ تماشایہ کہ اسے  
اہل حدیث سے اتفاق نہیں اور حقیقت یا شافعییت کا بھی پابند نہیں۔ آخرش وہ اب نئی  
شرعیات گھڑنا چاہتا تو اس کے سوا اس کا نظریہ ہی کیا ہے؟ گویا یہ ایک سوالیہ نشان  
ہے۔ جس کا جواب زیر نظر کتاب میں آپ کو تلاش کرنا ہے۔ اس کے سوا اور کیا سمجھا  
جائے کہ مودودی صاحب ائمہ اربعہ یعنی امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور  
امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے فقہی مسائل کا خاکہ کر کے ایک پانچویں  
فقہ کی ترتیب دینا چاہتے تھے۔ یہ تو وہی ہوا ”حلوائی کی دوکان اور دادا کی فاتحہ“ گویا کئی  
کسی اور کی اور ہوا رہ آنجناب کے رحم و کرم پر موقوف!

جماعت کی یادداشت میں یہ بات اچھی طرح محفوظ رہے کہ پانچویں فقہ  
کی ترتیب سے پہلے خود مودودی صاحب کو اپنے منصب اور پوزیشن کی وضاحت کرنی  
ہوگی۔ آیا وہ کسی امام کے مقلد ہیں یا بجائے خود امام و مجتہد؟ اگر بہ گمان خویش وہ  
مرتبہ اجتہاد ہی پر فائز ہیں۔ پھر ڈھکے چھپے نہیں۔ بلکہ اس کا برملا اعلان ہونا چاہئے  
تاکہ اس کسوٹی پر انھیں جانچا دیکھا جائے۔ اگر ان پر شان اجتہاد ہی کا غلبہ ہے تو جس  
طرح شریعت مودودی میں سینما مبارح ہے اور قرآن حکیم کی نص صریح کے خلاف  
مودودی اسٹٹ میں چور کا ہاتھ کاٹنا ظلم ہے۔ ایسے ہی تزکیہ نفس کے لئے اہل اللہ  
نے جو طریق کار متعین کیا وہ مودودی شریعت میں انیون کی گولی اور چنیا بیگم! بس اسی  
طرح اپنی قوت اجتہاد سے بقیہ دوسرے مسائل کو بھی مستخرج و مستنبط کر کے پانچویں  
فقہ کی ترتیب دے کر اپنی جماعت کے سپرد کر دینا چاہئے۔ پھر اس کے بعد یہ تماشایہ ہو  
دیکھا جائے کہ مودودی شریعت کی درختی پالیسی بھلتی پھولتی پروان چڑھتی ہے یا

بے گورد کفن اس کا جنازہ پڑا رہتا ہے۔

اختتام گفتگو پر میں اپنے اس تاثر کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جماعت اسلامی اپنی قلمی خدمات میں نا آشنائے دین کو دین آشنا تو نہ کر سکی۔ البتہ خالوادہ اسلام کے وہ نیچے ولو جوان جو اپنی نگری آزادی اور مغرب زدہ ہونے کے باوجود پھر بھی سلف صحابین اور صحابہ کرام و بزرگان دین کا اپنے دلوں میں اک گونہ احترام رکھتے تھے، البتہ آپ، وہ مودودی لٹریچر سے متاثر ہونے کے بعد ان پر بر ملا زبان طعن دراز کرنے لگے۔ تہہ نہ کردہ یہ تحریک عام ہو گئی تو دین سے امان اٹھ جائے گا اور صدیوں کا وہ سرمایہ جسے علماء حق اپنے کلیجے سے لگا کر اس کی صیانت و حفاظت میں سر دھڑکی بازی لگاتے رہے، معاذ اللہ، وہ محض بازیچہ اطفال بن کے رہ جائے گا!

اگر یہ کوئی المیہ ہے تو جماعت اسلامی کو اپنی پوری نیک نیتی سے اپنی تحریک پر نظر ثانی کرنی چاہئے اور از سر نو اپنے لٹریچر کا جائزہ لے کر قابل اصلاح بنانا چاہئے۔ اگر صحابہ خلفاء راشدین، امام ابو حنیفہ، امام بخاری، غوث الاعظم، خواجہ غریب نواز، مجدد و الف ثانی جیسے اکابر مذہب و ملت پیغمبر اور معصوم عن الخطاء نہ تھے تو چودھویں صدی کے مولانا ابوالاعلیٰ صاحب نہ پیغمبر ہیں اور نہ ہی معصوم عن الخطاء بشری کمزوریوں کے تحت ہر ہر قدم پر خطا کا امکان ہے اور خطائیں واقع ہوتی ہیں اس لئے ہوا، نفس کے تحت اسلام کی عزت و آبرو سے کھیلنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی باز پرس سے ڈرنا چاہئے جس کی گرفت بہت ہی سخت اور عذاب بڑا ہی دردناک ہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ اسلامیات میں اپنی فہم و دانش اور سمجھ بوجھ کا دروازہ بند کر لیں۔ خواہی نخواہی خدا کی عطا کردہ صلاحیتوں کو راگیاں کر دیں۔ لیکن جس طرح ریل گا انجن خواہ وہ کسست رفتار ہو یا برقی رفتار اسے چلنا ہے۔ مگر اپنی اسی دولٹن پر جو اس کے لئے متعین ہے، گٹھری کے پڑوں کو متحرک ہونا ہے۔ مگر کیس کے اسی حلقے میں جس میں

ان کو ننگ ہے۔ اس کے باہر وہ صورت پرزے ہیں۔ گھڑی نہیں ہے۔ بس ایسے ہی اسلامیات پر اپنی عقل و دانش کو آزمائیے اور اپنی صحت مند صلاحیتوں کے تحت منقولات کو معقولات کے دوش بدوش کر دیجئے۔ لیکن اس باب میں غور و فکر کا جو دستور و ضابطہ متعین ہے۔ ان حدود سے باہر نہیں ورنہ تباہی و بربادی گود پھیلانے کھڑی ہوگی۔ بس جس طرح ریل کا انجن پٹری سے اتر جانے کے بعد خود اکیلا تباہ نہیں۔ بلکہ اس کے پیچھے ایک کاررواں ہوتا ہے۔ ڈبے چکنا چور ہوتے ہیں۔ کتنے نچے تیم ہو جاتے ہیں اور کتنوں کا جتنا جاگتا ہوتا ہوتا سہاگ لٹ جاتا ہے خون کے ہارے بہ پڑتے ہیں اور پوری فضا مالہ و شیون۔ گونج اٹھتی ہے۔

ایسے ہی دینی امور میں من مانی اجتہاد سے صرف امیر و قائد ہی گمراہ نہیں ہوتا بلکہ قوم کی قوم ضلالت و گمراہی کے عمیق غار میں جاگرتی ہے۔

خوب اچھی طرح واضح رہے کہ اسلاف و اکابر کو بڑا کہہ کر بڑا بننے کا خواب نہ کبھی شرمندہ تعبیر ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ زبان و ادب کے چٹخاروں سے لذت شناس افراد پر مشتمل ایک ٹولی بن جائے۔ لیکن جماعت اس طرز فکر سے ان دلوں میں اپنا گھر نہیں بنا سکتی جن کے دلوں میں اللہ کی خشیت اور محبوبان خدا کا صحیح جذبہ احترام ہے۔ صحابہٴ حلفاء و اشدین اکثم مجتہدین اور محدثین اپنے اپنے عصر کے مجددین کل بھی قابل احترام تھے اور آج بھی ہیں اور مسلم سوسائٹی میں ہمیشہ واجب الاحترام سمجھے جائیں گے۔ یہ جانتے ہوئے کہ نہ تو وہ بنی تھے اور نہ ہی معصوم عن الخطا بلکہ حسب ارشاد نبوی "خیر القرون قرنی شمیلونہم شمیلونہم" الخ وہ اپنی دینی معلومات، علمی بصیرت، قوت اجتہاد، زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت، اتباع سنت و روایت و درایت غرضیکہ نہ وہ صرف ہم سے ممتاز تھے بلکہ ان کا طرز فکر و عمل ہم سب کے حق میں مشعل راہ ہے۔ ہم ان

میں یا ان کی خدمات میں کیڑے نکال کر یا انھیں تنقید سے بالاتر نہ سمجھ کر ان کی توہینیں  
البتہ اپنی مٹی پلید کر رہے ہیں، چاہئے تو یہ تھا کہ آپ عمائد اسلام کی خدمات کو سراہتے، مگر  
براہو افریب نفس کا جس میں آپ مبتلا ہو کر ایک قوم کو تباہ کر رہے ہیں۔

اور آپ کی مطلق العنان آتش پروازی اغیار کے ہاتھوں زہر میں بھی ہوئی،  
نوں آتش تلوار دے رہی ہے۔ سچ کہا شورش کا شیریں نے کہ

”مودودی صاحب تنہا اپنا چراغ جلانا چاہتے ہیں۔۔۔۔۔“

”مودودیت پر ایک نظر“ کے زیر عنوان ایک مقالہ ہدیہ ناظرین ہے۔

مشاق احمد نظامی

۳۱ جنوری ۱۹۶۶ء

# مودودیت پر ایک نظر

مودودی صاحب کا مبلغ علم

انسان کا زندگی میں ایک متعین مقام ہوتا ہے۔ جہاں رہ کر نہ وہ صرف اپنی شخصیت  
 ہی کو ترستی دے سکتا ہے اور سماج کی بھی ندمت کر سکتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی  
 بد نصیبی یہ ہوتی ہے کہ وہ قدرت کے اس عطیہ کو ٹھکرا کر دوسرے کاموں میں اپنی صلاحیتوں  
 اور توانائیوں کو صرف کر کے اور اس طرح خود کو ”دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا“ بنا لے۔  
 مودودی صاحب کو قدرت نے صحافت کے لئے پیدا کیا تھا۔ قدرت کلام،  
 عوامی نفسیات کی نبض شناسی، ایک صحافی کے روشن مستقبل کی نعمات ہیں اور قدرت  
 نے انھیں ان میں سے ہر ایک سے بہرہ دافر عطا کیا تھا۔ مگر انہوں نے قدرت کے  
 اس گرانمایہ عطیہ کو ٹھکرا دیا اور صحافت کے بجائے سیاست پر اچھلے دردازے سے  
 داخل ہونے کی کوشش کی۔ ان کے معتقدین کے رفتی ”اثر نے ان کا ذہنی توازن  
 معطل کر دیا اور وہ بھی ”من ہم ہستم“ کا خواب دیکھنے لگے۔ ایک صحافی کی زندگی  
 میں سب سے خطرناک وہ مقام ہوتا ہے۔ جبکہ اس کے عقیدتمند قارئین اس کی  
 آتش نوا ٹی کو اس کے ذاتی خلوص اور اس کے بلند آہنگ زور خطابت کو اس کی  
 پختگی کردار اس کے بظاہر معقول استدلال کو اس کی اصابت رائے صلاحیت، قیادت  
 اور اس کی علمی مگر متنوع معلومات کو اس کی ہمہ دانی تبحر علمی کا نتیجہ سمجھ کر کبھی اسے  
 سیاسی لیڈر اور کبھی جامع العلوم ہمہ دان، علامہ وقت سمجھ کر آسمان پر چڑھانے کی کوشش  
 کرتے ہیں۔ یہ وقت بڑا نازک ہوتا ہے۔ اور یہیں سے بالعموم اکثر صحافیوں کی صحافیانہ



زندگی میں رجعت تہقیری شروع ہوتی ہے۔ عقلمند صحافی ایسے موقع پر ”من انم کہ من وانم“ کے اصول پر عمل کر کے اپنے صحیح حدود سے تجاوز نہیں کرتا اور اپنے عقیدت مند قارئین کی اس مداح سرائی سے فریب نہیں کھاتا!

لیکن مودودی صاحب کے ساتھ وقت یہ ہے کہ ہمیشہ ہی سے اپنے علم و فضل کے متعلق بے انتہا خوش اعتمادی رہی ہے اور وہ ابتدائے عمر سے لیڈر بننے اور پسماندہ قوم مسلم کی خدمت کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ ۱۹۴۲ء کے سیاسی بحران کے زمانے میں مودودی صاحب نے مسلمان اور سیاسی کشمکش، کتاب لکھی۔ یہ ایک سلسلہ اپنے پرزور نشان خطابت کی بنا پر عوام میں بہت مقبول ہوا اگرچہ جویش از حرکت طفلانہ ”نہ سبھا مگر عامتہ اناس کی وقتی مقبولیت سے مودودی صاحب کا توازن ذہنی درہم برہم ہو گیا اور انہیں اپنے متعلق ایک سیاسی مدبر ہونے کی خوش فہمی پیدا ہو گئی۔ سمند ناز پر ایک اور تازیانہ ہوا۔ اس سے پہلے وہ محض مذہبی مسائل پر قلم فرسائی فرما چکے تھے۔ جن کا بند آہنگ اسلوب بیان عوام کو مسحور کر چکا تھا۔ حالانکہ ان کی سطحیت اور نامعقولیت کی بنا پر اہل قلم نے کبھی انہیں درخود اعتنا نہیں سمجھا۔ ان سب چیزوں کا مجموعی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مجتہد، مجتہد اور مہدی موعود بننے کے خواب دیکھنے لگے۔ طبقہ علماء نے اسے بھی مجذوب کی ایک بڑ سمجھی۔ چنانچہ مولوی اشرف علی تھانوی نے اس جماعت کے متعلق کہا تھا ”میرا دل اس تحریک کو قبول نہیں کرتا“ مولوی عبدالماجد دریا بادی نے ان کے تاثرات کو بدیں طور پر نقل کیا ہے۔

اے اگرچہ جو علمی تجویز اس میں پیش کی گئی تھی۔ وہ حقیقت پسندی سے خالی تھی کہ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے اسے ”پیش از حرکت طفلانہ“ نہ سمجھا۔

۱۹۴۸ء اٹھائیس برس قبل جب جیلپور میں مولانا مودودی کے مقالہ ”تاج کے پر پڑو پلستر گرفتار ہوئے تو مودودی صاحب تاج کے ایڈیٹر تھے۔ گرفتاری سے بچنے کے لئے ”یک ایک ملی روانہ ہو گئے“ ہلالِ نوبہ می ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۸ء

حضرت کا ذوقِ سلیم اس زمانے میں اس جماعت کی طرف سے کھٹک گیا تھا اور حضرات کی فراست دینی اسی وقت امیر جماعت کی طرف سے بدگمان ہو گئی تھی حالانکہ اس وقت تک جماعت کی طرف سے ان مفاسد کا ظہور نہیں ہونے پایا تھا جو بعد کو ہوا۔

بہر کیف تقسیم ہند کے بعد جب غیر معروف شخصیں سیاسی اقتدار کے آسمان پر جلوہ گر ہونے لگیں تو مولانا مودودیؒ نے ہر لوجہ و ہوس نے حسن پرستی شعار کی، ان کے مصداق تھیہ کہ لبیک زیادہ سے زیادہ سیاسی طاقت فراہم کر کے بالآخر حکومت کے مشن پر قابض ہو جائیں۔ لیکن اہل بصیرت کے درمیان مولانا کے سیاسی تدبیر کی کوئی وقعت نہ تھی، لہذا انہوں نے مذہبی بنیاد پر ایک سیاسی جماعت کی بنا ڈالی۔ جس کا نام جماعت اسلامی ہے۔ حالانکہ یہ جماعت بنانے سے پہلے مودودی صاحب اس بات کے سخت مخالف تھے کہ مذہبی لائنوں پر مذہبی نام سے کوئی جماعت بنائی جائے۔ اس سے اسلام میں فرقہ بندی زیادہ ہوتی ہے۔ مذہبی لائن پر ایک نئی جماعت کی تاسیس کے لئے ضروری تھا کہ مودودی عوام کے سامنے ایک عالم کا چولا پہن کر تشریف لائیں۔ بد قسمتی سے اس سے پیشتر جو مذہبی مسائل کے متعلق انہوں نے اپنے ناپختہ خیالات کو سپرد قلم کیا تھا۔ بالغ النظر علماء نے تو اسے درخود اعتنا سمجھا۔ لہذا وہ ان کی گرفت سے محفوظ رہے۔ ہاں عامۃ الناس میں ان کی بلند آہنگ زور خطابت کی بنا پر انہیں ایک درجہ مقبولیت حاصل ہو چکی تھی۔ ویسے بھی مودودی صاحب کو ہمیشہ ہی سے اپنے علم و فضل کے متعلق بے انتہا خوش فہمی رہی ہے۔

غرض حکومت کی مشن پر قابض ہونے کا خیال ان کے ذہن میں اس درجہ راسخ ہو گیا کہ انہوں نے قدرت کے اس گرانمایہ عطیہ کو ٹھکرا دیا اور صحافت کے بجائے سیاست کے میدان میں چور و زانے سے داخل ہونے کی کوشش کی اور اب اپنی اس روش میں وہ کچھ اس قدر بے نقاب ہو چکے ہیں کہ یہ سدا اب ان کے حق میں فکر و نظر کا

مستحق نہیں بلکہ محض ایک بدیہی مسند ہے۔

لیکن اس کا نتیجہ جلد ہی انھیں مل گیا۔ ان کا سیاسی تدبیر اہل بصیرت میں مضحکہ خیز بن گیا اور دعویٰ علم و فضل، ڈھول کا پول۔ چنانچہ مفتی کفایت اللہ نے ایک استفتا کے جواب میں تحریر کیا۔

”مودودی جماعت کے افسر اعلیٰ مولوی ابوالاعلیٰ مودودی کو بھی جانتا ہوں۔ وہ کسی معتبر اور معتمد علیہ عالم کے شاگرد اور فیض یافتہ صحبت نہیں ہے، اگرچہ ان کی نظر اپنے مطالعہ کی وسعت کے لحاظ سے وسیع ہے تاہم دینی رجحان ضعیف ہے اجتہادی شان نمایاں ہے.....“

مفتی صاحب نے اپنی رائے کے اظہار میں بہت زیادہ احتیاط اور وسعت قلبی کا لحاظ رکھا۔ حالانکہ مودودی صاحب کی علمیت اس سے کہیں زائد کریمی تنقید کی مستحق ہے۔ ”مشتے نمونہ از خردارے“ کے طور پر ایک امر قلمبند کیا جا رہا ہے۔

اس رائے کا سب سے بڑا ثبوت تو ان کی ناواقفیت

### ناواقفیت حدیث

حدیث ہے، جو بالیوس کن حد تک پہنچتی ہے۔ جو

حدیث کے متعلق ان کی بے اعتنائی کا باعث ہے۔ مثلاً وہ فرماتے ہیں۔

”قرآن و سنت کی تعلیم سب پر مقدم ہے۔ مگر تفسیر و حدیث کے پرانے

ذخیروں سے نہیں۔“

محدثین نے ”اسماء الرجال“ کا عظیم الشان ذخیرہ فراہم کیا جو بلاشبہ بیش قیمت ہے

مگر انھیں کون سی چیز ہے۔ جس میں غلطی کا احتمال نہ ہو۔ ۷۲

ظاہر ہے یہ اس قسم کے خیالات ہیں جن پر انکار حدیث کا صحیح معنوں میں اطلاق ہو سکتا ہے اور اگر استخفاف شریعت نہیں تو پھر استخفاف شریعت کے کہتے ہیں؟

۱۷۳ سے ۱۷۴ صفحات ص ۲۱۲

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ آخر حدیث رسول جو وحی غیر متلو کا مصداق اور دینِ متین کا رکن رکین ہے۔ اس سے یہ ملحدانہ بے نیازی کیوں؟ اس کے جواب کے سلسلہ میں ہمیں فطرت انسانی کے اس اصول کو نہیں بھوننا چاہیے کہ آدمی جس چیز میں اپنی کمزوری محسوس کرتا ہے۔ ہمیشہ اس کے استخفاف پر آمادہ رہتا ہے۔ یہ عام کلیہ ہے اور مودودی صاحب بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ مفتی کفایت اللہ کی رائے اور نقل ہو چکی کہ وہ کسی معتبر اور معتد علیہ عالم کے شاگرد اور فیض یافتہ نہیں ہیں۔

مکن ہے۔ مودودی حضرات مفتی صاحب کی اس رائے کو تعصب پر محمول فرمائیں لیکن یہ واقعہ اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ انہوں نے درسیات تک باقاعدہ نہیں پڑھیں۔ اوائل عمر ہی میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا جس کی بنا پر رسمی تعلیم کا سلسلہ درہم برہم ہو گیا۔ البتہ مشہور ہے کہ غیر رسمی طور پر آپ کی علمی رہنمائی مولانا عبدالسلام نیازی نے کی۔ جو رام پور کے مشہور معقولی تھے۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔

(۱) اسلام کو سمجھنے کے لئے ان کی درسی تعلیم اتنی بھی نہیں ہوئی جو ایک معمولی عربی طالب علم کی ہو کرتی ہے۔

(۲) مولانا عبدالسلام نیازی معقولی تھے اور جن لوگوں نے حسب استطاعت ان سے فیض حاصل کیا۔ وہ صرف فلسفہ و حکمت ہی میں کیا۔ کم ہی لوگوں نے دیگر فنون کی کتابیں ان سے پڑھی ہوں گی۔

۱۳۔ مولانا عبدالسلام نیازی کے تعلق نیز مودودی صاحب کے سلجھے ہوئے اسلوب بیان سے بعض حضرات کو یہ دھوکا ہوتا ہے کہ مودودی صاحب قرآن و حدیث، فقہ، اصول فقہ اور علوم ادبیہ میں تو نہیں، بلکہ فلسفہ و کلام میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ خود مودودی صاحب کو اپنے متعلق فقیہہ و متکلم ہونے کی خوش اعتمادی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

”فقہ و کلام کے مسائل میں میرا ایک خاص مسلک ہے۔ جس کو میں

نے اپنی ذاتی تحقیق کی بنا پر اختیار کیا ہے۔

لیکن بالغ نظر حضرات جانتے ہیں کہ ان کی تحریروں میں سوائے ظاہری منطقیات کے جو ایک دلنشین اندازِ صحافت کا دوسرا نام ہے، کوئی چیز ایسی نہیں جو ان کا فلسفہ ذاتی یا واقفیت عم کلام کی غازی کرتی ہو۔ وہی وہ چیز جسے کلام میں اپنا ایک خاص مسلک بتاتے ہیں اور جس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ ”میں نے اپنی ذاتی تحقیق کی بنا پر اختیار کیا ہے“ اس کی حقیقت محض اتنی ہے کہ وہ ان کے ذہنی مرغوبیت اور یورپین علما کے اقوال سے علمی مغلوبیت نیز بلند بانگ دعویٰ تردید مغربیت کے درمیان ایک بھونڈا سمجھوتہ ہے اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انھیں غیر مسلموں کے بعض ایسے اعتراضات دوچار ہونا پڑا جسے متضمن نے تاریخی واقعات سے مؤید کر کے قرین قیاس بنا دیا تھا اور ادھر کیفیت یہ تھی کہ مودودی صاحب کا مطالعہ تاریخ بہت سطحی تھا۔

ان سب چیزوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اعتراضات پر اپنی عاجزانہ خاموشی سے مہر تو تیشو ثبت فرمادی اور ان سے بچنے کے لئے انھوں نے اسلام کی بعض اصولی تعلیمات سے الگا کر دیا۔ چنانچہ ”تجدید و احیاء دین“ میں فرمایا۔

”اسلامی اصطلاح میں جس کو فرشتہ کہتے ہیں وہ تقریباً وہی چیز ہے جس کو یونان و ہندوستان و غیر ممالک کے مشرکین نے دیوی اور دیوتا قرار دیا ہے“

پھر قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ”میں لکھتے ہیں۔

”یہی فرشتے دوسرے مشرک قوموں میں دیوتا قرار دیئے گئے تھے“

قارئین کرام یہ ہے مودودی صاحب کا مسائل کلامیہ میں ایک خاص مسلک

عناوین ناطقہ سرگربیان ہے اسے کیا کہئے

جب علوم فقہیہ کلامیہ میں مودودی صاحب کی تبحر علمی کا یہ عالم ہے تو علم الحدیث

اے مثلاً پادری لسنڈیل وغیرہ کے یہ اعتراضات کہ اسلام کی بعض اصولی تعلیمات دوسرے مذاہب کی تعلیمات کا انتہائی انداز میں خوشترجیبی کا نتیجہ ہیں۔ مثال کے طور پر وہ کہتے ہیں کہ۔ ملائکہ کا تصور پارسیوں کے تخیل سے ماخوذ ہے ۱۲

میں ان کا مرتبہ و مقام ظاہر ہے۔ ان کی حدیث دانی کا یہ عالم ہے کہ ایک مستقل تصنیف سو اسو صفحے کی ”تجدید و احیاء دین“ کے نام سے لکھ ڈالی۔ لیکن نفس تجدید و احیاء دین کی مشروعیت کے متعلق ایک حدیث بھی نہ لکھ سکے۔ بلکہ پوری کتاب میں ایک عدد حدیث نقل کی ہے اور وہ بھی حاشیہ میں ”پھر یہ حدیث بھی کسی کتاب سے نہیں لی بلکہ مولانا کو ہوا پرستی اور قلب بالذین سے اتنی فرصت کہاں جو کتب احادیث کے مطالعہ میں دماغ سوزی کر سکیں نہ کسی جرم میں ماخوذ کر اس کی بریت کے لئے اگلے کچھ محدثین کے اقوال جمع کر سکیں بہر کیف مولانا نے یہ حدیث مولوی اسمعیل دیوبند کی کتاب ”منصب امامت“ سے نقل کی ہے۔ جنہوں نے اسے ”شطبہ“ کے ”موافقات“ سے لیا ہے۔

یہ ہے مولانا مودودی کی حدیث دانی اور اعتناء بالحدیث، یہاں پر مودودی صاحب اور ان کے وکلاء سے صرف ایک ہی سوال ہے۔ جس کی تفصیلی تنقیح ان کی حدیث دانی اور عدم اعتناء بالحدیث کو بے نقاب کر دے گی۔

مودودی صاحب نے ”تجدید و احیاء دین“ کے عنوان سے سو اسو صفحے کی ایک مستقل کتاب لکھ ڈالی۔

سوال یہ ہے :-

- ① نفس تجدید و احیاء دین امر مشروع ہے یا غیر مشروع؟
- ② اگر غیر مشروع ہے تو اس فعل غیر مشروع کو کیا کہیں؟ تجدید و احیاء دین کا دعویٰ اور غیر مشروع فعل کا ارتکاب۔ ”لسبوت عقل زجرت کہ ایں چہ بواجبی ست“

اے۔ مودودی صاحب جو کل تک حدیث و تفسیر کے پانے ذخیروں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اور جو متاخرین کی آئینہ نشوونما کو نظر استحقار دیکھتے تھے۔ جب ہزار یا مسلمانوں کا گلا کٹوانے کے جرم پر ماشل لاکے شکنجے میں پھنسے تو پھر انہیں پانے ذخیروں سے اپنی برأت کے لئے مواد فراہم کرنے پر مجبور ہوئے تو متاخرین کی آئینہ نشوونما سے خوشہ چینی کرنے لگے۔ سچ ہے ”آسمان کا تھوکا حلق میں“، تفصیل کے لئے دیکھیے ”دعوت“ دہلی جلد۔ شمارہ اڑتا

- ۳) اگر غیر مشروع ہے تو شریعت میں اس کی اصل ہے یا نہیں؟
- ۴) اگر شریعت میں اس کی اصل ہے تو کیا ہے؟
- ۵) اگر نہیں ہے تو یہ احداث فی الدین اور بدعت کا مصداق ہے یا احیاء دین یا فساد فی الدین؟
- ۶) آیا وہ مودودی صاحب کو معلوم تھی یا نہیں؟
- ۷) اگر مولانا کو تجدید و احیاء دین کی اصل شرعی معلوم تھی تو پھر کس بنا پر اسے ان کے پتدار علمی نے درخود اعتراف سمجھا۔ اس نخوت و پتدار کو آپ کیا کہیں گے؟ عدم اعتراف بالحدیث، استخفاف سنت یا تفریق بین اللہ و رسولہ؟

۸) اگر مولانا کو تجدید و احیاء دین کی اصل شرعی معلوم نہ تھی تو مولانا کی تبحر عملی اور وسعت مطالعہ ظاہر ہے اور اس کے بعد انہیں دعویٰ ہے کہ وہ اسلام کے اصول پر ایک نئے اجتماعی نظام اور ایک نئی تہذیب کی تعمیر کا پروگرام لے کر اٹھے ہیں یہ ہیں تجدید و احیاء دین کے مدعی جو اصولی تعلیمات سے مایوس کن حد تک نا آشنا ہیں اور پھر دعویٰ ہے کہ سو فی صدی اسلامی تہذیب کی بنا استوار کریں گے۔ مسئلہ کی جس قدر ممکنہ شقوق ہو سکتی تھیں، قلمبند کی گئیں، اس شقوق میں سے کسی نہ کسی کا جواب اثبات میں دینا ہو گا اور جواب کی قباحت ظاہر ہے۔

یا تو مولانا نے قصداً اصل شرعی کو اپنی بے لگام انشاء پر دادی میں سدراہ سمجھ کر درخود اعتراف سمجھا اور اس طرح استخفاف شریعت کے جرم قبیح کا ارتکاب کیا یا پھر مولانا کو دورہ حدیث کا رسماً یا غیر رسمی طور پر موقع ہی نہیں ملا۔ حالانکہ کوئی طالب علم بھی اس دورے کے پڑھنے سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ یہ امر ان کی ناواقفیت حدیث کا شاہد عدل اور ان کے مبلغ علم کی پستی کا روشن ثبوت ہے۔

اس مسئلہ کے واضح ہو جانے کے بعد مودودی احباب کو اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کر لینا چاہئے کہ وہ کس مجتہد العصر کی تقلید کر رہے ہیں۔ کتاب و سنت سے جس شخص کی ناواقفیت اور بے اعنائی کا یہ عالم ہے، اس کی دعوت دین دعوت حقہ ہے یا دعوت باطلہ؟

مشتاق احمد نظامی ۵ ذری ۱۹۶۶ء

# گھر کا بھیدی لٹکا ڈھتے

جناب کوثر نیازی مدیر سہفت روزہ ”شہاب“ لاہور کا جماعت اسلامی سے استعفیٰ نامہ جس کی ایک ایک منظر مقام عبرت کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسے پڑھ کر جماعت کے پوسٹ کنندہ حالات سے واقفیت حاصل کیجئے۔

یہ سچ ہے اسے پڑھ کر دلوں کی دنیا بدل جائے گی اور بدن کے رونگٹے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے اور آپ اس کا صحیح اندازہ کر سکیں گے کہ ”حکومت الہیہ“ اور اقامت دین کے پردے میں کیسا ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے۔

استعفیٰ نامہ سے پہلے مودودی صاحب سے متعلق ڈاکٹر عبد الورد کی ایک رائے میں نے پیش کر دی ہے جو ”منصب ریالت نمبر“ سے ماخوذ ہے۔ پہلے اسے پڑھیے۔ بعد میں کوثر نیازی صاحب کا خط اور استعفیٰ نامہ!





# ڈاکٹر عبد الودودی کی رائے

مودودی صاحب نے بحث کے دوران ڈاکٹر صاحب سے پوچھا۔  
آخر وہ کون سا بت لے ہے جس کے آگے جھکنے کے لئے کہا گیا تھا اور اس  
شخصیت پرستی کی آپ کو دعوت دی گئی تھی؟  
ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا۔

اس بت کی تلاش میں آپ کو کسی مندر میں بات کی ضرورت نہیں وہ  
بت آپ خود ہی ہیں۔ آپ کی زبان اور قلم سے جو کچھ نکل جائے اسے آپ  
خدا اور رسول کا فرمان قرار دیتے ہیں۔ اس کے سامنے جھکنا حق کے سامنے  
جھکنا ہے اور آپ کے نزدیک اس سے انحراف خدا اور رسول سے انحراف  
کے مترادف ہے جو آپ سے اختلاف کرے۔ اس کے خلاف آپ اور آپ  
کے حاشیہ بردار جو کچھ کرتے ہیں ایک دنیا اس کی شاہد ہے جتنی کہ جو لوگ  
پرسوں تک آپ کے معتقد رہے اور اس کے ان بے چاروں نے آپ  
کی کسی بات سے اختلاف لیا تو آپ حضرات نے جو کچھ ان کے خلاف  
کیا۔ وہ بھی سب پر بیان ہے یہی وہ آپ کا بت ہے جس کے سامنے  
جھکنے کے لئے آپ مجھ سے کہہ رہے ہیں اور میرے نہ جھکنے پر مجھے خدا  
اور اس کے رسول سے منحرف ہو جانے کے جرم عظیم کا مرتکب قرار

۱) بت کی فنی بحث سے سرد کار نہیں مقصد وہ تاثر ہے جو ڈاکٹر عبد الودودی نے قبول اپنے  
۲) ترجمان القرآن جلد ۵۴، عدد ۶، منصب رسالت نمبر ۱۱۶، ص ۱۶۴، ترجمان القرآن، ستمبر ۱۹۶۴ء  
۱۶۴

رہے ہیں۔

اسے کاش کہ آپ کو یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ آپ کی اس روش نے سنجیدہ  
 طبقے کی نگاہوں میں آپ کا وقار کس قدر کھو دیا ہے۔ آپ نے میرے  
 خطوط میں سے بعض کتابت کی غلطیوں کو اچھا لکھ کر یہ تاثر پیدا کرنے  
 کی کوشش کی ہے کہ میں قرآنی آیات کا صحیح اہلا تک نہیں جانتا۔ مجھے  
 اپنی علمی حدود کا اچھی طرح سے علم ہے۔ لیکن ذرا سوچئے کہ آپ نے  
 جو بات کہی ہے، وہ کس قدر گھٹیا درجہ کی ہے۔ میرے خطوط کی کتابت  
 کسی اور صاحب نے کی تھی۔ کتابت میں عام طور پر جو غلطیاں رہ جاتی  
 ہیں۔ اس کا کسے علم نہیں۔ مجھے اگر آپ کی اس ذہنیت کا پتہ ہوتا تو میں  
 ان آیات کو خود چیک کر لیتا۔ اس کا تو آپ کو بھی تجربہ ہو گا کہ آپ کی  
 اتنی عملیت اور احتیاط کے باوجود آپ کی کتابوں میں کتابت کی کتنی  
 غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ کیا ان غلطیوں کی بنا پر آپ کو جاہل قرار دے دیا جائے  
 مجھے افسوس یہ ہے کہ مجھے تمہید میں یہ کچھ لکھنا پڑا۔ لیکن اس سے بھی میرا  
 مقصد یہ ہے کہ شاید اس سے آپ اپنی اصلاح فرما سکیں۔ اپنے عقیدت  
 مندوں کے حلقہ میں رہنے والوں کی کیفیت یہی ہوتی ہے کہ ان میں سے  
 انھیں کوئی یہ بھی بتانے کی جرات نہیں کرتا۔ ”کہتی ہے تجھ کو خالق خدا  
 غائبانہ کیا“ اس لئے ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی غیر جانبدار آگے بڑھ کر ان کے  
 سامنے آئینہ رکھ دے۔ جس میں انہیں اپنے حقیقی خدو خال نظر آجائیں۔ یہ  
 انگ بات ہے کہ وہ اس حبشی کی طرح جس نے آئینہ میں اپنے بھیانگ  
 خدو خال دیکھ کر آئینہ کو پتھر دے مارا تھا۔ اس انکشاف حقیقت سے  
 گائیوں پر اتر آئے۔ اے

(۱) ڈاکٹر عبد الودود

نوٹ - بات آہی گئی ہے تو اسی ضمن میں مودودی صاحب سے متعلق ڈاکٹر عبدالودود کی ایک اور چچی تلی رائے ملاحظہ کیجئے۔ پھر اس کے مودودی صاحب کے دیرینہ رفیق کار جناب کوثر نیازی مدیر ہفت روزہ "شہاب" کا استغفیٰ پڑھ کر جماعت اسلامی کی فریب خوردگی اور فریب دہندگی کا اندازہ کیجئے۔ ڈاکٹر عبدالودود صاحب نے یہ بھی لکھا تھا:-

آپ نے اس کے جواب میں اپنی ہمہ دانی اور مستفسر کی جہالت کے متعلق بیسیوں صفحات سیاہ کر ڈالے۔ لیکن ان سوالات کے متعلق جو کچھ کہا وہ اس سے زیادہ کیا ہے کہ ان کا جواب آپ کے پاس نہیں ہے۔ اس پر مجھے بے ساختہ اس لال بھکڑ کی بات یاد آ رہی ہے کہ جس کے گاؤں سے ایک دفعہ ایک ہاتھی گزرا۔ اس کے عقیدت مندوں کا حلقہ اس کے گرد جمع ہو گیا اور اس سے پوچھا یہ کیا تھا۔ جو گزرا؟ یہ سن کر لال بھکڑ صاحب زار و قطار رونے لگے، انھیں دیکھ کر عقیدت مند بھی آنسو بہانے لگے۔ جب کچھ سکون ہوا تو انھوں نے پوچھا کہ حضور آپ کے رونے کا باعث کیا تھا۔ انھوں نے ٹھنڈی سانس بھری اور کہا کہ مجھے رونا اس بات پر آ گیا کہ اب تو تمھاری یہ حالت ہے کہ جہاں کوئی مشکل بات سامنے آگئی آپ لوگ دوڑ کر میرے پاس آگئے اور اطمینان کر لیا۔ کل جب میں نہیں ہوں گا تو تمھیں یہ باتیں، کون بتایا کرے گا۔ اس پر عقیدت مندوں کا حلقہ پھر رونے لگ گیا سکون ہونے پر انہوں نے پوچھا کہ حضرت! اب فرمائیے کہ یہ کیا تھا جو گزرا؟ لال بھکڑ صاحب نے جواباً فرمایا کہ اس کا تو مجھے بھی علم نہیں کہ یہ کیا تھا..... آپ میں اور اس لال بھکڑ میں فرق یہ ہے کہ اس

لے ترجمان القرآن جلد ۵۶ صفحہ ۶۲ منصب رسالت نمبر صفحہ ۱۳۲

میں اپنی لاعلمی کے اعتراف کی جرأت تھی۔ لیکن آپ اسے طومار نویسی کے پردوں میں چھپانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ عقیدتمندوں کے حلقے میں آپ کا بھرم قائم رہے۔۔۔۔۔“ اسے

نوٹ۔ اب جماعت اسلامی کے ایک سرگرم کارکن جسے جماعت کا سترہ سالہ تجربہ ہے یعنی جناب کوثر نیازی مدیر ہفت روزہ ”شہاب“ لاہور کا استغفی نامہ پڑھیے۔ جسے صاحبزادہ محدث اعظم ہند عزت مآب سید حسن مفتی امیام ایم۔ اے عیگ نے اپنی کتاب ”دستور جماعت اسلامی ہند کا تنقیدی جائزہ“ میں شائع کر کے کتاب کی افادیت میں چار چاند لگا دیا ہے، مجھے یقین ہے جس دل میں رائی کے دانہ برابر ایمان و انصاف ہوگا وہ کوثر نیازی کا خط و استغفی نامہ پڑھنے کے بعد جماعت اسلامی سے ایسے ہی بھاگ نکلیں گے کہ جلیے تیرکان سے، خدائے قدیر ہدایت کے لئے دلوں کا دروازہ کھول دے، آمین۔۔۔۔۔ میں نے اپنی طرف سے صرف سرخی کا اضافہ کر دیا ہے۔

اس سلسلے میں پرانے واقعات کو تو جانے دیجئے۔ ابھی گزشتہ مہینہ کی بات ہے۔

کہ جناب کوثر نیازی صاحب نے جو پاکستانی جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کے رکن رہ چکے ہیں اور حلقہ لاہور کے امیر و قیم بھی اور ہفتہ وار ”شہاب“ کے مالک و مدیر بھی ہیں۔ مذکورہ جماعت سے اپنے مستغفی ہونے کا اظہار و اعلان جن دردناک اور روح فرسا لفظوں میں کیا ہے۔ وہ جماعت اسلامی خواہ پاکستان کی ہو یا ہندوستان اس کے لئے بنیادی اصول و نظریہ کے اعتبار سے دونوں میں کوئی

اے ڈاکٹر عبد الودود سے ناظرین تیشیح محل سے گزارش ہے کہ وہ اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں  
پتہ :- محدث اعظم اکیڈمی، کچھو چھو ٹریٹ، ضلع فیض آباد۔ سے دستور جماعت اسلامی ہند کا  
تنقیدی جائزہ، صفحہ ۵ =

فرق نہیں) کے لئے مزید تازہ یا نہ عبرت کی حیثیت رکھتا ہے۔ کوثر نیازی کا وہ طویل خط جو انھوں نے ۱۲ فروری ۱۹۶۵ء کو امیر جماعت جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے نام ارسال کیا تھا اور جس کا قدرتی انجام ایک طویل استغفیٰ نامہ کی شکل میں رونما ہوا، ان دونوں کو اردو کے موقر اخبار ”قومی آواز“ لکھنؤ نے شائع کر دیا ہے۔ ذیل میں کوثر نیازی صاحب کے طویل خط اور طویل استغفیٰ نامہ دونوں معمولی انتخاب کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں۔

(یکدھن مثنیٰ)

جناب کوثر نیازی صاحب نے ۱۲ فروری ۱۹۶۵ء کے خط میں تحریر کیا تھا

..... جماعت نے صدارتی انتخاب میں اپنے سابقہ موقف

کو چھوڑ کر محترمہ فاطمہ خباہ کی حمایت کو دین اسلام کا تقاضا اور جہاد قرار دیدیا۔ آپ باہر تشریف لے آئے اور جماعت کی پوری طاقت کو آپ نے اس انتخابی مہم میں جھونک..... اس کے خطرناک نتائج و عواقب کارکنان جماعت میں بڑھتی ہوئی مایوسی، اضمحلال اور جمود کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں..... جن تصورات کے تحت میں جماعت اسلامی میں شامل ہوا تھا۔ آج وہ تصورات لگا ہوں سے اوجھل ہو چکے ہیں اور اپنی ذاتی اصلاح و تکمیل کا جو مقصد مجھے جماعت میں لایا تھا۔ جماعت کی پالیسی اور طرز عمل نے دوسرے ارکان کی طرح مجھے اس مقصد سے محروم ہی نہیں۔ بلکہ بہت دور پھینک دیا ہے..... صدارتی انتخاب کی مہم کے دوران..... عاملہ نے اس سلسلے میں جو قرارداد منظور کی تھی۔ میں اس پر مسلسل غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ اس سے جماعت ایک ایسے راستہ پر ڈال دی

گئی ہے۔ جو دینی اعتبار سے سخت دوغلے پن (مجھے اس سخت لفظ کے لئے معاف فرمائیے) بلکہ نفاق کا راستہ ہے اور سیاسی حیثیت سے فہم و فراست اور حکمت و دانش کے پہلو سے ہمارے دیوالیہ ہو جانے کا اعلانِ عام ہے..... اس وقت ہماری حالت یہ ہے کہ دوسری بہت سی اصولی غلطیوں کے علاوہ ہم نے عورت کی صدارت کے مسئلے میں جو روش اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی جو سزا ملے گی۔ اس کا مسئلہ تو الگ ہے۔ اس دنیا میں بھی اندرون و بیرون ملک ہماری دینی حیثیت ختم ہو چکی ہے۔..... اس کے لئے ہم نے غریب اسلام پر جو لوہا ریش کی ہے اور حرمتوں کی ابدی اور غیر ابدی تقسیم کا جو نیا طریقہ پیش کیا ہے۔ اس کے بعد دینی حلقے تو ایک طرف رہے۔ دوسرے غیر جانبدار عن صحتی کہ اپوزیشن تک کے بعض نمایاں افراد ہمیں ابن الوقت اور سیاست کی خاطر دین میں ترمیم و تحریف کرنے والا گروہ تصور کرنے لگے ہیں..... آپ اجازت دیں تو تحریر کروں کہ حرمتوں میں ابدی اور غیر ابدی تقسیم مان لینے کے بعد ہمارا موقف منکرین حدیث کے گمراہ کن نظریے سے بھی زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے..... اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ جماعتی پالیسی کی جبریت کے تحت میں خود آپ کے اس نظریہ کا دفاع کرنے والوں میں شامل رہا ہوں مگر اس کے باوجود اس نظریہ کی صحت مجھ پر واضح نہیں ہو سکی..... میں بہت گنہگار ہوں میری پوری زندگی کے گناہ ایک طرف اور یہ اکیلا گناہ دوسری طرف کہ میں نے جس بات کو شرعاً درست نہیں سمجھا تھا۔ صرف جماعتی قواعد و ضوابط کی وجہ سے اس معصیت پر مجبور ہو گیا کہ اب اس کی

نمائندگی کروں؟ اللہ میرے اس جرم کو معاف فرمائے۔ ورنہ ڈرتا ہوں کہ کہیں اس جرم کی وجہ سے میرا دل رہے رہے ایمان ہی سے محروم نہ ہو جائے..... میری رائے یہ ہے کہ اب ہماری محبوب جماعت اسلامی ایک عجیب و غریب صورت حال سے دوچار ہے..... ہم نے امیدواری کو حرام قرار دیا۔ اس کے لئے صحابہ تک کی کسی جلیل القدر شخصیت میں امیدواری کا کوئی پہلو، ہمارے سامنے پیش کیا گیا تو ہم نے اپنی اجتہادی رائے کو لٹکا کر اس پر تنقید کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ مگر اب ہم ایگزیکٹو کے ساتھ مل کر امیدواروں سے خود درخواستیں طلب کر رہے ہیں۔ ہم نے کہا کہ صالح نمائندہ پنچائی سسٹم سے آئے چاہے جس جماعت یا گروہ سے بھی تعلق رکھتا ہو۔ پھر ہم نے صالح نمائندوں کو جماعت کے دائرے میں مخصوص کر دیا۔ پہلے ہم پارٹی ٹکٹ کو لعنت کہتے تھے۔ اب محاذ کے ساتھ شریک ہو کر "غیر صالحین" کو بھی ٹکٹ بانٹ رہے ہیں۔ ہم نوٹ پر قائد اعظم کی تصویر چھاپنے پر سخت برہم تھے، صدارتی انتخاب میں ہمارے کارکنوں نے ان کی بہن کے دو چہرے لگی لگی فروخت کئے۔ پہلے ہم نے صدارتی سے بھی بڑھ کر امانتی تصور خلافت پیش کیا تھا۔ اب ہم پارلیمانی نظام جمہوریت کو اسلامی قرار دیتے ہیں۔ پہلے ہم اسمبلیوں میں اراکین کی الگ پارٹیاں بنانے کو غیر اسلامی قرار دیتے تھے۔ بعد میں ہم نے خود اس پر عمل کیا۔ پہلے ہم مخلوط جلسوں میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ اب مخلوط جلسوں کی صدارت کرتے اور ان میں تقریریں کرتے ہیں۔ پہلے ہم علماء کے اتحاد کی کوشش کرتے اور موجودہ

پارٹیوں کے ساتھ ملنا غلط سمجھتے تھے۔ اب علماء کے اتحاد سے بے نیاز اور سیاسی پارٹیوں کے محاذ کو مضبوط کرنا تقاضائے اسلام سمجھتے ہیں۔

پہلے ہم خواتین کو ووٹ کا حق دینے میں راضی نہ تھے اب ان کی صدارت کے لیے کوشش کرتے ہیں، پہلے ہم ”اپوائز“ کے زبردست ناقد تھے۔ اب انہیں کا ایک حصہ متحدہ حزب اختلاف کی خواتین کمیٹی کی صورت میں منظم ہوا ہے تو ہمارے اکابرین کی بیگمات ان کے جلسوں سے خطاب فرماتی ہیں پہلے ہم طلباء کو عملی سیاست میں حصہ لینے سے روکتے تھے، اب ان سے عملی سیاست میں شریک ہونے کی اپیلیں کرتے ہیں۔ پہلے ہم جلسوں اور نعروں کو غیر اسلامی کہتے تھے، اب غلاف کعبہ تک کے جلوس نکالتے اور اپنے رہنماؤں کے لیے زندہ باد کے نعروں نکالتے ہیں۔ پہلے ہم ان انسانی (غیر اسلامی) قوانین پر چلنے والی عدالتوں میں مقدمات لے جانا بڑا گناہ سمجھتے تھے اور ان ہی عدالتوں کو ہم عدل و انصاف کا محافظ قرار دیتے ہیں۔ پہلے ہم وکیلوں کو شیطانی برادری کا رکن سمجھتے تھے۔ اب ان ہی کو جمہوریت کا سرپرست کہتے ہیں..... یقین مانئے انتہائی دکھ کے ساتھ میں نے جماعتی تاریخ کی طرف یہ اشارہ کئے ہیں.....

ان مظاہروں کے بعد اپنے ارکان کے سوا کون ہمارے دینی فکر پر پھر فرسہ کرے گا..... جس جماعت کی..... یہ صورتحال ہو۔ جس کی قیادت اول سے آخر تک تنخواہ دار ہو۔ جس میں اظہار رائے پر قدغن ہو۔ جس میں مٹھی بھر لوگ ووٹ کا حق رکھتے ہوں۔ جس میں آپ کی پیش کردہ علمی اور دینی آراء سے اختلاف کرنا جماعت کی مخالفت کرنے کے مترادف ہو۔ اس میں ایسا آدمی کیسے داخل ہو سکتا ہے۔ جو خود سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو، ایسا شخص تفصیلاً معلوم کنے بغیر شامل ہو بھی جائے تو وہ یہاں پنپ نہیں سکے گا.....



..... جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ جماعت کی اخلاقی حالت میں اپنے آپ کو مستثنیٰ قرار نہیں دوں گا۔ انتہائی حد تک زوال پذیر ہو چکی ہے اور..... حالات روز بروز بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں تو میری مایوسی اور شدید ہو جاتی ہے۔ میں نے اس سلسلہ میں کئی مرتبہ آپ کو توجہ دلائی ہے اور مجھے یاد ہے ہر بار آپ دل گرفتہ ہو کر سرختم کر بیٹھ جاتے تھے اور اعتراف کر لیتے تھے کہ یہ سب کچھ آپ کو معلوم ہے مگر آپ کچھ نہیں کر سکتے اس اکتوبر ۱۹۷۳ء کو اپنے منصب سے مستعفی ہونے وقت میں نے تحریری طور پر عرض کیا تھا کہ..... احیاء دین کا کام کرنے کے لئے جو کم سے کم ضروری صفات ہم میں ہونی چاہئیں۔ ہماری عملی زندگی ان کی شہادت نہیں دیتی۔ جماعت کے دروہت پر قابض بھاری بھاری مشاہیرے لینے والے ہمارے بعض رہنما ایک دورے کی ٹانگ کھینچنے، الزامات عائد کرنے اور جھگی اور نعیت کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ بعضوں کی بول چال تک آپس میں بند ہے..... مجھے یقین ہے کہ ”گیلانی برادران“ اور ”کراچی گروپ“ وغیرہ کی افسوسناک اصطلاحیں آپ کے کانوں کے لئے بھی اجنبی نہیں ہوں گی۔ اختلاف رائے کو برداشت نہیں کیا جاتا..... ہاں میں ہاں ملانے والے علم دین سے کورے اور عربی زبان سے بالکل نابلد افراد کو جماعت کی صفت اول میں لانے کی کوشش کی جا رہی ہے..... ہماری تنظیم متقرب حانات ہمارے لئے سب سے بڑا خطرہ ہیں اور اس وقت لوگ اگر ہمارے باہمی تعاون اور تعلقات کے مداح ہیں تو اس کا سبب یہ ہے کہ دوسری جماعتوں کی طرح ہمارے اندرونی حالات خوش قسمتی سے اختیارات میں شائع نہیں ہوتے..... جماعت میں باہمی عداوتیں ترقی پر ہیں۔ لین دین کے معاملات میں کارکن تو ایک طرف سے

ہمارے رہنما تک افسوس ناک کردار رکھتے ہیں۔ اناتیس ضائع ہو رہی ہیں۔ عشرہ اور زکوٰۃ کی رقوم سیاسی اور انتخابی مہمات اور ہمہ وقت کارکنوں کی تنخواہوں پر صرف کی جا رہی ہیں۔ رائج الوقت سیاسی تجزیں اتنی مرغوب ہو چکی ہیں کہ ہماری مجالس میں خدا اور رسول کا تذکرہ بھی برائے بیت رہ گیا ہے۔ عبادات میں ہم سخت تساہلی کاشکار ہیں اور شاید یہ بھی ہمارے لٹریچر کا غیر شعوری اثر ہے جس میں عبادات کو مقصود کے لئے ذریعہ اور وسیلہ قرار دیا گیا ہے..... میرا خط طویل ہو گیا۔ اس میں بعض تکلیف دہ باتیں بھی یقیناً ہوں گی اور آپ ہمیشہ مجھ پر جو شفقت فرماتے رہے ہیں۔ اس کے پیش نظر اتنی جرأت بھی مجھ کو جسارت نظر آتی ہے۔ لیکن خدا گواہ ہے کہ میں نے یہ سب کچھ معاندانہ جذبے سے نہیں ایک حقیقی ہی خواہ اور ہمدرد کے جذبے سے سپرد قلم کیا ہے..... جماعت سے میرا پندرہ سولہ سالہ تعلق مجبور کرتا ہے کہ میں آپ کے دوسرے مشیروں کی طرح محض ”سب اچھا“ رپورٹ آپ کے سامنے پیش نہ کروں۔ بلکہ پوسٹ کنندہ حقائق پر آپ کو غور و فکر کی دعوت دوں۔ اب کیا ہو۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔“ اے

موصوف نے مزید لیوں وضاحت کی ہے :-

کوثر نیازی صاحب نے اس خط میں یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ مذکورہ بالا مسائل پر غور و فکر کے لئے کل پاکستان جماعت اسلامی کے ارکان کا اجتماع طلب کیا جائے لیکن امیر جماعت جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے نہ صرف یہ کہ ان کی تجویز کو مسترد کر دیا۔ بلکہ انھیں جماعت سے

اے قوی آواز، لکھنؤ، یکم مارچ ۱۹۶۵ء۔

استغفیٰ دینے کی ہدایت کی اور ساتھ ہی ساتھ اس امر کا خدشہ ظاہر کیا کہ اس تنقید کے پیچھے ”دوسرے محرکات“ ہیں۔ اے امیر جماعت کا ہدایت نامہ موصول ہوتے ہی کوثر نیازی صاحب نے ۱۹ فروری ۱۹۶۵ء کو اپنا استغفیٰ نامہ ان کی خدمت میں پیش کر دیا اور اس طرح جناب کوثر نیازی صاحب نے بالآخر وہ تاریخی دستاویز مرتب کر دی جو نام نہاد جماعت اسلامی کی زبوں حالی، اخلاقی زوال، دستوری اختلال، ابن الوقتی، مکر دار کی پستی اور اقامت دین کے نام پر سیاسی منصوبہ بندی کی آئینہ دار ہے۔ استغفیٰ کے متن کا ہر لفظ ماتم وگر یہ اور عبرت کا طوفان لئے ہوئے ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

”آپ کی طرف سے میرے خط مورخہ ۱۲ فروری ۱۹۶۵ء کا جواب موصول ہوا۔ مجھے افسوس ہے کہ اپنے خط کے آخری حصے میں میں نے جس خدشہ کا اظہار کیا تھا کہ کہیں ان دردمندانہ معروضات پر غور کرنے کے بجائے آپ غصہ میں نہ آجائیں۔ وہی ہوا اور آپ نے مختصر جواب میں وہ سب کچھ کہہ دیا۔ جو غصہ کی حالت میں کہا جاسکتا تھا۔ آپ نے فرمایا ہے کہ جماعت کی پالیسی اور حالات کے متعلق ایک مدت سے میں جس اضطراب میں مبتلا تھا۔ اس کے ہوتے ہوئے مجھے بہت عرصہ پہلے جماعت سے مستغفیٰ ہو جانا چاہئے تھا۔ آپ کا ارشاد بظاہر قابل التفات نظر آتا ہے۔ لیکن اگر آپ تھوڑی دیر کے لئے جذبات میں آنے کے بجائے ٹھنڈے دل سے غور کرتے تو اس طرح کا انداز ہرگز اختیار نہ فرماتے۔ میں نے جن بلند توقعات اور اصلاح ذات اور خدمت دین کی جن حسین آرزوؤں

اے :- ملاحظہ ہو ”قومی آواز“، لکھنؤ۔ ۲۷ فروری ۱۹۶۵ء

ے ساتھ جماعت اسلامی میں شرکت کی تھی۔ ان میں اتنی قوت تھی کہ میں جب بھی جماعت کی تباہ کن غلطیوں سے مضطرب ہو کر جماعت کو چھوڑنے کا ارادہ کرتا تھا، مجھے یوں محسوس ہوتا تھا۔ جیسے میری روح قبض ہو رہی ہے اور یہ ایک نفسیاتی حالت ہے۔ جسے ہر شخص باسانی سمجھ سکتا ہے جس کے پہلو میں دل ہو، جس نے خدمتِ دین اور نجاتِ اخروی کی خاطر محض کستی تنظیم میں شرکت ہی نہ کی۔ بلکہ اس کے لئے والدین اور اعزاء و اقربا کو چھوڑا، اپنوں کو بیگانہ بنایا اور دنیا بھر سے لڑائی مول لی۔

دوسری وجہ جماعت میں برابر شامل رہنے کی یہ تھی کہ جماعت ایک مدت سے ابتلا کے ایک دور سے گزر رہی تھی اور اگرچہ یہ ابتلا خود جماعت کی بعض غلطیوں کا بھی نتیجہ تھا لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ جماعت آزمائش اور امتحان کے مرحلے سے گزر رہی ہو اور میں اس سے الگ ہو جاؤں۔

..... تیسری وجہ یہ تھی کہ میں نے ان خرابیوں کو جب کبھی آپ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے بظاہر تو بڑی فکر مندی کا اظہار فرمایا اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ آپ ان حالات سے آگاہ بھی ہیں اور اصلاح کا بھی کچھ نہ کچھ جذبہ رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب تک میں گلیتہ مایوس نہ ہو جاتا اور یقین نہ کر لیتا کہ دوسرے حضرات کے ساتھ ساتھ جماعت کو اس فابہلاکت میں ڈھکیلے کے خود آپ بھی پوری طرح ذمہ دار ہیں۔ میں اس اقدام کے لئے تیار نہ ہو سکتا تھا اور اب جب کہ یہ حقیقت عیاں صورت میں میرے سامنے ہے۔ میں ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر اس فرض سے عہدہ برآ ہو رہا ہوں..... میں نے جماعت کو حق کا علمبردار سمجھا تو اس کی ایک ایک بات کی تبلیغ و تائید میں کوئی کسر

نہیں اٹھا رکھی اور جن لوگوں نے جماعت کی مخالفت کی ان کے حملوں سے اسے محفوظ رکھنے کے لئے ان تمام توانائیوں کو چھوڑ دیا.....

اب اگر میں اپنے سترہ سالہ تجربات کی بنا پر اس آخری فیصلے پر پہنچ چکا ہوں کہ جماعت فکری و عملی دونوں پہلوؤں سے صراطِ مستقیم سے بھٹک چکی ہے اور اس فیصلے کا اظہار میں اس لئے لوگوں کے سامنے کروں کہ جن ہزاروں افراد کو میں نے جماعت سے متعارف کرایا کم از کم ان کے سامنے بری الذمہ ہو جاؤں تو میرا طرزِ عمل کیوں لٹو فی اللہ اور حقیقی بھی خواہی پر مبنی نہیں ہوگا؟ یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو آپ تجدید و احیائے دین کا کام کرنے کے لئے اولین ضرورت یہ محسوس فرماتے ہیں کہ صدیوں پہلے فوت ہونے والے ان نفوسِ قدیمہ پر شدید ترین تنقید کریں۔ جو تقویٰ، اللہیت، اخلاص اور دین کے لئے ایشیا کرنے میں ضرب المثل ہوں اور پھر اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے آپ مستقل تصانیف شائع فرمائیں۔ لیکن اگر کوئی شخص دیانت داری سے مسلسل تجربات و شواہد کے بارے میں یہ رائے قائم کرے کہ آپ کا طرزِ عمل غلط، دین کے خلاف یا مسلمانوں کے لئے گمراہ کن ہے اور وہ اپنی اس رائے کو باقاعدہ دلائل کے ساتھ پیش کرے تو آپ اس شخص کے بارے میں یہ فتویٰ صادر فرمادیں کہ یہ اخلاص اور اللہیت سے محروم ہو چکا ہے اور بعض دوسرے محرکات کے تحت یہ کام کر رہا ہے۔

..... ۱۹۴۱ء سے لے کر اب تک جس کسی شخص نے جماعت سے اختلاف یا علیحدگی اختیار کی، آپ نے ہمیشہ اس کے بارے میں ان ہی دوسرے محرکات کا ذکر فرمایا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ اس اختلاف میں نخلص نہ تھا..... تو مجھ ایسا

سراپا معصیت آپ کی اس نوازش پر شکوہ بنج کیوں ہو۔ البتہ یہ بات انتہائی تعجب کا باعث ہے کہ کل تک جو شخص خود آپ کے نزدیک پورے حلقے کے قیم سے لے کر امیر تک کے لئے انتہائی موزوں آدمی تھا۔ اس فیصلے کے بعد آپ اس کے ”دوسرے محرکات“ متعین فرمانے لگے ہیں۔ کیا اس طرز عمل کے بعد ان لوگوں پر تنقید کی جاسکتی ہے جو سیاسی اختلافات کے بعد اپنے مخالفین کو بددیانت اور مفادپرست کہہ کر دیانت داری کے اجارہ دار بنتے ہیں؟

جماعت میں میری شمولیت کے محرکات کیا تھے اور جو تھوڑی بہت خدمت دین بہ لوفیق ایزدی میں نے انجام دی ہے۔ اس کے محرکات کیا تھے اور آپ کے اس طرز عمل کے خلاف اظہار رائے کے مجاہد کیا ہیں؟ ان کا بھید اس روز کھلے گا۔ جس دن تمام چہروں سے نقاب اٹھ جائے گا۔ اور اس دن میں داور محشر کے حضور آپ سے ان دوسرے محرکات کو متعین کرنے کا سوال کر سکوں گا۔

آپ کے اس خط کے بعد اب میں جماعت میں شریک رہنے کا کوئی بہار نہیں پاتا۔ لہذا میں جماعت اسلامی کی رکنیت سے مستعفی ہوتا ہوں اور اپنے رؤف و رحیم رب سے انتہائی شرمساری اور عاجزی کے ساتھ دعا کرتا ہوں کہ جماعت کے جبری نظام کے تحت میں نے جماعت کی جن غلط باتوں کی تائید کی ہے اور بالخصوص جن بعض دینی حقائق کو جماعت کے غلط فیصلوں کی وجہ غلط تاویلات کی صورت میں پیش کرنے کا مرتکب ہوا ہوں اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے اور مجھے اس کی تلافی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔“

لے :- قومی آواز۔ مکتوم، مارچ ۱۹۶۵ء۔

# کوثر نیازی کے خط

اور

استغفری کا سرسری جائزہ



اتنی نہ بڑھا پائی داماں کی حکایت  
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

”میں نے غریب اسلام پر جو نوازش کی ہے اور حرمتوں کی ابدی اور غیر ابدی تقسیم کا جو نیا طریقہ پیش کیا ہے۔ اس کے بعد دینی حلقے تو ایک طرف رہے۔ دوسرے غیر جاہلدار عناصر حتیٰ کہ اپوزیشن تک کے بعض نمایاں افراد ہمیں ابن الوقت اور سیاست کی خاطر دین میں ترمیم و تحریف کرنے والا گروہ تصور کرنے لگے ہیں“ (نیازی)

**نوٹ :-** ”جادو وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے، میرے اپنے خیال میں یہ اتنی بولتی ہوئی عبارت ہے۔ جو محتاج تبصرہ نہیں ہے۔ بس اس کے بعض بعض جملوں کو بار بار پڑھنے اور جماعت کے ظاہری تقدس اور باطنی کثافت کا اندازہ کیجئے مثلاً

میں نے غریب اسلام پر جو نوازش کی ہے۔۔۔۔۔ ہمیں ابن الوقت اور سیاست کی خاطر دین میں ترمیم و تحریف کرنے والا گروہ تصور کرنے لگے ہیں۔“  
جماعتی پالیسی کی جبریت کے تحت میں خود آپ کے اس نظریے کا

دفاع کرنے والوں میں شامل رہا ہوں“ (نیازی)

**نوٹ :-** جماعت اسلامی کے اہل قلم، جماعتی پالیسی کی جبریت کے تحت یا تنخواہ دار ہونے کی حیثیت سے مودودی صاحب کے غلط نظریات کی تاویل پر مجبور ہوتے ہیں اپنے پیٹ دردئی کی خاطر غریب عوام کو دھوکے میں رکھ کر ان کی آنکھ میں دھول جھونکی جاتی ہے۔

”میں جس بات کو شرعاً درست نہیں سمجھتا تھا صرف جماعتی قواعد و ضوابط

کی وجہ سے اس معصیت پر مجبور ہو گیا کہ اب اس کی نمائندگی کروں“ (نیازی)  
**نوٹ :-** یہ اسی قسم کی تحریف ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔

”ہم نے اپنی اجتہاد ہی رائے کو نص کا درجہ دے کر اس پر تنقید کرنے

سے دریغ نہیں کیا۔ (نیازی)



نوٹ: مودودی صاحب علمائے حق پرست پر کٹھ ملائیت کی چھاپ لگا کر جس اجتہاد کی دعوت دے رہے ہیں، ماتھے کی آنکھ سے اس کا ننگا ناچ دیکھئے ہم نوٹ پر قائد اعظم کی تصویر چھاپنے پر سخت برہم تھے۔ صدارتی انتخاب میں ہمارے کامیابوں نے ان کی بہن "فاطمہ جناح" کے دوپر گلی گلی فروخت کئے، بڑی نوٹ:۔ سینما تو یہ کہہ کر مباح اور جائز قرار دے دیا گیا کہ وہ تصویر نہیں ہے بلکہ "پڑچھاپیں" ہے۔ یہ نہ معلوم ہوسکا کہ "دوپر" کے لئے مجتہد العصر مودودی صاحب نے کون سی دلیل پیش فرمائی ہے۔

"ہمارے اکابرین کی بیگمات ان کے جلسوں سے خطاب

فرماتی ہیں۔ (نیازی)

نوٹ:۔ ع آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

جس جماعت کی یہ صورت حال ہو، جس کی قیادت اول سے آخر

تک تنخواہ دار ہو۔ جس میں اظہار رائے پر قدغن ہو (نیازی)

نوٹ:۔ اس کے سوا اور کیا کہا جائے۔ منیجر فروشوں کا ایکسچم غیرت،

ع مرگ (توہ ہشتہ وار)

"جماعت کے دروہت پر قابض بھاری بھاری مشاہیر لیتے

والے ہمارے بعض رہنما ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچتے، الزامات عائد

کرنے اور چغلی وغیبت کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ بعضوں کی بول چال

تک آپس میں بند ہے" (نیازی)

نوٹ:۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا "چغل خوروں کی جماعت ہے" البتہ

یاد پڑتا ہے کہ شاید ایسے ہی لوگوں کے لئے کہا گیا ہے "تین کے اچھے مون کے

کالے" "بعضوں کی بول چال تک آپس میں بند ہے"

شرعیہ:۔ مطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تو اس کی اجازت نہیں ملتی۔ ہوسکتا

ہے۔ "شرعیہ مودودی" میں اسے جائز قرار دیا گیا ہے۔

”ہاں میں ملائے والے علم دین سے کورے اور عربی زبان سے  
بالکل نابلد افراد کو جماعت کی صف میں لانے کی کوشش کی جا  
رہی ہے“ (نیازی)

نوٹ :- یہ شکوہ عبت ہے۔ ع۔ نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی  
سے نہ گورے کو دیکھیں نہ کالے کو دیکھیں

پیا جس کو چاہیں سہاگن وہی ہے

”اور اس وقت لوگ اگر ہمارے باہمی تعاون اور تعلقات کے  
مداح ہیں تو اس کا سبب یہ ہے کہ دوسری جماعتوں کی طرح ہمارے  
اندرونی حالات خوش قسمتی سے اخبارات میں شائع نہیں ہوتے“ (نیازی)  
نوٹ :- بد قسمی سے آپ نے اس کی داغ بیل ڈال دی۔

”امانتیں ضائع ہو رہی ہیں۔ عشر اور زکوٰۃ کی رقوم خالص سیاسی اور

انتخابی مہمات اور ہمہ وقتی کارکنوں کی تنخواہوں پر صرف کی جا رہی ہیں۔“  
نوٹ :- قیام اسٹیٹ سے پہلے خلافت علی منہاج البنوۃ کی رہ گمان

خوش (یہ زندہ تصویر ہے۔ قیام اسٹیٹ کے بعد خدا حافظ۔ شاید کہ یتیموں کے  
کرتے تک اردائے جائیں۔

”راج الوقت سیاسی بختیں اتنی مرغوب ہو چکی ہیں کہ ہماری مجالس  
میں خدا اور رسول کا تذکرہ برائے بیت رہ گیا ہے“ (نیازی)

نوٹ :- اسے بھی غنیمت جانئے دل نہ سہی تو زبان ہی وصل جاتی ہے۔  
عبادات میں ہم سخت تساہل کا شکار ہیں اور شاید کہ یہ بھی ہمارے

لٹریچر کا غیر شعوری اثر ہے۔ جس میں عبادات کو مقصود کے لئے ذریعہ اور  
وسیلہ قرار دیا گیا ہے۔

نوٹ :- یہ ہے پتہ کی بات۔ کاش کہ جماعت کے دانشور حضرات نیازی

صاحب کی دعوت حق پر ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں سعی کرتے۔

## دعویٰ اور عمل کا تضاد

اتباع قرآن و سنت کے بلند بانگ دعوے اور فقہاء و محدثین اور جماعت صحابہ کی۔ اے پر بے لاگ تبصرہ کرنے والے مودودی صاحب کے دعوے اور عمل کا تضاد ملاحظہ فرمائیے!

”جماعت بطور جماعت کوئی فیصلہ کرے تو اسے کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ مجلس مشاورت نے میری عدم موجودگی میں محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت کا فیصلہ کیا ہے۔ میں اس فیصلے سے کسی صورت بھی مجال انکار نہیں کر سکتا۔“

کوہستان ۱۰/۴

# مودودی اقتباسات

## پر ایک طائرانہ نگاہ

مودودی صاحب کی آمرانہ ذہنیت — مطلق العنان الشاء پر داری —  
 عمائد ملت پر بے محابہ تنقید — اپنی مجددیت و مہدیت کا درپردہ اعلان  
 سلف صالحین سے اظہارِ بیزاری — تیرہ سو سالہ اسلام پر قدامت کا الزام  
 مدارس و خانقاہوں پر شبہ — علماء و مشائخ کا استہزاء —  
 ہر طرف سے نظریں ہٹا کر اپنی شخصیت کو سہرا پر مرکزِ توجہ بنانے کے نت  
 نئے ہمیرے پھیرے، تو سن چکے ہوں گے اب آنکھوں سے دیکھئے ”السی  
 گنگا بہہ رہی ہے۔“

کوئی ان کی قبا کی بندوشوں کو کچھ نہیں کہتا  
 مرا ذوقِ جنوں ہی مفت میں بدنام ہوتا ہے

## عرضداشت

اب اگلے صفحات پر آپ جو کچھ بھی ملاحظہ فرمائیں گے۔ اس کی  
 حیثیت ”انکشافات“ پر حاشیہ کی ہے۔ یا اس کی شرح!  
 اور اسی کو میں نے ”شیش محل“ کا نام قرار دیا ہے۔  
 نوٹ کے زیر عنوان اپنی تشریح ہے اور۔  
 تبصرہ مرتب ”انکشافات“ کا۔  
 حق پسند ناظرین سے گزارش ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ کے  
 بعد وہ اپنی غیر جانبدارانہ رائے سے مطلع کریں۔

نظمی!

مودودی صاحب لکھتے ہیں :-

آجکل کے ڈیکل کالجوں اور نرسنگ کی تربیت گاہوں

اور ہسپتالوں میں مسلمان لڑکیوں کو بھیجنے سے لاکھ درجے بہتر ہے کہ ان کو قبروں میں دفن کر دیا جائے۔ رائج الوقت گریجویٹوں میں جا کر تعلیم حاصل کرنے اور پھر معلمات بننے کا معاملہ بھی اس سے کچھ بہت مختلف نہیں ہے۔

نوٹ :- مجتہد العصر صاحب زہد و تقویٰ حضرت مولانا مودودی خود اپنے ارشادات پر کس کتاب عمل پیرا ہیں۔ اس کو فارسی عبد الحمید کی زبان میں سینے بہا جو مودودی صاحب کو بہت قریب سے دیکھنے والوں میں ہیں۔ میری نیشیت محض نافعہ کی ہے۔

تبصرہ :- اگر ابوالفریب مکار ملا مودودی کا یہ فتویٰ شرعی ہے

اور دیانت و خلوص پر ہی محمول ہے تو پھر وہ نبلا میں کہ اپنی لڑکیوں کو

بی۔ اے اور ایم۔ اے کون سے آسمانی کالجوں میں بھیج کر کرایا ہے۔

کیا اس کا نام بد عملی نہیں؟ اور کیا اسلام کی پیشوائی کا گھنڈہ رکھنے والے

اور عالم اسلام میں تجدید و احیاء دین اور اقامت دین کے علمبردار اور

دعویدار کے لئے یہ بات قابل شرم و غیرت اور قابل لعنت نہیں؟ کہ اپنے

لڑکے اور لڑکیوں کو بھی غیر شرعی اور غیر اسلامی مکروہ ترین عریاں اور نیم

برہنہ لباس پہنوائے اور ان کو بخوشی اپنے گھروں میں بھی رکھے اور دوسرے

بزرگوں اور ولیوں پر تنقید اور انگشت نمائی کرے۔

نوٹ :- یہ اگرچہ کوئی اصولی و بنیادی بحث نہیں۔ پھر بھی کسی جماعت کے امیر

و قائد کے حق میں لمحہ فکر یہ ہے اور وہ بھی کسی سیاسی جماعت کا نہیں بلکہ جماعت اسلامی کا

۱. رسائل و مسائل حصہ اول، سہ ماہی بعنوان نقیبات ۲۷، انکشافات ۶۴۔

تاکد جس کے نقش قدم پر چلنے کی دعوت دی جاتی ہو۔

## مودودی صاحب کی "میں"

عنوان بالا کے تحت چند ایسے حوالہ جات پیش کئے جاتے ہیں جس سے اس امر کا بخوبی اندازہ ہوگا کہ مودودی صاحب کی "میں" یعنی نپدار و غرور کا وہ صنم اکبر جس کی پرستش و پوجا میں وہ خود مبتلا ہیں اور جماعت کی جماعت سر نیاز خم کئے ڈنڈوٹ کر رہی ہے اور وہ میں کتنی خطرناک اور وحشتناک ہے اور تفہیم القرآن سے متعلق خود مودودی صاحب کی رائے پڑھئے اور ان کی ناروا جسارت و بیباکی پر ماتم کیجئے۔

میں نے اس میں قرآن کے الفاظ کو اردو کا جامہ پہنانے کے بجائے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کی ذہنی عبارت کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے۔ اسے حتی الامکان صحت کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کر دوں۔ اے

نوٹ :- مودودی صاحب کا مطالعہ قرآن اس قید و بند کا پابند نہیں کہ آیت کے ضمن میں رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کیا بات ارشاد فرمائی۔ عبد اللہ ابن عباس اور عام صحابہ اور خلفائے راشدین سے کیا کچھ منقول ہے۔ یہ سب ان کی نظریں پرانا ذخیرہ اور ایک فرسودہ کہانی ہے۔ بلکہ اب وہ جو کچھ اپنی قوم کو دینا چاہتے ہیں۔ وہ یہ کہ تلاوت قرآن سے ان کے ذہن نے کیا اخذ کیا اور دل نے کیا قبول کیا۔ سوال کیا جاسکتا ہے کہ درس گاہ نبوت کے تربیت یافتہ صحابہ تک معیار حق نہیں پھر اس کی کیا ضمانت جو آپ کے ذہن و فکر نے قبول کیا ہو۔ وہ سولہ آنہ صحیح ہے۔ جس کے تسلیم کرنے میں آپ اور آپ کی جماعت کے تنخواہ دار ملازمین اٹری چوٹی کا روز لگا دیتے

ہیں اے :- تفہیم القرآن دیباچہ صفحہ ۱۱، بعنوان تفسیر لکھنے کے وجوہ

مودودی صاحب جملہ مسلمانوں سے علیحدہ ہونے کا اقرار یوں کرتے ہیں۔

اسلام کو جس صورت میں میں نے اپنے گرد و پیش کی سوسائٹی

میں پایا۔ مرے لئے اس میں کوئی کشش نہ تھی نہ تنقید و تحقیق کی صلاحیت

پیدا ہونے کے بعد پہلا کام جو میں نے کیا وہ یہی تھا کہ اس بے روح مذہبیت

کا قلاوہ اپنی گردن سے اتار پھینکا جو مجھے میراث میں ملی تھی۔ (اے)

نوٹ :- یہ مودودی صاحب کی بہت لمبی میں ہے، جو صرف ان کے

قدناز پر زب دیتی ہے۔ جب چاہے اسے پہن لیں اور جب چاہیں اتار پھینکیں مجھے

اس سے بحث نہیں کہ جو اسلام مودودی صاحب کو میراث میں ملا تھا۔ وہ کیا تھا اور

کیسا تھا؟ البتہ جو بات قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ اس اسلام میں کوئی کشش نہ تھی

یا خود آنجناب کی طبیعت میں کچی تھی۔ جو اس کے قبول کرنے سے مانع ہوئی۔ اس

حد تک تو یہ تسلیم کرنا ہی ہو گا کہ جس بے روح مذہبیت کا قلاوہ آپ نے اپنی

گردن سے اتار پھینکا ہے۔ اس میں نہ تو سینما مباح رہا ہو گا اور نہ ہی تصوف سے

اس حد تک پرہیز کو لازم قرار دیا ہو گا۔ جتنا کہ ذیابیطس کے مریض کو شکر سے

تنقید و تحقیق کی صلاحیت پیدا ہونے کے بعد اگر آپ اتنا بھی نہ کرتے تو شان اجہاد

کا مظاہرہ کیونکر ہوتا؟ جبکہ وہ اپنے وضع کردہ نظریات کی راہ میں احادیث تک

کو حامل نہیں ہونے دیتے مثلاً

”کتاب“ علامات قیامت میں جس روایت کا ذکر ہے۔ اس کے

متعلق میں نفیاً یا اثباتاً کچھ نہیں کہہ سکتا اگر وہ صحیح ہے اور فی الواقع حضور

نے یہ خبر دی ہے کہ مہدی کے بیعت کے وقت آسمان سے ندا آئیگی

اے: مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم صفحہ ۲۴، بعنوان ”تعارف مقصد“



هَذَا حَلِيفَةُ اللَّهِ الْمُهْدِي نَا سَمِعُوا لَهُ وَأَطِيعُوا“

تو یقیناً میری وہ رائے غلط ہے۔ جو تجدید و احیاء دین میں میں نے ظاہر کی ہے۔ لیکن مجھے یہ توقع نہیں کہ حضور نے ایسی بات فرمائی ہوگی۔ اسے نوٹ :- خوش اعتقادوں کی انتہا تو یہ ہے کہ تنقید و تحقیق کی صلاحیت پیدا ہونے کے بعد مودودی صاحب نے بے روح مذہبیت کا قلاوہ اتار پھینکا لیکن حیرت سرپیٹ رہی ہے کہ کتاب علامات قیامت کی مندرجہ بالا حدیث سے متعلق مودودی صاحب یہ کہہ گزر گئے کہ ”اس کے متعلق میں نفیاً و اثباتاً کچھ نہیں کہہ سکتا“ یعنی یہ حدیث صحیح ہے یا غلط، یہ نہ سمجھیے کہ مودودی صاحب کی میں، مات کھا گئی بلکہ یہ ان کی عین مصلحت کا تقاضا ہے کہ اس حدیث کو یونہی گول مول چھوڑ دیا جائے ورنہ وہ اس ٹکڑے کا اضافہ ہرگز نہ کرتے۔ ”مجھے یہ توقع نہیں کہ حضور نے ایسی بات فرمائی ہوگی“۔ عجب کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ بس بات اتنی ہی ہے کہ اگر اس حدیث کو مودودی صاحب صحیح تسلیم کر لیتے ہیں تو مہدویت کا خود حجت محل ڈھ جائے گا۔

اب بخاری شریف پر مودودی صاحب کا گرم تیور ملاحظہ کیجئے۔ یہ دعویٰ کہ نہ صحیح نہیں کہ بخاری میں جتنی احادیث درج ہیں۔ ان کے مضامین کو بھی جوں کاتوں بلا تنقید قبول کر لینا چاہئے۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی جان لینے کی ہے کہ کسی روایت کے سنداً صحیح ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا نفس مضمون بھی ہر لحاظ سے صحیح اور جوں کاتوں قابل قبول ہوئے۔

اسے رسائل و مسائل حصہ اول صفحہ ۴۳۔ بعنوان ”سند مہدی“ سے رسائل و مسائل حصہ دوم صفحہ ۴۲ بعنوان ”چند احادیث پر اعتراض اور اس کا جواب“

نوٹ ۱۔ چاہئے تو یہ تھا کہ بخاری کی ان احادیث کو چھانٹ کر الگ کر دیتے۔ جن کے مضامین بلا تنقید ناقابل قبول نہیں ہیں اور ایسے ہی ان احادیث کی بھی نشاندہی کر دی جاتی کہ روایت کے سنداً صحیح ہونے کے باوجود ان کے مضامین کو جوں کاتوں قبول کر لینا کچھ ضروری نہیں، البتہ جو بات آپ ارشاد فرمائیں اسے جوں کاتوں قبول کر لینا عین اسلام ہے۔ ورنہ امیر کی مخالفت قرآن و سنت کی مخالفت کے مترادف ہو گی۔ یہ داؤں پیچ تو آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

آپ کے نزدیک ہر اس روایت کو حدیث رسول مان لینا ضروری ہے۔ جسے محدثین سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیں۔ لیکن ہم سند کی صحت کو حدیث کے صحیح ہونے کی لازمی دلیل نہیں سمجھتے۔ ہمارے نزدیک سند کسی حدیث کی صحت معلوم کرنے کا واحد ذریعہ نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہم یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ متن پر غور کیا جائے۔ قرآن و حدیث کے مجموعی علم سے دین کا جو فہم ہمیں حاصل ہوا ہے۔ اس کا لحاظ بھی کیا جائے؛ اے

نوٹ ۲۔ افسوس کا مقام ہے! گویا حدیث اور محدثین پر سے اعتبار و بھروسہ اٹھ چکا ہے۔ محض اپنی وہ فہم جو اپنے مطالعہ سے حاصل ہے۔ وہ ہی قابل اعتناء ہے۔ خدا را مسلمانوں پر ترس کھائیے۔ اگر آپ اعتبار کھو بیٹھے ہیں تو ان غریبوں پر رحم کیجئے جو اسلاف و اکابر کے دامن سے وابستہ ہیں۔ جس میں ان کی سعادت و سلامتی ہے۔ ابھی اہل علم سے دنیا اس حد تک خالی نہیں۔ کہ آپ کی توثیق کے بغیر وہ حدیث و محدثین پر سے اپنا بھروسہ اٹھالیں۔ یہ بات صرف آپ کے زرخیز بد غلاموں کے حلق سے آ کر سکتی ہے۔ جن کی نظریں آپ

اے (رسائل دم نمل حصہ اول ص ۲۳۳، بعنوان "خلافیات")

کی رائے حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ کانا دجال وغیرہ تو افسانے ہیں۔ جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ ان چیزوں کو تلاش کرنے کی ہمیں کوئی ضرورت بھی نہیں عوام میں اس قسم کی جو باتیں مشہور ہوں۔ ان کی کوئی ذمہ داری اسلام پر نہیں ہے اور ان میں سے کوئی چیز اگر غلط ثابت ہو جائے تو اس سے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔۔۔۔۔ اے

نوٹ :- احادیث کو "افسانہ" مودودی صاحب جیسا ہی قصہ گو اور افسانہ نویس کہہ سکتا ہے۔ جس کے دل میں عظمت نبوت اور خشیت الہی کا کوئی جذبہ ہوگا۔ وہ کبھی بھی ایسی جسارت نہ کر سکے گا۔ اسے تنقید و تحقیق کہا جائے یا دین سے لہو و لعب اور کھیل تماشا۔ خطا معاف! کانا دجال کے بارے میں کوئی کانا دجال ہی الیہ کہہ سکتا ہے۔

کیا ساڑھے تیرہ سو برس تک بھی اس شخص کا ظاہر نہ ہونا جسے حضرت تمیم نے جزیرے میں مجبوس دیکھا تھا؟ یہ ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے کہ اس نے اپنے دجال ہونے کی جو خبر حضرت تمیم کو دی تھی۔ وہ صحیح نہ تھی؟ حضور کو اپنے زمانے میں بھی اندیشہ تھا کہ شاید دجال آپ کے عہد ہی میں ظاہر ہو جائے یا آپ کے بعد قریبی زمانے میں ظاہر ہو۔ لیکن کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ساڑھے تیرہ سو برس گزر چکے ہیں اور ابھی تک دجال نہیں آیا ہے۔ اے

نوٹ :- ناظرین سے بس اتنی گزارش ہے کہ ایک ایک اقتباس

۱: (رسائل و مسائل حصہ اول صفحہ ۲۶ بعنوان "قرآن و حدیث اور سائٹیفک حقائق")

۲: (رسائل و مسائل حصہ اول صفحہ ۴۶، بعنوان "تحقیق۔ دجال")

کو سنجیدگی و متانت سے پڑھ کر اس کا اندازہ کریں کہ ”گنگا سیدھی بہہ رہی ہے یا لٹی؟“  
 ”جہاں تک اسناد کا تعلق ہے۔ ان میں سے اکثر روایات  
 کی سند قوی ہے اور باعتبار روایت اس کی صحت میں کلام نہیں کیا  
 جاسکتا۔ لیکن حدیث کا مضمون صریح عقل کے خلاف ہے اور پکار پکار  
 کر کہہ رہا ہے کہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ہرگز نہ  
 فرمائی ہوگی۔ اے

نوٹ :- یہ ایک بہت ہی آسان طریقہ ہے۔ جو حدیث بھی ”مودودی شریعت“  
 سے ٹکرائے۔ اس کے متعلق یہ کہہ دیا جائے کہ ”یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس  
 طرح ہرگز نہ فرمائی ہوگی“ ”بات دو ٹوک ہونی چاہیے“ اگر آپ کی نظریں وہ  
 حدیث قابل تسلیم نہیں تو کھل کر اس کا انکار کر دیجئے اور قابل تسلیم ہے تو اس پر صاد  
 کیجئے۔ دین میں دو غلی پالیسی نہیں چلتی۔ یہ بھی کوئی صدارتی انتخاب کا مسئلہ ہے۔  
 کہ صبح کچھ اور شام کچھ!

**تبصرہ** | تادمی عبد الحمید صاحب کے لفظوں میں اب میں شیخ

الحدیث والتفسیر کہلانے والے ممتاز علماء اسلام اور دیگر محققین و  
 منشیکین حضرات سے دریافت کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا اقتباسات  
 پڑھنے اور سمجھنے کے بعد بھی مخرّب حدیث ابوالنقاد مودودی کے کوریکان  
 اور منکر حدیث ہونے میں مزید کوئی کسر باقی ہے؟ اور کیا منکر حدیث ثابت  
 ہونے کے لئے مودودی کی پیشانی پر دو عدد سینگوں کا پیدا ہونا ضروری  
 ہے؟ اگر انہیں تو پھر از روئے حدیث نبوی علمائے اسلام کی بے معنی،  
 خاموشی پر کیا قیامت میں ان کے منہ میں آگ کی لگام نہیں ڈالی جائے گی جبکہ اس  
 بے معنی خاموش رہنے کے اسباب بھی باقی نہ رہے۔ اے

۱۔ ماہنامہ رسالہ ترجمان القرآن صفحہ ۳۲ ج ۶۱ عدد ۱ بابت اکتوبر ۱۹۶۳ء (انکشاف صفحہ ۱۴)

## مجدد، مہدی اور دجال وغیرہ پر مودودی تحقیق

مجددیت و مہدویت کا کہیں بر ملا اعلان  
 اور کہیں درپردہ اسے کا اظہار، کانا دجال  
 سے متعلق جتنی حدیثیں ہیں۔ وہ سب  
 کی سب افسانہ ہیں۔ اور آج تک  
 مجد کالے پیدا نہیں ہوا۔۔۔ زمانہ چاہتا  
 ہے۔ اب ایسا لیڈر پیدا ہو۔ چودہ صدی  
 کے خانہ ساز مولانا مودودی کے مطلق العنان  
 انشا پر دازی سے ملاحظہ فرمائیے۔

مودودی صاحب لکھتے ہیں :-

تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کوئی مجدد کامل پیدا نہیں ہوا ہے۔ قریب تھا کہ عمر بن عبدالعزیز اس منصب پر فائز ہوتے مگر وہ کامیاب نہ ہوئے۔ ان کے بعد جتنے مجدد پیدا ہوئے۔ ان میں ہر ایک نے کسی خاص شعبے یا چند شعبوں میں کام کیا۔ مجدد کامل کا مقام ابھی تک خالی ہے۔ مگر عقل چاہتی ہے، فطرت مطالبہ کرتی ہے اور دنیا کے حالات کی رفتار متقاضی ہے کہ ”ایسا لیڈر“ پیدا ہو...“ اے نوٹ :- یہ بات قابل غور ہے کہ عمر بن عبدالعزیز سے لے کر کل تک دنیائے اسلام اوائل یا اواخر صدی میں کسی مجدد کی متقاضی ہوئی لیکن اب مجدد کی نہیں بلکہ ”لیڈر“ کی ضرورت ہے۔ عرف عام کے ایک مروج اصطلاحی لفظ کو چھوڑ کر اس کی جگہ دوسرے لفظ کا اختیار استعمال جماعت اسلامی کا روشن خیال طبقہ ہی مودودی صاحب کی اس فلاسفی کو سمجھ سکتا ہے۔

بھلا پرانے زمانے کے دقیانوسی ”ملے بہ زبان مودودی“ جو اپنی قوت اجتہادی تک گنوا چکے ہیں۔ وہ لیڈر اور مجدد کا فرق کیا سمجھیں، وہ تو لکیر کے فقیر ہیں جو لفظ ایشی اپنے بزرگوں سے ملا سے اپنی آنکھوں اور کلیجے سے لگائے رکھے۔ لیکن اجتہاد کا ڈھنڈورا پیٹ کر عہدِ ماضی کو زندہ کرنے والا جب تک اصطلاحات کو کھڑ بکھڑ نہ کر دے۔ وہ کسی نئی شریعت کی داغ بیل کیونکر ڈال سکتا ہے، وہ دن دور نہیں۔ جب مودودی شریعت میں مسجد کو مندر، گوردوارہ کو کلیسا، سیاسی رہنما کو مقتدانے ملت اور پادری کو نپڈہ کہا جائے گا۔

علاوہ ازیں مولانا مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ اب تک کوئی مجدد کامل پیدا

اے: (تجدید و احیاء دین ص ۴۶، العنوان سے ”مجدد کامل کا مقام“)

نہیں ہوا، عقل چاہتی ہے اور فطرت مطالبہ کرتی ہے کہ ایسا "لیڈر" پیدا جس کی دلیل خود ان کی نظر میں یہ ہے کہ اب تک جتنے مجددین پیدا ہوئے۔ انہوں نے دین کے خاص یا چند شعبوں میں کام کیا، یہ ان کی اپنی "میں" رائے ہے جس پر قرآن و سنت وغیرہ کی کوئی دلیل نہیں پیش کی گئی۔ اس کی انہیں ضرورت ہی کیا ہے، جماعت اسلامی کی نظر میں مودودی صاحب کی "میں" خود ایک عظیم دلیل ہے۔

قرآن و سنت کی دلیل توحید، مراقبہ اور نیاز و فاتحہ کے لئے چاہئے! لیکن غیر جماعت کے لئے یہ بات تشنہ تکمیل رہ جائے گی کہ مجدد کمال اسی کو کہا جائے گا جس نے دین کے ہر شعبہ میں کام کیا ہوا؟

چونکہ عقل کا ایک بدیہی تقاضا ہے کہ مجدد کسی نئی شریعت کا حامل نہیں ہوتا بلکہ استمرار زمانہ سے دین کے جن شعبوں میں بدعات و منکرات وغیرہ نے اپنی جگہ بنالی ہو وہ اسی شعبے میں تجدید و احیاء کا کام کرتا رہے۔ خواہ وہ ایک ہی شعبہ ہو یا دین کے متعدد شعبے۔ ورنہ جس طرح آج چودہ صدی میں مجدد کمال بنتے کا جذبہ شریعت کو نئے ڈھانچے میں ڈھال رہا ہے، خدانہ کردہ اس مقدس گروہ کے پیش روؤں میں اگر یہی جذبہ کار فرما ہوتا تو اب تک متعدد شریعتیں منصفہ شہود پر آگئی ہوتیں۔ جیسے کہ چودہ صدی کی مودودی شریعت اب آنے والے حوالہ پر قاری عبد الحمید کا تبصرہ ملاحظہ کیجئے،

اللہ ہر صدی کے سر پر اس امت کے لئے ایسے لوگ اٹھاتا رہے

گا۔ جو اس کے لئے اس کے دین کو تازہ کریں گے۔" اے

یہ حدیث شریف ان خوش نصیب حدیثوں میں سے ایک ہے  
**تبصرہ** کہ جن کو ماڈرن مجدد اعظم مودودی نے مزاج شناس رسول ہونے کی حیثیت سے بہ اعتبار سند اور صحت لفظی و صحت مفہوم،

اے۔ (ترجمہ مودودی تجدید و احیاء دین ص ۲۷، بعنوان "شرح حدیث")

درست اور صحیح قرار دے کر شرف قبولیت بخشا ہے۔ نیز ابوالمجدد  
 مودودی نے اس حدیث شریف کا ترجمہ کرنے کے بعد ساتھ ہی اس کے  
 تفسیری ترجمے میں اصلاحی تنقید اور نکاتی تبصرہ فرما کر اپنی جماعت کو  
 مجددین کا گروہ اور اپنی ذات گرامی کو مجدد کامل یا ابوالمجدد سمجھانے کا ایک  
 لطیف انداز اختیار فرمایا ہے۔ جو لغو اور بے تکرار قابل ملاحظہ ہے۔ جس کو  
 پڑھ کر مرزا غلام احمد قادیانی کے لاہوری گروہ کو یقیناً اپنے مجدد  
 کے نہ صرف غیر کامل ہونے پر ہی بلکہ ان کو اپنے مجدد کی تجدیدی لاوڈی  
 پر بھی سخت خفت اور ندامت محسوس ہوئی ہوگی۔

مگر اس حدیث سے بعض لوگوں نے تجدید اور مجددین کا بالکل  
 ہی ایک غلط تصور اخذ کر لیا۔ انہوں نے ”علیٰ س اس کل مائة“،  
 سے صدی کا آغاز یا اختتام مراد لیا اور ”من یجدد لہا“ کا مطلب  
 یہ سمجھا کہ اس سے مراد لازماً کوئی ایک ہی شخص ہے۔ اس بنا پر انھوں  
 نے تلاش کرنا شروع کر دیا کہ اسلام کی پچھلی تاریخوں میں کون کون  
 ایسے اشخاص ملتے ہیں جو ایک ایک صدی کے آغاز یا انجام پر پیدا  
 ہوئے یا مرے ہوں اور انھوں نے تجدید دین کا کام بھی کیا ہو۔ حالانکہ  
 نہ اس کے معنی سر کے ہیں اور صدی کے سر پر کسی شخص یا گروہ کے اٹھانے  
 جانے کا مطلب صاف طور پر یہ ہے کہ وہ اپنے دور کے علوم، افکار اور  
 رفتار عمل پر نمایاں اثر ڈالے گا اور صفت کا لفظ عربی زبان میں واحد  
 اور جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے صفت سے  
 مراد ایک شخص بھی ہو سکتا ہے۔ بہت سے اشخاص بھی ہو سکتے  
 ہیں اور پورے پورے ادارے اور گروہ بھی ہو سکتے ہیں۔ حضور نے



جو خبر دی ہے۔ اس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ انشاء اللہ اسلامی تاریخ کی کوئی صدی ایسے لوگوں سے خالی نہ گزرے گی۔ جو طوفان جاہلیت کے مقابلے میں اٹھیں گے اور اس کو اس کی اصلی روح اور صورت میں از سر نو قائم کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ ضروری نہیں کہ ایک صدی کا مجدد ایک ہی شخص ہو، ایک صدی میں متعدد اشخاص اور گروہ یہ خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ تمام دنیائے اسلام کے لئے ایک ہی مجدد ہو۔ ایک وقت میں بہت سے ملکوں میں بہت سے آدمی تجدید دین کے لئے سعی کرنے والے ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ شخص جو اس سلسلہ کی خدمت انجام دے "مجدد" کے خطاب سے نوازا جائے۔ یہ خطاب تو صرف ایسے اشخاص ہی کو دیا جاسکتا ہے۔ جنہوں نے تجدید دین کے لئے کوئی بہت بڑا اور نمایاں کارنامہ انجام دیا ہو

تبصرہ | اس اقتباس کی پہلی خط کشیدہ سطور بغور ملاحظہ فرمائیے۔ اس میں ابوالمجدد صاحب مودودی فرماتے ہیں کہ "نہ را اس

کے معنی مر کے ہیں،" اور پھر اس کے معنی بتائے بغیر پوری حدیث کے مفہوم کو بصورت معانی سمجھانا شروع کر دیا۔ جس کا نعت یا محاورات سے تو کوئی تعلق ہو ہی نہیں سکتا صرف یہی سمجھا جاسکتا ہے کہ ابوالمجدد صاحب مودودی کو اچانک کشف یا الہام ہوا اور حدیث شریف کے ترجمے کی پوری عبارت کا یہ نیا "صاف مطلب" بذریعہ کشف یا الہام ہی حاصل کر کے بتلا دیا۔ اس کے بعد پھر ابوالمجدد صاحب مودودی اسی حدیث شریف کا، "واضح مفہوم" بھی اگلی خط کشیدہ سطور میں تحریر فرماتے ہیں۔ اس کو

۱۵۳ (تجدید احیاء دین صفحہ ۴۲-۴۳) (العنوان) (شرح حدیث)

بھی بغور ملاحظہ فرمائیے۔ پھر لقبیہ عبارت کو پڑھ کر دوبارہ از سر نو پورا اقتباس  
بنظر غائر پڑھتے ہوئے اگلے اقتباس میں مجدد کی تعریفیں بھی ملاحظہ فرمائیے۔

### وضاحت تعریف مجدد از قاری عبد الحمید

(۱) یعنی مزاج شناس رسول ہو جاتا ہے۔  
(۲) یعنی اعسکات، چلہ کشی، وظیفوں  
اور نوافل وغیرہ کے چکروں سے دماغ  
صاف رکھتا ہے۔

(۳) یعنی تصون، عبا، وقباء اور عاموں  
جہوں وغیرہ کی کج ذہنیت اور لغویت  
سے پاک۔

(۴) یعنی پرانی تفسیر اور حدیثوں کے  
پرانے ذخیروں میں اٹکے ہوئے دقیانوسی  
علماء زمانہ کے ساتھ اہم سے اہم تر  
مسئلوں اور مرحلوں میں اہم سے اہم تر  
موقعوں پر تعاون یا اتحاد یا مصالحت  
کرنے سے بے نیاز رہنے کی قابلیت اور  
قوت کامل۔

(۵) یعنی فلم بینی اور انگریزی بالوں کے  
جائز کرنے اور ڈاڑھی وغیرہ جیسے شعار  
اسلام کو غیر ضروری قرار دینے کی بدرجہ اتم

### تعریف مجدد از مودودی صاحب

(۱) مجدد نبی نہیں ہوتا مگر اپنے مزاج  
میں مزاج نبوت سے بہت قریب  
ہوتا ہے۔

(۲) نہایت صاف دماغ۔  
(۳) حقیقت رس، ہر قسم کی کجی پاک  
(۴) بالکل سیدھا ذہن، افراط و  
تفریط سے بچ کر توسط و اعتدال  
کی سیدھی راہ دیکھنے اور اپنا توازن  
قائم رکھنے کی خاص قابلیت، اپنے  
ماحول اور صدیوں کے جھے اور پے  
ہوئے تعصبات سے آزاد ہو کر  
سوچنے کی قوت۔

(۵) زمانے کی بگڑھی ہوئی رفتار سے  
لڑنے کی طاقت و جرات، قیادت و  
رہنمائی کی پیدائشی صلاحیت اجتہاد  
اور تعمیر نو کی غیر معمولی اہلیت اور  
ان سب باتوں کے ساتھ اسلام

صلاحیت اور اہلیت یعنی عملاً صورتہ اور لبا ساً چاہے۔ پورا مسلمان نہ ہو لیکن نقطہ نظر اور فہم و شعور میں پورا مسلمان ہو اور شرح صدر ایسا ہو کہ بیک نظر قرآن کریم کے بیان کردہ قوانین کو دورِ حاضرہ کے تقاضوں کے مطابق ناقابل عمل قرار دینے کے لئے علماء امت کے مقابلے میں سینہ سپر ہو سکتا ہو۔

(۶) یعنی طلاق، عدت، نزع اور متعہ وغیرہ جیسے فقہ کے عدت ہائے دراز کے پھیلے ہوئے دقیقاً نویسی مسائل کی تباہ کاریوں اور ان کی الجھنوں سے امرحق ڈھونڈ کر مہمات امور دینیہ کو آسان کر سکتا ہو

میں مکمل شرح صدر نقطہ نظر اور فہم و شعور میں پورا مسلمان ہونا۔

(۶) باریک سے باریک جزئیات تک میں اسلام اور جاہلیت میں تمیز کرنا اور مدت ہائے دراز کی الجھنوں میں سے امرحق کو ڈھونڈ کر اگ نکال لینا۔

یہ وہ خصوصیات ہیں جن کے بغیر کوئی شخص مجدد نہیں ہو سکتا۔ اور یہی وہ چیزیں ہیں جو اس سے بہت زیادہ بڑے پیمانے پر نہی ملیں ہوتی ہیں۔

اے

نوٹ :- مجدد کی تعریف اور اس کی وضاحت کے بعد اب مجددیت و مہدویت پر مودودی صاحب کے چند نظریاتی نکات ملاحظہ کیجئے۔ جو صرف مودودی صاحب کا اپنا حصہ ہے۔ مودودی صاحب نے لکھا ہے :-

” ہمارے علم میں جس شخص نے بھی دین کو از سر نو تازہ کرنے کی کوئی خدمت انجام دی ہو۔ ہم اسے مجدد کہہ سکتے ہیں اور دوسرے شخص کی رائے میں اگر اس کا کارنامہ اس مرتبہ کا نہ ہو تو وہ اسے اس لقب کا مستحق ٹھہرانے سے الکار کر سکتا ہے۔ نادان لوگوں نے اس معاملے کو خواہ مخواہ

اے (تجدید و احیاء دین صفحہ ۱۱۱ لیبون ”مجدد کی تعریف“)

اہم بنا دیا ہے۔ نبی صلعم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خبر دی تھی وہ صرف یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو ٹٹے نہیں دے گا بلکہ ہر صدی کے سر پر ایسے شخص یا اشخاص کو اٹھاتا رہے گا جو اس کے دھندلے ہوئے آثار کو پھر سے تازہ کر دے گا یا کر دیں گے۔ حدیث میں من کا لفظ عربیت کے لحاظ سے اس بات کا متقاضی نہیں ہے کہ ضرور کوئی ایک ہی شخص ہو۔ اس کا اطلاق متعدد شخص پر بھی ہو سکتا ہے اور حدیث میں کوئی لفظ ایسا بھی نہیں ہے جس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکے کہ مجدد کو اپنے زہونے کا شعور بھی ہونا چاہئے یا یہ کہ لوگوں کے لئے مجدد کا پہنچانا بھی ضروری ہے۔ اے

**نوٹ :-** مودودی صاحب نے یہ تو فرمایا کہ "نادان لوگوں نے اس معاملے کو خواہ مخواہ اہم بنا دیا ہے" مگر اس کی کوئی صراحت نہیں کہ نادان لوگوں سے ان کی مراد کیا ہے۔ پوری نشین علماء جو صحیح معنوں میں دین کے وارث اور امین ہیں۔ ان سے مودودی صاحب کو کچھ ایسی چڑھ ہے کہ ان کا قلم کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ کہیں انہیں نادان کہا جاتا ہے اور کہیں جنت الحمقہ کے رہنے والے۔ غرضیکہ ایک آمرانہ ذہنیت ہے جس کے تحت اہل علم کے دامن آبرو سے کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ مودودی تحریک کے جہاں اور بہت سے زہریلے جراثیم ہیں۔ ان میں ایک یہ بھی کہ عوام و خواص کی نظر سے علماء کی رہی سہی وقعت بھی ختم کر دی جائے۔ جس کا اس جماعت نے بیڑا اٹھا رکھا ہے۔

میں تو کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ ان دونوں بزرگوں کا اپنے مجدد ہونے کی خود تصریح کرنا اور بار بار کشف والہام کے حوالے سے اپنی باتوں کو پیش کرنا ان کے چند غلط کاموں میں سے ایک ہے اور ان کی یہی غلطیاں ہیں۔ جنہوں نے بعد کے بہت سے کم ظرفوں کو طرح طرح

لے تجدید و ایسا نے دین صفحہ ۱۳۷ بعنوان منصب تجدید اور امام مہدی

کے دعوے کرنے اور امت میں نت نئے نئے فتنے اٹھانے کی جرات دلائی ہے  
 دو دیکھا آپ نے ابوالمجدد صاحب مودودی کی تجدیدی ذہنی منیت  
**تبصرہ** کا تلبیسی تیر؟ جو ان دونوں بزرگوں کے ہی تقدس کو مجروح  
 کرنے کے لئے نہیں بلکہ آخری منزل تک پہنچانے کے لئے چھوڑا گیا ہے  
 راعاذا نالہ من ذالک اعادنا اللہ من ذالک  
 کیونکہ خط کشیدہ عبارت کا مطلب تو صاف یہی نکلتا ہے کہ نعوذ باللہ  
 من ذالک اگر تمام انبیاء علیہم السلام اور خاتم الانبیاء سردار  
 دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بھی نبوت کے دعوے نہ کئے ہوتے  
 تو دوسرے فتنے و کذاب اور کم ظرف لوگوں کو بھی نبوت کے جھوٹے دعوے  
 کر کے نت نئے اور عظیم فتنے اٹھانے کی ہرگز جرات نہ ہوتی ہوتی " ۲

حضرت امام مہدی علیہ السلام کے متعلق جو علامتیں مشکوٰۃ شریف ابو داؤد  
 اور ترمذی شریف وغیرہ کتب احادیث میں منقول ہیں اور عام طور پر مشہور بھی ہیں وہ یہ ہیں  
 کہ امام مہدی علیہ السلام سید اور اولاد فاطمہ الزہرا میں ہوں گے۔ آپ کا ذاتی نام محمد  
 ہوگا۔ والد کا نام عبداللہ والدہ کا نام آمنہ ہوگا۔

آپ کا قدم مبارک۔ قدرے لمبا ہوگا۔ بدن چست، رنگ صاف کھلا اور نکھرا  
 ہوا ہوگا۔ اونچی ناک اور کشادہ پیشانی ہوگی۔ چہرہ مبارک سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم  
 کے چہرہ النور سے مشابہ ہوگا۔ آپ کے اخلاق و عادات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 سے مشابہت رکھتے ہوں گے۔ آپ کی زبان مبارک میں لکنت ہوگی۔ جس کی وجہ  
 سے کبھی عاجز ہو کر رانوں میں ہاتھ ماریں گے۔ آپ کا علم خدا داد ہوگا۔ بیعت کے وقت  
 عمر چالیس سال ہوگی اور بیعت کے قبل رمضان شریف میں چاند اور سورج کو گرہن لگ چکا

لے تجدید احیاء دین صفحہ ۱۴۷، بعنوان "کشف و الہام کی حقیقت"

ہوگا اور آپ اپنے آپ کو انہانی چھپائے۔ کئے کی کوشش کریں گے۔ لیکن اہل اللہ احادیث کی علامات دیکھ کر آپ کو رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے پہچان لیں گے اور بیعت کے وقت آسمان سے صاف یہ ندا آئے گی۔

”ہذا خلیفہ اللہ المہدی فاستموا لہ واطیعوا۔“ (ترجمہ) یہ اللہ کے خلیفہ مہدی ہیں۔ سنو ان کی اور اطاعت کرو۔“ جس کو تمام خاص و عام لوگ سنیں گے۔

اب اس کے بعد ابوالمجدد صاحب مودودی کی ایمانیات ملاحظہ فرمائیے اور نور مودودی سے قلب کو منور کیجئے۔

مسلمانوں میں جو لوگ الامام امی کی آمد کے قائل ہیں وہ بھی ان متجددین سے جو ان کے قائل نہیں ہیں اپنی غلط فہمیوں میں کچھ پیچھے نہیں ہیں۔“ وہ سمجھتے ہیں کہ امام مہدی کوئی اگلے وقتوں کے مولویانہ و صوفیانہ وضع قطع کے آدمی ہوں گے۔ سب سے ہاتھ میں لئے یکایک کسی مدرسے یا خانقاہ کے حجرے سے برآمد ہوں گے۔ آتے ہی انہیں اللہ کی دعا کا اعلان کریں گے۔ علما و مشائخ کتابیں لئے ہوئے پہنچ جائیں گے اور لکھی ہوئی علامتوں سے ان کے جسم کی ساخت وغیرہ کا مقابلہ کر کے انہیں شناخت کر لیں گے۔ پھر بیعت ہوگی اور اعلان جہاد کر دیا جائے گا۔ چلے کھینچے ہوئے درویش اور سب پرانے طرز کے ”بقیۃ السلف“ ان کے جھنڈے تلے جمع ہوں گے۔ تلوار تو محض شمر تلپوری کرنے کے لئے برائے نام چلائی پڑے گی۔ اصل میں سارا کام برکت اور روحانی تصرف سے ہوگا۔ بھونکوں اور وطنیوں کے زور سے میدان جیتے جائیں گے۔ جس کافر پر نظر ماروں گے۔ تڑپ کر بے ہوش ہو جائے گا اور محض بد دعاؤں کے زور سے ٹینگوں اور ہوائی جہازوں میں کپڑے پڑ جائیں گے۔

لے (تجدید و احیاء دین صفحہ ۵۲ بعنوان ”امام المہدی“)

نوٹ :- حضرت مہدی مولویانہ صوفیانہ لباس میں نہیں بلکہ کوٹ بلیز ٹرٹ،  
 پینٹ پینے ہوئے ہوں گے، مدرسہ اور خانقاہ کے حجرے سے نہیں۔ غالباً جماعت اسلامی  
 کے صدر دفتر سے برآمد ہوں گے، وہ بقیۃ السلف نہیں، بلکہ مغربیت کے دلدادہ ہوں  
 گے۔ روحانی برکتوں سے نہیں، بلکہ اٹمی ہتھیاروں سے مسلح ہوں گے۔ مولویانہ،  
 صوفیانہ، مدرسہ، خانقاہ، بقیۃ السلف، برکت، روحانی تصرف، پھوک، وظیفہ  
 تسبیح جیسی اصطلاحات سے وہ قطعاً نا آشنا ہوں گے۔ اللہ کرے زور قلم  
 اور زیادہ۔

یہ ہے ابوالمجدد صاحب مودودی کی سچی سچی صاف

**تبصرہ**

صاف، ایمانیات کی ادنیٰ سی جھلک! فرمائیے "اتباع  
 رسول کی اس تجید و تکریم سے اور مسلم شریف کی دم عیسیٰ والی صحیح  
 حدیث کی اس تقدیس و توقیر سے قلب میں کچھ نور پیدا ہوا؟ ایمان میں  
 کچھ تازگی محسوس ہوئی؟ اگر نہیں تو لیجئے: ابوالمجدد صاحب مودودی  
 کے خصوصی اور تجلیاتی و ایمانی تصورات بھی ملاحظہ فرمائیے۔ تاکہ کسی صاحب  
 مکاشفہ، عابد و زاہد اور روحانی متصرف بزرگ کی کرامتوں کا شکار ہو کر  
 ابوالمجدد صاحب کی قائم کردہ جدید قسم کی اسلامی اسٹیٹ کو کسی نحسارے  
 سے دوچار ہونا نہ پڑے۔

مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں :-

عقیدہ ظہور مہدی کے متعلق عام لوگوں کے تصورات کچھ اس  
 قسم کے ہیں مگر میں جو کچھ سمجھتا ہوں اس سے مجھ کو معاملہ بالکل  
 برعکس نظر آتا ہے۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ آنے والا اپنے زمانے میں بالکل

جدید ترین طرز کا لیڈر ہوگا۔ وقت کے تمام علوم جدیدہ پر اس کو مجتہد اند  
 بصیرت حاصل ہوگی۔ زندگی کے سارے مسائل ہمہ کو وہ خوب سمجھتا ہوگا۔  
 عقلی و ذہنی ریاست سیاسی تدبیر اور جنگی مہارت کے اعتبار سے  
 وہ تمام دنیا پر اپنا سکہ جھادے گا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی "جدتوں"  
 کے خلاف مولوی اور صوفی صاحبان ہی سب سے پہلے شورش برپا کریں گے۔  
 پھر مجھے امید نہیں کہ اپنی جسمانی ساخت میں عام انسانوں سے کچھ مختلف  
 ہوگا کہ اس کی علامتوں سے تاڑ لیا جائے۔ نہ میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ  
 اپنے مہدی ہونے کا اعلان کرے گا۔ بلکہ شاید اُسے خود بھی اپنے مہدی  
 موعود ہونے کی خبر نہ ہوگی اور اس کی موت کے بعد اس کے کارناموں  
 سے دنیا کو معلوم ہوگا کہ یہی تھا وہ خلافت کو منہاج النبوءہ پر قائم  
 کرنے والا، جس کی آمد کا مژدہ سنایا گیا تھا۔ جیسا کہ میں پہلے اشارہ کر چکا ہوں  
 نبی کے سوا کسی کا یہ منصب نہیں ہے کہ دعویٰ سے کام کا آغاز کرے اور نہ  
 نبی کے سوا کسی کو یقینی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس خدمت پر مامور ہوا  
 ہے۔ مہدویت دعویٰ کرنے کی چیز نہیں ہے۔ کر کے دکھانے کی چیز ہے۔  
 اس قسم کے دعویٰ جو لوگ کرتے ہیں اور جو ان پر ایمان لاتے ہیں۔ میرے  
 نزدیک دونوں اپنے علم کی کمی اور ذہن کی لپٹی کا ثبوت دیتے ہیں۔  
 مہدی کے کام کی نوعیت کا جو تصور میرے ذہن میں ہے، وہ بھی ان حضرات  
 کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔ مجھے اس کے کام میں کرامات و خوارق  
 کشف و الہامات اور چلوں اور مجاہدوں کی کوئی جگہ نظر نہیں آتی۔  
 میں یہ سمجھتا ہوں کہ انقلابی لیڈر کو دنیا میں جس طرح شدید  
 جدوجہد اور کشمکش کے مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ انہیں مرحلوں سے



مہدی کو بھی گزرنا ہوگا۔ وہ خالص اسلام کی بنیادوں پر ایک نیا مذہب فکر (SCHOOL OF THOUGHT) پیدا کرے گا۔ ذہنیوں کو بدلے گا، ایک زبردست تحریک اٹھائے گا۔ جو بیک وقت تہذیبی بھی ہوگی اور سیاسی بھی۔ جاہلیت اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ اس کو کچلنے کی کوشش کرے گا۔ مگر بالآخر وہ جاہل اقتدار کو الٹ کر پھینک دے گا۔ اور ایک ایسا زبردست اسلامی اسٹیٹ قائم کرے گا۔ جس میں ایک طرف اسلام کی پوری روح کار فرما ہوگی اور دوسری طرف سائنس ترقی اور کمال پر پہنچ جائے گی۔

نوٹ :- عقیدہ ظہور مہدی کو یوں بیان کیا جائے۔ تو مودودی صاحب کے مافی الضمیر کی صحیح ترجمانی ہوگی۔ وہ اپنے زمانے کا جدید طرز کا لیڈر ہوگا، جسے بلکہ "لیڈر" ہے۔ تصوف اور طریقت کے علاوہ وہ تمام ہی علوم و فنون پر حاوی ہے وہ چلہ، مراقبہ، تہجد، نوافل، جھاڑ، پھونک، تسبیح، وظیفہ، برکت، روحانی تصرف کشف و الہام، خوارق و کرامات سے نہ صرف چڑھتا ہے۔ بلکہ خود انھیں منہ چڑھاتا ہے مولوی اور صوفی صاحبان اس کی جدتوں کے خلاف شورش برپا کریں گے نہیں بلکہ شورش برپا کر دی اور حسن اتفاق یہ کہ۔ "شورش کشمیری" صف اول میں ہیں۔

ایک اور اقتباس پڑھ کر قاری عبدالمجید کا تبصرہ ملاحظہ کیجئے۔  
 "اول تو خود لفظ مہدی پر غور کرنا چاہئے۔ جو حدیث میں استعمال کیا گیا ہے۔ حضور نے مہدی کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ ہدایت یافتہ کے "ہادی" کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ مہدی ہر وہ سردار، لیڈر اور امیر ہو سکتا ہے۔ جو راہ راست پر ہو۔ مہدی" زیادہ سے

استعمال ہوگا۔ جس سے آنے والے کی کسی خاص امتیازی شان کا اظہار مقصود ہے اور امتیازی شان حدیث میں اس طرح بیان کر دی گئی ہے کہ آنے والا خلافت علی منہاج النبوه کا نظام درہم بہم ہو جانے اور ظلم و جور سے زمین کے بھر جانے کے بعد از سر نو خلافت کو منہاج نبوت پر قائم کر لے گا اور زمین عدل سے بھر دے گا۔ لے

غور فرمایا آپ نے! اللہ کا رسول تو فرمائے کہ مہدی میری

## تبصرہ

اولاد سے ہوگا۔ یہ اور یہ اس کی علامات ہوں گی اور

ابوالاستہزاء صاحب شریعہ مودودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام علامتوں کو انتہائی تحقیر اور تلبیسانہ انداز میں جھٹلا کر فرماتے ہیں کہ مہدی ہر وہ سردار اور لیڈر اور امیر ہو سکتا ہے جو راہ راست پر ہو! اب تو صاف سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ ابوالاستہزاء صاحب شریعہ مودودی کے لئے نعوذ باللہ من ذالک۔۔۔ لایبیاد کا خطاب بھی یقیناً ضروری ہے کیونکہ خاتم الانبیاء سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے نہ صرف صریح اختلاف کرنا بلکہ استہزاء اور مذاق اڑانا اور آپ کے متبعین اور پیروں پر چارج شیٹ بھی لگانا یعنی نااہل قرار دینا (جیسا کہ پچھلے اقتباسات کی خط کشیدہ سطور سے ظاہر ہے) کیا کسی معمولی مراتب کے انسان کا کام ہو سکتا ہے؟ کسی حاکم کے فرمان کے خلاف یقیناً کوئی بڑا حاکم ہی اختلاف یا رائے زنی کر سکتا ہے اور کیا پیغمبرانہ منصب سے گزر کر حدود اللہ میں رائے زنی کرنا یا فتعدے کلیتہاً اختراع کرنا ابوالاستہزاء صاحب شریعہ

لے . تجدید و احیاء دین ص ۱۶۲، "البعیان" "المہدی کی علامت"

مودودی کے غیر معمولی مراتب کی نشاندہی نہیں (چند سطر بعد) اور کیا غیر  
 دعویٰ کے خود بخود اٹو میٹک طریقے پر ماڈرن مجدد اور نیو اسٹائل مہدی  
 بن جانے کے لئے مودودی کی یہ تشریحات کافی اور مدلل نہیں؟ اب  
 بھی اگر ابوالاستہزار صاحب مودودی کے فل پاور، ماڈرن مجدد اعظم  
 اور نیو اسٹائل مہدی کی مصنفہ ایمان، کتب، تجدید و احیاء دین، تنقیحات  
 تفہیمات، رسائل و مسائل، مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش اور  
 حقوق الزوجین وغیرہ کا باقاعدہ مطالعہ کریں۔ لے

”مرا طریقہ یہ ہے کہ میں بزرگانِ سلف کے خیالات اور کاموں پر  
 بے لاگ تحقیقی و تنقیدی نگاہ ڈالتا ہوں، جو کچھ ان میں حق پاتا ہوں اسے  
 حق کہتا ہوں اور جس چیز کو کتاب و سنت کے لحاظ سے حکمت عملی کے اعتبار  
 سے درست نہیں پاتا۔ اس کو صاف صاف نادرست کہہ دیتا ہوں۔ لے  
 نوٹ:۔ مندرجہ بالا عبارت میں مودودی صاحب کی مجددانہ اور  
 مجتہدانہ دونوں حیثیتیں بالکل بے نقاب ہو گئی ہیں۔ اب تک تو قرآن  
 و سنت ہی سے استدلال کیا جاتا تھا لیکن مصلحت کوشیوں نے  
 تیسری دلیل ”حکمت عملی“ کو بھی جنم دے دیا۔ اس اقتباس پر مرتب انکشافات  
 کی چند سطریں ملاحظہ کر لیجئے۔ اس سے پہلے ایک اور حوالہ پڑھ لیجئے۔

یہیں نہ مسلک اہل حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا

ہوں اور نہ حنفیت یا شافعییت ہی کا پابند ہوں“ مودودی صاحب

! کیا ابوالحکمت صاحب مودودی کی اس خط

کشیہ ”حکمت عملی“ کے معنی یا اس کی شدھی تفصیل کوئی عالم دین

تبصرہ

لے (مرتب انکشافات صفحہ ۵۴-۵۸) لے (رسائل، مسائل حصہ اول صفحہ ۱۵) لے، بعنوان ”جماعت اسلامی سے

تبانے اور سمجھانے کی تکلیف گوارا کر سکتے ہیں؛ کہ اللہ کے دین میں ”حکمتِ عملی“ کا کیا مقام ہے اور شرعی اصطلاحات اور محاورات میں ”حکمتِ عملی“ کے کہتے ہیں؛ اور کیا تاریخ اسلام میں یہ ”حکمتِ عملی“ کی اصطلاح اس سے قبل بھی کبھی کسی مجتہد یا محدث یا کسی فقیہ نے استعمال کی ہے؛ یا محض الوالہد و مودودی صاحب نے تجدیدین کی ضرورتوں کے لئے یہ جدید اصطلاح اپنے حاصل و خصوصی اختیارات کے تحت ایجاد فرمائی ہے۔ \_\_\_\_\_ لے

”اتباع رسول و اصحاب کا یہ مفہوم ہی سرے سے غلط ہے اور اکثر و نیدار لوگ غلطی سے اس کا یہی مفہوم لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک سلف صالحین کی پیروی اس کا نام ہے کہ جیسا باس وہ پہنتے ہیں۔ ویسا ہی ہم بھی پہنیں، جس قسم کے کھانے وہ کھاتے تھے، اسی قسم کے کھانے ہم بھی کھائیں، جیسا طرز معاشرت ان کے گھروں میں تھا۔ بعینہ وہی طرز معاشرت ہمارے گھروں میں بھی ہو۔ تمدن اور حضارت کی جو حالت ان کے عہد میں تھی اس کو ہم بالکل متحر (FOSELISED) صورت میں قیامت تک باقی رکھنے کی کوشش کریں اور ہمارے اس ماحول سے باہر کی دنیا میں جو تغیرات واقع ہو رہے ہیں۔ ان سب سے آنکھیں بند کر کے ہم اپنے دماغ اور اپنی زندگی کے ارد گرد ایک حصار کھینچ لیں جس کی سرحدیں وقت کی حرکت اور زمانے کے تغیر کو داخل ہونے کی اجازت نہ ہو، اتباع کا یہ تصور جو انحطاط کی کئی صدیوں سے دنیا مسلمانوں کے دماغوں پر مستطرد رہا ہے۔ درحقیقت روح اسلام کے بالکل منافی ہے، اسلام کی یہ تعلیم ہرگز نہیں ہے کہ ہم جیتے جاگتے آثارِ قدیمہ بن کر رہیں اور اپنی زندگی کو قدیم تمدن کا ایک تاریخی

لے (رسائل، مسائل، حوالہ اول صفحہ ۱۸۹ بعنوان ”تقلید و عدم تقلید“)

ڈرامہ بنائے رکھیں۔ اے

نوٹ:- اسلاف کے رہن سہن، لباس کی خصوصی تراش و تراش جو صلیح اور دیندار مسلمانوں کی علامت و شناخت ہے اور ان کی وضع قطع کو تاریخی ڈرامہ کہنا میں ایک ناروا جسارت سمجھتا ہوں جس سے دل کو ٹھیس پہنچتی ہے اور قلب کو صدمہ۔

مندرجہ بالا اقتباس پر قاری عبد الحمید کی چند سطر میں ملاحظہ کیجئے۔

”کیا اقتباس ابوالمجدد صاحب مودودی کو ہائی

اسٹینڈرڈ حیثیت کافل پاور ماڈرن مجدد اعظم اور ہائی

اتھارٹی رکھنے والا نیواسٹائل مغربی مہدی سمجھنے اور تسلیم کرنے کے لئے

کافی نہیں؟ اگر نہیں تو لیجئے۔ اس سے بھی زیادہ صاف اور صریح ارشاد

پیش کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائے اور فیصلہ بھی۔ نشر فرما کر اللہ کے حضور اجر عظیم

حاصل کیجئے۔

”بہلی چیز جو مجھ کو حضرت مجدد الف ثانی کے وقت سے شاہ

رولی اللہ صاحب اور ان کے خلفاء تک کے تجدیدی کام میں کھٹکی ہے

وہ یہ ہے کہ انھوں نے تصوف کے بارے میں مسلمانوں کی بیماری کا پورا

اندازہ نہیں لگایا اور نادانستہ ان کو پھر وہی غذادی جس سے مکمل

پرہیز کرانے کی ضرورت تھی۔ — ۲۷

آگے چل کر اس مضمون میں پرہیز والی غذا کو واضح فرماتے ہیں کہ

”جس چیز کو میں لائق پرہیز کہہ رہا ہوں، وہ متصوفانہ رموز و اشارات اور

متصوفانہ زبان کا استعمال اور متصوفانہ طریقے سے مشابہت رکھنے والے

طریقوں کو جاری رکھنا ہے“ — ۲۸

۱۱۹ اے :- تنقیحات صفحہ ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱

پس جس طرح پانی جیسی حلال چیز بھی اس وقت ممنوع ہو جاتی ہے۔ جب وہ مریض کے لئے نقصان دہ ہو، اسی طرح یہ (صرف کا) قالب بھی مباح ہونے کے باوجود اسی بنا پر قطعی چھوڑ دینے کے قابل ہو گیا ہے کہ اسی کے لباس میں مسلمانوں کو انیون کا چسکا لگایا گیا ہے اور اس کے قریب جاتے ہی ان مزمن مریضوں کو پھر وہی چنیا بیگم یاد آجاتی ہیں جو صدیوں ان کو تھپک تھپک کر سلاتی رہی ہیں۔ بیعت کا معاملہ پیش آنے کے بعد کچھ دیر نہیں لگتی کہ مریضوں میں وہ ذہنیت پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ جو مریضی کے ساتھ مختص ہو چکی ہے۔ — اے

”اب جس کسی کو تجدید کے لئے کوئی کام کرنا ہو اس کے لئے لازم ہے کہ متصوفین کی زبان و اصطلاحات سے، رموز و اشارات سے، لباس و اطوار سے، پیری مریضی سے اور ہر اس چیز سے جو اس طریقے کی یاد تازہ کرنے والی ہو، مسلمانوں کو اس طرح پرہیز کرائے۔ جیسے ذیابیطس کے مریض کو شکر سے پرہیز کرایا جاتا ہے۔ — اے

نوٹ:۔ آپ کا یہ نظریہ یوں محتاج تشریح ہے کہ یہ قرآن و سنت کا ارشاد ہے۔ یا جناب والا کی حکمت عملی کا تقاضا ہے؟

کہیں ایسا تو نہیں ”چنیا بیگم“ کا بار بار تذکرہ کر کے عہد رفتہ کی یاد تازہ کی جاتی ہو۔

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔  
”یہاں کوئی سعی محض پاکیزہ خواہشات اور اچھی نیتوں کی بنا پر کامیاب نہیں نہیں ہو سکتی اور محض نفوس قدسیہ کی برکتیں ہی اس کو بار آور کر سکتی ہیں۔ بلکہ اس کے لئے ان شرائط کو پورا

اے : مطابق بحوالہ بالا صفحہ ۱۲۰ سے (مطابق بحوالہ بالا صفحہ ۱۲۲

ہونا ضروری ہے۔ جو ایسی مساعی کی بار آوری کے لئے قانون الہی میں مفسر ہیں۔ آپ اگر ذرا عت کریں تو خواہ آپ کتنے ہی بزرگ صفت انسان ہوں اور تسبیح و تہلیل میں کتنا ہی مبالغہ کرتے ہوں۔ بہر حال آپ کا پھینکا ہوا کوئی بیج بھی برگ و بار نہیں لاسکتا۔ جب تک آپ سعی کاشتکاری میں اس قانون کی پوری پوری پابندی ملحوظ نہ رکھیں جو اللہ تعالیٰ نے کھیتوں کی بار آوری کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ اسی طرح نظام امامت کا وہ انقلاب بھی جو آپ کے پیش نظر ہے۔ کبھی محض دعاؤں اور پاک تمناؤں سے دو تمانہ ہوسکے گا۔ بلکہ اس کے لئے بھی ناگزیر ہے کہ آپ اس قانون کو سمجھیں اور اس کی ساری شرطیں پوری کریں۔ جس کے تحت دنیا میں امامت قائم ہوتی ہے۔ کسی کو ملتی ہے اور کسی سے چھنتی ہے۔“

نوٹ:۔ پاکیزہ خواہشات، اچھی نیتیں اور نفوس قدسہ کی برتری یہ ہے کہ بے بہا ہر ایرے غیرے کو نہیں ملتی۔ یہ حال حال ان فیروز بختوں کا نصیب ہے تو فقیہ الہی جن کے شریک حال رہتی ہے۔ ورنہ آپ جس حقیقت کے انکار پر تلے ہیں۔ ڈاکٹر اقبال نے اس کا برملا اعلان بھی کیا ہے۔

ع:۔ نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

— آدمی خدا اور رسول اور آخرت کو مانتا ہے یا نہیں، بہ طہارت نفس اور نیت خیر اور عمل صالح سے آراستہ ہے یا نہیں؟ اچھے مقصد کے لئے کام کر رہا ہے یا بڑے مقصد کے لئے قطع نظر اس سے کہ کسی میں ایمان ہو یا نہ ہو اور اس کی زندگی پاک ہو یا ناپاک اسی کی سعی کا مقصد

۱۷ (اسلامی نظام زندگی صفحہ ۱۶۱ تا ۱۶۲، بعنوان "امامت کے باب میں خدا کی سنت)

اچھا ہو یا برا، جو شخص اور جو گروہ بھی اپنے اندر وہ اوصاف رکھتا ہوگا جو دنیا

میں کامیابی کے لئے ناگزیر ہے۔ وہ یقیناً کامیاب ہوگا۔“ اے

نوٹ :- وہ کامیابی بس آپ اور آپ کی جماعت کو مبارک ہو۔ جہاں کامیابی  
تو ہو مگر ایمان نہ ہو۔ آپ کی نظر محض اسباب و وسائل پر ہے اور اہل اللہ کی نظر  
خالق اسباب و وسائل پر ایمان ہی حاصل زلیبت اور خلاصہ زندگی ہے۔

”گر بہ مصطفیٰ نہ رسیدی تمام بولہبی است

”مجھے امید ہے کہ آپ نے یہ بھی اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ

مسلمانوں کی موجودہ پست حالی کا سبب کیا ہے۔ ظاہرات ہے کہ جو  
لوگ نہ مادی وسائل سے کام لیں نہ بنیادی اخلاقیات سے آراستہ ہوں  
اور نہ اجتماعی طور پر ان کے اندر اسلامی اخلاقیات ہی پائے جائیں  
وہ کسی طرح بھی امامت کے منصب پر فائز نہیں رہ سکتے۔ خدا کی اہل  
بے لاگ سنت کا تقاضا یہی ہے کہ ان پر ایسے کافروں کو ترجیح دی  
جائے جو اسلامی اخلاقیات سے عاری سہی مگر کم از کم بنیادی اخلاقیات  
اور مادی وسائل کے استعمال میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں اور اپنے  
آپ کو ان کی بنسبت انتظام دینا کے لئے اہل تر ثابت کر رہے ہیں۔“

نوٹ :- یہ اعتدال کی راہ نہیں ہے۔ جسے آپ نے اختیار فرمایا ہے تصوف  
اور روحانیت کو منہ چڑھا کر محض اسباب و وسائل پر بھروسہ کرنا یہی افراط و تفریط  
ہے۔ جماعت مختلف المزاج افراد کا ایک مجموعہ ہے۔ فطرت، قانون اور حقیقتوں  
سے ٹکرا کر کوئی جماعت نہ زندہ رہی اور نہ وہ سکتی ہے۔ بس جس طرح بدگوشت  
کا آپریشن تو درست ہے لیکن جسم کے صالح اور صحت مند حصے پر نشتر زنی نادرست

۱۔ اسلامی نظام زندگی صفحہ ۲۶۵، بعنوان ”تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں“، صفحہ اسلامی نظام زندگی  
صفحہ ۲۸۳ بعنوان ”بنیادیں اخلاقیات“۔



ہے۔ ایسے ہی نظریات و معمولات کے خطرناک غلو سے تو روکا جائے گا۔ لیکن حقائق سے منہ موڑ کر زندہ نہیں رہا جاسکتا۔

جہاں ایمان ہی ان حیثیات سے اپنی وسعت و ہمہ گیری اور بچیگی و مضبوطی میں ناقص ہو، وہاں تقویٰ یا احسان (صوف) کا کیا امکان ہو سکتا ہے؟ کیا اس نقص کی کسر ڈاڑھیوں کے طول اور لباس کی تراش و خراش یا تسبیح گردانی یا تہجد خوانی سے پوری کی جاسکتی ہے نوٹ :- ڈاڑھی کے طول، لباس کی تراش و خراش، تصوف، تہجد، تسبیح، سے تو یہ کمی پوری نہ ہوگی، شاید کہ سینما کے پردے پر تصویر نہیں بلکہ جو پرچھائیں نظر آتی ہے اس کی دیکھ بھال اور آنکھوں کے سینکنے سے اس کی تلافی ہو سکے۔

————— وہ پھر کیا معاذ اللہ خدا کے متعلق آپ کا یہ گمان ہے کہ

وہ اپنے وفاداروں کو پہنچانے کی اتنی بھی تیز نہیں رکھتا جتنی دنیا کے ان کم عقل انسانوں میں پائی جاتی ہے؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ وہ بس ڈاڑھیوں کا طول، ٹخنوں اور پائینچوں کا ناصلہ، تسبیحوں کی گردش اور دو وظائف اور نوافل اور مراقبے کے مشاغل اور ایسی ہی چند اور چیزیں دیکھ کر دھوکا کھا جا؟

کہ آپ اس کے سچے وفادار اور جان شار ہیں —————

نوٹ :- آدمی جن چیزوں سے چڑھتا ہے۔ ان کے متعناں اہل کا کچھ ایسا ہی انداز

ہوتا ہے۔ جیسا کہ موردی صاحب کا ڈاڑھی، پائینچ، تسبیح اور دو وظائف، مراقبے، نوافل سے متعلق ہے۔

اب فیصلہ ناظرین کے ہاتھ ہے کہ یہ انداز حقیقت پسندی سے قریب ہے یا چڑھ

جانے سے میل کھاتا ہے۔

————— اسلامی نظام زندگی صفحہ ۳، بعنوان ”احسان“

مودودی صاحب مزید لکھتے ہیں۔

”آج تین روز سے مرے پاس پرچوں کی بھرمار ہو رہی ہے جن میں سارا مطالبہ بس اسی کا ہے کہ جماعت کے لوگوں کی ڈاڑھیاں بڑھوائی جائیں، پائٹجائے ٹخنوں سے اونچے کر اٹے جائیں اور ایسے ہی دوسرے جزئیات کا اہتمام کرایا جائے اس کے علاوہ بعض لوگوں کے اس خیال کا بھی مجھے علم ہوا کہ انھیں جماعت میں اس چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ جس کو وہ ”روحانیت“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر شاید وہ خود نہیں بتا سکتے کہ یہ روحانیت فی الواقع ہے کیا شے، اسی بنا پر ان کی رائے یہ ہے کہ نصب العین اور طریق کار تو اس جماعت کا اختیار کیا جائے اور تزکیہ نفس اور تربیت روحانی کے لئے خانقاہوں کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہ ساری باتیں صاف صاف بتاتی ہیں کہ ابھی تک ہماری تمام کوششوں کے باوجود لوگوں میں دین کا فہم پیدا نہیں ہو رہا۔“

نوٹ :- اس گرم تیور کا کوئی جواب نہیں! حق بجانب عرضداشت پر پھر جانے کا یہ انداز ”الامان والحفیظ“ پائٹجامہ، ڈاڑھی، تصوف اور خانقاہ یہ ایسے الفاظ ہیں۔ جنہیں سن کر مودودی صاحب دعائی تو اذہن کھو بیٹھتے ہیں، جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے۔ جماعت کے مخلصین کی درخواست گلے گلے پھاڑ پھاڑ کے اعلان کر رہی ہے کہ جماعت اسلامی روحانیت سے یکسر خالی ہے اور یہ مسئلہ امیر جماعت سے نہیں بلکہ خانقاہ کے اہل اللہ سے طے ہو سکتا ہے۔ لیکن مودودی صاحب اسے کب گوارا کر سکتے ہیں کہ کوئی ان کا ہو کے خانقاہ ہی ہو جائے۔

ظ :- شرکتِ غم بھی نہیں چاہتی غیرت اپنی

اے :- اسلامی نظام زندگی صفحہ ۳۵، عنوان ”احسان“

” سب سے پہلے ٹھنڈے دل سے اس سوال پر غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول دنیا میں کس غرض کے لئے بھیجے ہیں؟ دنیا میں آخر کس چیز کی کمی ہے؟ کیا خرابی پائی جاتی تھی۔ جسے رفع کرنے کے لئے انبیاء کے مبعوث کرنے کی ضرورت پیش آئی؟ کیا وہ یہی تھی کہ لوگ ڈاڑھیاں نہ رکھتے تھے اور انہیں رکھوانے کے لئے رسول بھیجے گئے؟ یا یہ کہ لوگ ٹخنے ڈھانکے رہتے تھے۔ اور انبیاء کے ذریعہ انہیں کھلوانا مقصود تھا؟ یا وہ چند سنتیں جن کے اہتمام کا آپ لوگوں میں بہت چرچا ہے، دنیا میں جاری کرنے کے لئے انبیاء کی ضرورت تھی۔“

نوٹ :- دین کی کسی بھی بات کو معمولی سمجھ کر اسے ڈال دینا بلکہ اسے صرف معمولی سمجھنا ہی تباہی و بربادی ہے۔ یہ ایک ایسی رسوئی زمانہ عبارت ہے، جسے پڑھ کر کلیجہ کانپ جاتا ہے، اگر ڈاڑھی آپ کو اپنے چہرے پر ناپسندیدہ ہے اور اتباع شریعت اور سنت کا حکم آپ دوسروں کو نہیں دیتے تو اپنے جرم و خطا کو اپنے ہی تک محدود رکھیے لیکن اس راہ پر چلنے اور چلانے والوں کو مورد طعن نہ بنائیے۔ مذکورہ عبارت میں نہ صرف ڈاڑھی کی اہانت بلکہ بعثت نبوت اور تعلیم رسالت کا بھی استہزاء و استخفاف ہے العیاذ باللہ من ذالک۔

خدا محفوظ رکھے اس بلا سے

” دراصل جو باتیں مرتی اس تقریر کو سننے کے بعد اس گروہ کے لوگوں نے کی ہیں، ان سے تو مجھے یقین حاصل ہو گیا ہے کہ یہ لوگ فی الواقع دین کے کسی کام کے نہیں، یہ کہ ان کا ہمارے قریب آنا، ان کے دودھ رہنے بلکہ مخالفت کرنے سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔“

۱۷۱۔ اسلامی نظام زندگی صفحہ ۳۰۶

آپ خود ہی اندازہ کیجئے کہ جو لوگ قرآن و سنت کے لحاظ سے مرسی تقریر کے اندر کوئی لفظ بھی قابل گرفت نہیں بنا سکتے۔ بلکہ اس کے برعکس جو یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ جس چیز کو میں نے دین کا اصل مدعا بتایا ہے۔ واقعی قرآن و سنت کی رو سے دین کا اصل مدعا وہی ہے اور جن چیزوں کو میں مقدم و مؤخر کر رہا ہوں، وہ واقعی مقدم و مؤخر ہیں مگر اس کے باوجود جنہیں مرسی اس تقریر پر اعتراض کرنے اور بددلی اور نجش کا اظہار کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا۔ وہ آخر کس قدر وعزت کے مستحق ہیں کہ ان کے جذبات و خیالات کا لحاظ کیا جائے“ لے

نوٹ :- آپ نے قرآن و سنت کا تذکرہ فرمایا لیکن خود اپنی پیش کردہ تیسری دلیل یعنی ”حکمت“ کو بھول بیٹھے ہو سکتا ہے۔ معترض کی نگاہ میں آپ کی تقریر حکمتِ عملی کے خلاف ہو؟ یہ تو سولہ آئیہ صحیح ہے کہ ان لوگوں کو صحابہ اور محدثین و ائمہ مجتہدین وغیرہ پر اعتراض و تنقید کرنی چاہیے آپ جیسی تنقید سے بالاتر شخصیت پر اعتراض و تنقید جسارت بے جا نہیں تو اور کیا ہے؟ تو بہار سے تو بہ۔

بین ۱۰۵ اور سنت اور بدعت وغیرہ اصطلاحات کے ان

مفہومات کو غلط بلکہ دین میں تحریف کا موجب سمجھتا ہوں جو بالعموم آپ حضرات کے یہاں رائج ہیں۔ آپ کا خیال کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جتنی بڑی ڈاڑھی رکھتے تھے۔ اتنی ہی بڑی ڈاڑھی رکھنا سنت سمجھتے ہیں۔ جس کے جاری اور قائم کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام مبعوث کئے جاتے رہے ہیں بلکہ میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اس قسم کی چیزوں کو سنت قرار دینا اور پھر ان کے اتباع پر اصرار کرنا ایک سخت

سے رسائل و مسائل حصہ اول صفحہ ۱۳۶، بعنوان تجزیات شرع و مقصدیات دین“

قسم کی بدعت اور ایک خطرناک تحریف دین ہے۔ جس سے نہایت برے نتائج پہلے بھی ظاہر ہوتے رہے ہیں اور آئندہ بھی ظاہر ہونے کا خطرہ ہے اسے نوٹ :- خدا جانے اڈاڑھی سے مودودی صاحب کو کیوں اتنی نفرت ہے؟ کہ اس کا نام سنتے ہی بادل کی گھن گرج اور بجلی کی تڑپ بن جاتے ہیں۔ مودودی صاحب کے ذہنی بحران کا واحد سبب یہ ہے کہ ڈاڑھی کا صفایا تو چاہتے ہیں۔ مگر کھل کر کہہ نہیں پاتے، اسکی مذمت تو چاہتے ہیں۔ مگر ہچکچاتے ہیں۔ اس لئے ذہن کی سلامتی سلام کر کے رخصت ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ نقل سے کام نہیں لیتے۔ بلکہ اپنی میں سے اُتو سیدھا کرتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں نظری و فکری اضطراب و اختلال عبارت کا لازمہ ہے۔

” مغربی علوم و فنون بجائے خود سب کے سب مفید ہیں اور اسلام کو ان میں سے کسی کے ساتھ بھی دشمنی نہیں، بلکہ جواباً میں یہ کہوں گا کہ جہاں تک حقائق علمیہ کا تعلق ہے۔ اسلام ان کا دوست ہے اور وہ اسلام کے لئے دوست ہیں۔“

نوٹ :- مغربی علوم و فنون میں سے بعض ہی نہیں بلکہ سب کے سب مفید ہیں۔ البتہ تصوف اور طریقت کا علم و فن انتہائی خطرناک اور بے حد مضر ہے۔ اسلام جہاں اپنی وسعت پسندی کے تحت مغربی علوم و فنون کا دوست ہے۔ وہیں اپنی روشن خیالی کے پیش نظر مرافیہ اور چلہ والے فن کا دشمن بھی ہے۔ یہ ہے مودودی شریعت ذرا اور آگے بڑھیے۔

” یورپ کے بہت سے ایسے ممالک ہیں۔ جن میں معاشرتی فلاح کے لئے بہت مفید اور کارآمد سکیمیں جاری ہیں۔ وہاں اجتماعی عدل کے

۱۔ رسائل و مسائل صفحہ ۲۲۷، ۲۲۸

۲۔ ”تنقیحات“ ص ۳۳۴۔ بعنوان ”مسلمانوں کے لئے جدید تعلیمی پالیسی اور لائحہ عمل“

حصول کے لئے کئی ایک مؤثر تدابیر اختیار کی گئی ہیں، وہاں شخصی آزادی کی حفاظت اور پاسبانی کے لئے دستور و قانون میں تحفظات موجود ہیں۔ وہاں تعلیم و تعلم کا ایک اچھا نظام رائج ہے۔ وہاں غریب اور پے ہوئے طبقوں کو اٹھانے کے لئے عہد و جہد کی جا رہی ہے۔ وہاں جمہوریت اور جمہوری اقدام کا دلوں میں احترام ہے اور کوئی بڑے سے بڑا آدمی ان کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کرتا۔ وہاں لوگوں کا ایک سیاسی اخلاق و کردار ہے اور اسی کے مطابق وہ اپنی اجتماعی زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہاں کے سربراہ کاروں کو اپنے وطن اور قوم سے محبت ہوتی ہے اور وہ اپنے ہم وطنوں میں اپنی کبریائی کا ٹھاٹھ نہیں جھاتے، وہ قوم کے دکھ سکھ میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔“

نوٹ :- مندرجہ بالا عبارت کو متعدد بار پڑھنے کے باوجود یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ یہ ضمیر کی آواز ہے یا ڈالر کی جھنکار!

حسب ذیل اقتباس اگرچہ طویل ہے۔ لیکن مغرب نوازی کا مکمل آئینہ دار ہے، اسے غور سے پڑھئے اور مودودی صاحب کے متعلق اپنی چینی تلی رائے قائم کیجئے۔

جس دور میں ہمارے ہاں شاہ ولی اللہ صاحب، شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ اسماعیل شہید پیدا ہوئے اسی دور میں یورپ ترون وسطیٰ کی نیند سے بیدار ہو کر نئی طاقت کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا تھا اور وہاں علوم و فن کے محققین، مکتشقیں اور موجدین اس کثرت سے پیدا ہوئے تھے کہ انھوں نے ایک دنیا کی دنیا بدل ڈالی وہی دور تھا جس میں ہیوم، کانت، فیشٹے، ہیگل، کومت، شلار ماشر

۱۔ ماہنامہ ترجمان القرآن صفحہ ۶۴، ۶۳ بابت جمادی الاول ۱۳۷۷ھ مطابق فروری ۱۹۵۸ء، عدد ۵)

اور مل جیسے فلاسفر پیدا ہوئے۔ جنہوں نے منطق و فلسفہ، اخلاقیات، نفسیات اور تمام علوم عقلیہ میں انقلاب برپا کیا۔ وہی دور تھا۔ جب طبیعیات میں گیلوینی اور وولٹا علم الکیما میں لادویریر، پریسٹے، ڈیری، ہائیومی اور بریلیس حیاتیات میں، لینے ہار، بیشات اور وولف جیسے، محققین اٹھے۔ جن کی تحقیقات نے صرف سائنس ہی کو ترقی نہیں دی، بلکہ کائنات اور انسان کے متعلق بھی ایک نیا نظریہ پیدا کر دیا۔ اسی دور میں کولیس نے، ٹرگوٹ، آدم اسمتھ اور مالٹھس کی دماغی کاوشوں نے معاشیات کا نیا علم مرتب ہوا۔ وہی دور جب فرانس میں روسو، والیٹر، مونیٹکو ڈینیس ڈالاکیرو، لامیٹری، کیباٹیس، بھون، روبنیہ، انگلستان ٹامس پین، ولیم گوڈون، ڈیوڈ ہارٹے، جوزف پریسٹے، اراسمس ڈارون اور جرمنی گوٹھے ہرڈر، شیلر، وگلمان، لنگ اور بیرن ڈیے ہو لباس جیسے لوگ پیدا ہوئے۔ جنہوں نے اخلاقیات، ادب، قانون، مذہب، سیاست اور تمام علوم عمران پر زبردست اثر ڈالا اور انتہائی جرأت و بیباکی کے ساتھ دنیائے قدیم پر تنقید کر کے نظریات و افکار کی ایک نئی دنیا بنا ڈالی۔ پریس کے استعمال اشاعت کی کثرت، اسالیب بیان کی ندرت اور مشکل اصطلاحی زبان کے بجائے عام فہم زبان کو ذریعہ اظہار خیال بنانے کی وجہ سے ان لوگوں کے خیالات نہایت وسیع پیمانے پر پھیلے، انہوں نے محدود افراد کو نہیں بلکہ قوموں کو بحیثیت مجموعی متاثر کیا۔ ذہنیاتیں بدل دیں، اخلاق بدل دیئے۔ نظام تعلیم بدل دیا۔ نظریہ جیٹ اور مقصد زندگی بدل دیا، اور تمدن و سستی کا پورا نظام بدل دیا اسی زمانے میں انقلاب فرانس رونما ہوا۔ جس سے ایک نئی

تہذیب پیدا ہوئی۔ اسی زمانے میں مشین کی ایجاد نے صنعتی انقلاب برپا کیا۔ جس نے ایک نیا تمدن، نئی طاقت اور نئے مسائل زندگی کے ساتھ پیدا کیا۔ اسی زمانے میں انجینئرنگ کو غیر معمولی ترقی ہوئی جس سے یورپ کو وہ قوتیں حاصل ہوئیں کہ پہلے دنیا کی کسی قوم کو حاصل نہ ہوئی تھی۔ اسی زمانے میں قدیم فن جنگ کی جگہ نیا فن جنگ، نئے آلات اور نئی تدابیر کے ساتھ پیدا ہوا۔ باقاعدہ ڈرل کے ذریعہ سے فوجوں کو منظم کرنے کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ جس کی وجہ سے میدان جنگ میں پلٹنیں مشین کی طرح حرکت کرنے لگیں اور پرانے طرز کی فوجوں کا ان کے مقابلے میں ٹھہرنا مشکل ہو گیا۔ فوجوں کی ترتیب اور عساکر کا تقسیم اور جنگی چالوں میں پیہم تغیرات ہوئے اور ہر جنگ کے تجربات سے فائدہ اٹھا کر اس فن کو برابر ترقی دی جاتی رہی۔ آلات حرب میں بھی مسلسل نئی ایجادیں ہوتی چلی گئیں۔ رائفل ایجاد ہوئی، ہلکی اور سریع الحركت توپیں بنائی گئیں، قلعہ شکن توپیں پہلے سے بہت زیادہ طاقتور تیار کی گئیں اور کارٹوس کی ایجاد نے نئی بندوقوں کے مقابلے میں پرانی توڑے دار بندوقوں کو بیکار کر کے رکھ دیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ یورپ میں ترکوں کو اور ہندوستان میں دیسی ریاستوں کو جدید طرز کی فوجوں کے مقابلے میں مسلسل شکستیں اٹھانی پڑیں اور عالم اسلام کے عین قلب پر حملہ کر کے نپولین نے مٹھی بھر فوج سے مصر پر قبضہ کر لیا۔

معاصر تاریخ کے اس سرسری خاکے پر نظر ڈالنے سے بہ آسانی یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ ہمارے یہاں تو چند اشخاص ہی بیدار ہوئے تھے، مگر وہاں قومیں کی قومیں جاگ اٹھی تھیں یہاں صرف ایک حجت میں تھوڑا سا کام ہوا۔ اور وہاں ہر جہت میں ہزاروں گنا زیادہ کام کر ڈالا گیا۔ بلکہ کوئی شعبہ زندگی ایسا نہ تھا۔ جس میں تیز رفتار پیش قدمی نہ کی گئی ہو۔ یہاں شاہ ولی اللہ صاحب اور



ان کی اولاد نے چند کتابیں خاص خاص علوم پر لکھیں جو ایک نہایت محدود حلقے تک پہنچ کر رہ گئیں اور وہاں لائبریریوں کی لائبریریاں ہر علم و فن پر تیار ہوئیں جو تمام دنیا میں چھا گئیں اور آخر کار دماغوں اور ذہنیاتوں پر قابض ہو گئیں، یہاں فلسفہ، اخلاقیات، اجتماعیات، سیاسیات اور معاشیات وغیرہ علوم پر طرح نو کی بات چیت محض ابتدائی اور سرسری حد تک ہی رہی۔ جس پر آگے کچھ نہ ہوا اور وہاں اس دوران میں ان مسائل پر پورے پورے نظام فکر مرتب ہو گئے جنہوں نے دنیا کا نقشہ بدل ڈالا۔ جہاں علوم طبیعیہ اور قوائے مادہ کا علم وہی رہا جو پانچ سو سال پہلے تھا اور وہاں اس میدان میں اتنی ترقی ہوئی اور اس ترقی کی بدولت اہل مغرب کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ ان کے مقابلے میں پرانے آلات و وسائل کے زور سے کامیاب ہونا قطعاً محال تھا۔ حیرت تو یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے زمانے میں انگریز بنگال میں چھا گئے تھے اور آلہ آباد تک اس کا اقتدار پہنچ چکا تھا، مگر انہوں نے اس نئی ابھرنے والی طاقت کا کوئی نوٹس نہ لیا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کے زمانے میں دہلی کا بادشاہ انگریزوں کا پیشن خوار ہو چکا تھا اور قریب قریب سارے ہندوستان پر انگریزوں کے پنیے جم چکے تھے۔ مگر ان کے ذہن میں بھی یہ سوال پیدا نہ ہوا کہ آخر کیا چیز اس قوم کو بڑھا رہی ہے اور اس نئی طاقت کے پیچھے اسباب طاقت کیا ہیں۔ سید صاحب اور شاہ اسماعیل شہید جو عملاً اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے اٹھے تھے۔ انہوں نے سارے انتظامات کئے۔ مگر اتنا نہ کیا کہ اہل نظر علماء کا ایک وفد یورپ بھیجتے اور یہ تحقیق کراتے کہ یہ قوم جو طوفان کی طرح

چھاتی چلی جا رہی ہے اور نئے آلات، نئے وسائل، نئے طریقوں اور نئے علوم و فنون سے کام لے رہی ہے۔ اس کی اتنی قوت اور اتنی ترقی کا کیا راز ہے؟ اس کے گھر میں کس نوعیت کے ادارے قائم ہیں۔ اس کے علوم کس قسم کے ہیں، ان کے تمدن کی اساس کن چیزوں پر ہے اور اس کے مقابلے میں ہمارے پاس کس چیز کی کمی ہے۔

## تبصرہ

”کنذہم جنس باہم جنس پر واز

کبوتر با کتوبر باز با باز“

کوئی ایمان کے اس مغربی..... سے پوچھنے والا ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رومیوں سے مقابلہ کرنے اور ان پر فتح حاصل کرنے کے لئے کون کون سے مجاہدوں کے وفود اور کس کس ترقی یافتہ ممالک میں حالات ترقی اور کامیابی کے راز معلوم کرنے کے لئے بھیجے تھے؟ ان کے لئے

”پس یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اس تحریک کو اٹھانے

اور چلانے کے لئے خارج نہیں کیا سامان اور ماحول میں کسی سازگار کی ضرورت ہے۔ جس سامان اور جس سازگار ماحول کو یہ لوگ ڈھونڈتے ہیں۔ وہ

نہ کبھی فراہم ہوا ہے نہ فراہم ہوگا۔ دراصل خارج میں نہیں بلکہ مسلمان کے اپنے باطن میں ایمان کی ضرورت ہے۔ اس قلبی شہادت کی ضرورت ہے کہ یہی مقصد حق ہے اور اس عزم کی ضرورت ہے.....

کہ مراجعہ اور مرنا اسی مقصد کے لئے ہے۔ یہ ایمان یہ شہادت، یہ عزم موجود

ہو تو دنیا بھر میں ایک اکیلا انسان یہ اعلان کرنے کے لئے کافی ہے کہ میں

زمین پر خدا کی بادشاہت قائم کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی پشت پر کسی منظم قلیت

۱۷۸: تجدید و احیائے دین صفحہ ۱۲۲، ۱۲۸، بعنوان ”تیسرا سبب“

۱۷۹: سلاٹکشافات صفحہ ۱

یا کسی حکومت خود اختیاری رکھنے والی اکثریت کی قطعاً کوئی حاجت نہیں ہے

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ

تبصرہ

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

ابوالتضاد صاحب مجدد اعظم مغربی مہدی مودودی سے کوئی پوچھنے کی جرأت کر سکتا ہے؟ کہ گذشتہ اقتباس کے آخر میں آنجناب نے سید احمد اور شاہ اسماعیل کے نقائص اور ان کی کمزوریوں اور شکستوں کے اسباب میں تو ذکر فرمایا ہے کہ انھوں نے سارے انتظامات کے بلکہ اتنا نہ کیا کہ اہل نظر علماء کا ایک وفد یورپ بھیجتے اور یہ تحقیق کرتے کہ یہ قوم جو طوفان کی طرح چھاتی چلی جا رہی ہے اور نئے آلات اور نئے وسائل اور نئے طریقوں اور نئے علوم و فنون سے کام لے رہی ہے۔ اسی کی اتنی قوت اور اتنی ترقی کا کیا راز ہے۔ اس کے گھر میں کس نوعیت کے اوارت قائم ہیں۔ اس کے علوم کس قسم کے ہیں۔ اس کے تمدن کی اساس کن چیزوں پر ہے اور اس کے مقابلہ میں ہمارے پاس کس چیز کی کمی ہے۔ اور اب آنجناب یہ فرما رہے ہیں کہ ایک اکیلا انسان ہی کافی ہے۔ جس کی پشت پر نہ کسی منظم اقلیت کی ضرورت ہے اور نہ کسی حکومت خود اختیاری رکھنے والی اکثریت ہی کی حاجت تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ اکیلا انسان بیچارہ کس طرح اہل نظر علماء کا وفد یورپ بھیجے گا؟ اور کیسے اس بیچارے اکیلے انسان کو طوفان کی طرح چھا جانے والی بے پناہ اور لاتناہی طاقتوں کا اندازہ ہوگا اور کیسے بغیر کسی طاقت و سامان اور سازگاری ماحول کے کامیاب ہوگا؟

لے: مسلمانوں اور موجودہ سیاسی کشمکش صفحہ سوم ۱۳۹، بعنوان "اصل مسلمانوں کے لئے ایک راہ عمل"

جب کہ سید احمد اور شاہ اسماعیل جیسے مجاہدین نے لقبوں نے بقول  
 آنجناب سارے انتظامات کئے مگر اہل نظر علماء کا وفد یورپ نہ بھیج کر شکست  
 کھا گئے اور یہ بھی لقبوں جناب والا عقل تسلیم نہیں کر سکتی کہ یہ اکیلا انسان  
 محض وظیفوں اور چلوں اور بھونگوں کے زور سے ہی میدان جیت لے گا۔  
 یا بدو عاٹیں کر کے ہی ٹینکوں اور ہوائی جہازوں میں کیرے ڈال دے گا۔  
 جیسا کہ گذشتہ اقتباس میں جناب والا اپنے مخصوص اور شائستہ تبلیغی  
 انداز میں اظہار فرما چکے ہیں۔ ————— ۲۷

”جماعت اسلامی کوئی مذہبی جماعت نہیں۔ یہ ایک سیاسی  
 تنظیم ہے اور دوسرے لفظوں میں اس جماعت کا مقصد حق طلبی نہیں  
 بلکہ اقتدار طلبی ہے۔ حق و صداقت کی آواز بلند کرنے کی مکلف نہیں بلکہ  
 اقتدار حاصل کرنے کے لئے ”آیتہ الکرسی“ پڑھنے والی جماعت ہے۔ ۲۷  
 نوٹ :- مندرجہ بالا اقتباس پر مدیر ”آفاق“ کا ادارہ ملاحظہ فرمائیے۔  
 ادارہ :-

”حضرت سید مودودی صاحب ایک اونچے پائے کے عالم دین  
 ہیں۔ ان کا مبلغ علم قابل رشک ہے۔ لیکن ان کے مندرجہ بالا ارشاد سے  
 ثابت ہوتا ہے ”العلم حجاب الاکبر“ والی بات ان پر صادق  
 آتی ہے بلکہ شاید دس کروڑ کی اس آبادی میں ان سے زیادہ کسی پر صادق  
 نہیں آتی۔ ایک عالم کی حیثیت سے وہ اپنے مقام و منصب کی صحیح  
 معرفت رکھتے تو ان کا مقام و منصب جانشین رسول اکرم تھا۔

۱۷ :- یہ جہاد نہیں بلکہ انگریزوں کے ایما پر کچھ اور تھا اس کی تفصیل دیکھنی ہو تو ”خون کے آنسو  
 ملاحظہ کیجئے۔ ۲۷ : انکشافات۔

۱۸ :- ادارہ روزنامہ ”آفاق“ لاہور، اشاعت مورخہ ۱۹۶۳ء بحوالہ انکشافات صفحہ ۱۳۵

وہ نبوت و رسالت کی نیابت کے مقام پر تھے۔ لیکن اس میں ان کے لئے شاید یہ وقت تھی کہ علماء کرام کو سیاسی جماعتیں بنانے نہیں آتے۔ اس کا مقصد و نیادی اقتدار یا حکومت نہیں ہوتا۔ وہ اس سے بہت بلند مقام کے مالک ہوتے ہیں، وہ حکومت اور اقتدار کے لئے سیاسی تنظیم اس لئے نہیں کرتے کہ انھیں کسی سے کرسی اقتدار کسی جیلے سے چھیننی ہوتی ہے بلکہ وہ جانتے اور سمجھتے ہیں کہ جب انفرادی کردار کا حسن و جمال کسی قوم کے مزاج عقلی کی بنیاد پر بن جاتا ہے تو حکومت و اقتدار اس قوم کے لئے خود بخود انعام خداوندی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ صاحبان تخت و تاج اور مالکان تخت و باج ان کی بارگاہ تقدس میں عجز و نیاز کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں، ان کا پہلا کام کردار و تہذیب کی تظہیر ہوتا ہے۔ ان کی جماعت وزیروں، گورنروں اور حاکموں کی جماعت نہیں، صاحبین صدیقین اور شہداء کرام کی جماعت ہوتی ہے۔ اس جماعت (علماء کرام) کے پیش نظر سیاست نہیں، سیادت و سعادت ہوتی ہے۔ ایسی سیادت و سعادت جس کی گزراہ میں ہزاروں تاج و تخت ذروں سے زیادہ اہمیت و حیثیت نہیں رکھتے۔ ان لوگوں کی نگاہ میں تاج و تخت کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ اختیار و اقتدار کا خیال بھی ان کے دلوں میں نہیں آتا، وہ بزرگی و بہتری کے آثار مانتی ہوئی گردنوں اڑے ہوئے سینوں اور اڑتے ہوئے پرچموں میں تلاش نہیں کرتے۔ ان کا سرمایہ فخر و مہابت، کٹی ہوئی گردنیں، چھدے ہوئے سینے اور ٹپٹے ہوئے پیٹ ہوتے ہیں! وہ (علماء) رضائے نفس کی جگہ رضائے الہی کے جو یا ہوتے ہیں۔ وہ طلب حصول کی جگہ ترک و انبساط پر نظر رکھتے ہیں، وہ مقامی نہیں

آفاقی ہوتے ہیں، قومی نہیں انسانی فلاح ان کے پیش نظر رہتی ہے۔ وہ اپنی جماعت کو سیاسی نہیں ”حزب اللہ“ کہتے ہیں۔ وہ اقتدار کے پیچھے پھر گزراں نہیں ہوتے، اقتدار تو ان کے تقویٰ اور تدبیر کے نتیجے میں خود ایک پکے ہوئے پھل کی طرح ان کی جھولی میں آگرتا ہے۔ وہ صراطِ مستقیم میں قدم بڑھاتے اور ملاتے ہیں۔ حسنات دنیا و آخرت ان کا حق حصہ ضرور ہے۔ لیکن حق و حصے کی اس منزل پر وہ سیاسی راستوں سے نہیں پہنچتے۔ قانون الہی کی متابعت ان کا یہ حصہ خود بخود مقرر کر دیتی ہے۔ ان کے لئے سیاست شجر ممنوعہ نہیں ہوتی بلکہ ایک پیش پا افتادہ شے ہوتی ہے۔ ان کے یہاں شاہی تصور تاج و تخت کے تصور سے وابستہ نہیں ہوتا ہے۔

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند در شہنشاہی فقیری کردہ اند  
ان کی قوت کا راز دوٹ مانگنے یا حاصل کرنے کی مساعی میں نہیں۔ خدا سے رضائے خدا مانگنے میں ہوتا ہے۔ وہ حصول و وصول دنیا کی پروا نہیں کرتے، اسے اپنی ٹھوکروں میں رکھتے ہیں۔ وہ عوام کا تو کیا، خواص کا سہارا بھی تلاش نہیں کرتے۔ بلکہ وہ خود عوام و خواص کا سہارا ہوتے ہیں۔ اسی لئے وہ بے ہم ہو کر بھی باہم رہتے ہیں۔

یونہی تو نہیں کہا گیا ہے

شاہ است حسین بادشاہ است حسین

دین است حسین دین پناہ است حسین

سرواد نداد دست در دست بزید

حفت کہ نیتے لالا است حسین

اقتدار ان کے پاؤں چومتا ہے وہ اسے ٹھکراتے ہیں، امان فقہ کی زندگیاں

پکار پکار کر کہہ رہی ہیں۔ وہ سیاسی نہیں دینی اور خالص دینی ہیں۔ پھر حضرت مولانا مودودی کسی منہ سے فرماتے ہیں کہ ان کی جماعت دینی نہیں سیاسی ہے؛ اور یہ فرما کر وہ کس کو فریب دے سکتے ہیں؟“ (مدیر)

تبصرہ | اس ادارے، ”آفاق“ اخبار کے خط کشیدہ غیر شعوری بیان میں جس ضمیر فرودشی کا ثبوت ابوالا ختلاف مودودی نے دیا ہے۔ کیا اس کی مثال کہیں مل سکتی ہے؟ کسی معمولی پڑھے لکھے انسان سے تو کیا ایک جاہل قسم کے زند تاپ اور آناڈمنشن لیڈر سے بھی یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ پریس کانفرنسوں کو اخبارات کے لئے ایسے غیر شعوری اور ایمان سوز بیانات دیگر ہر خاص و عام میں اپنی رسوائی کے خود سامان پیدا کرے۔“

ماہنامہ ”ترجمان القرآن“ بابت جون تا اگست ۱۹۴۱ء (۲) حقوق الزوجین صفحہ ۲ بعنوان ”ایک جدید مجموعہ قوانین کی ضرورت“

مودودی صاحب لکھتے ہیں:-

قیامت کے روز حق تعالیٰ کے سامنے ان گنہگاروں کے ساتھ ساتھ ان کے دینی پیشوا بھی پکڑے ہوئے آئیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ کیا ہم نے تم کو علم و عقل سے اس لئے سرفراز کیا تھا کہ تم اس سے کام نہ لو کیا ہماری کتاب اور ہمارے نبی کی سنت تمہارے پاس اس لئے تھی تم اس کو لے بیٹھے رہو اور مسلمان گمراہی میں مبتلا ہوتے رہیں۔ ہم نے اپنے دین کو آسان بنایا تھا۔ تم کو کیا حق تھا کہ اسے مشکل بنا دو؟ ہم نے تم کو قرآن اور **مصحح** صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا حکم دیا تھا۔ تم پر

کس نے فرض کیا کہ ان دونوں سے بڑھ کر اپنے اسلاف کی پیروی کرو؟ ہم نے ہر مشکل کا علاج قرآن میں رکھا تھا تم سے یہ کس نے کہا کہ قرآن کو ہاتھ نہ لگاؤ اور اپنے لئے انسانوں کی لکھی ہوئی کتابوں کو کافی سمجھو؟ اس بارہ پر اس کے جواب میں امید نہیں کہ کسی عالم دین کو کنز الدقائق اور ہدایہ اور عالمگیری کے مصنفین کے دامنوں میں پناہ مل سکے گی۔ البتہ جہلا کو یہ جواب وہی کا موقع ضرور مل جائے گا کہ

”سَبَّأْنَا إِيَّانَا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَّرُوا فَمَا كُنَّا السَّيِّدَاتِ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ“  
 اتِّهِمُ مَنَعَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنَاهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا

غور فرمایا آپ نے اس پیغمبرانہ اندازہ بیان اور پیغمبرانہ وعید پر؟ ابوالمجدد صاحب مودودی کا جن لوگوں کو گمراہ مطالعہ نہیں ہے وہ صرف اسی غم میں مبتلا ہیں کہ ابوالمجدد صاحب مودودی ”مہدی“ ہونے کا اعلان کرنے والے ہیں؟

## تَبَصُّرَةٌ

آیت کا ترجمہ: اے ہمارے رب ہم نے اطاعت کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی انھوں نے ہم کو صحیح راہ سے گمراہ کیا؟ اے ہمارے رب ان کو دوگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت فرما

در حقیقت ان کفار و مشرکین کے حق میں ہے کہ جب وہ در رخ میں ڈالے جائیں گے تو وہ اپنے بڑوں سے بیزار ہی نہ بنیں اور اعلان ان الفاظ میں کریں گے۔ لیکن مودودی نے ”کنز الدقائق“، ”ہدایہ“ و ”عالمگیری“ کے پڑھنے اور پڑھانے والوں کو ان کفار و مشرکین کی صف میں کھڑا کر دیا، حالانکہ یہ وہ کتابیں ہیں جن کو تمام مجددین زمانہ اور محدثین و فقہائے امت نے قرآن و حدیث تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھ کر ہی پڑھا اور پڑھایا۔ لیکن مودودی علماء اور



فقہاء پر جبرٹا اور بے بنیاد الزام لگانا ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کو ہاتھ نہ لگاؤ اور انسانوں کی لکھی ہوئی کتابوں کو ہی پڑھو۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔  
 ”جو حضرات اس قسم کے شبہات کا اظہار کر کے بندگانِ خدا کو جماعتِ اسلامی کی دعوتِ حق سے روکنے کی کوشش فرما رہے ہیں۔ میں نے ان کو ایک ایسی خطرناک سزا دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ جس سے وہ کسی طرح رہائی حاصل نہ کر سکیں گے، اور وہ سزا یہ ہے کہ انشاء اللہ میں ہر قسم کے دعوؤں سے اپنا دامن بچاتے ہوئے اپنے خدا کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور پھر دیکھوں گا کہ یہ حضرات خدا کے سامنے اپنے ان شبہات کی اور ان کو بیان کر کے لوگوں کو حق سے روکنے کی کیا صفائی پیش

کرتے ہیں“۔

نوٹ۔ شاید کہ یہ لکھتے وقت مودودی صاحب کو یاد نہ رہا کہ یہ جماعتِ اسلامی کا آفس ہے یا میدانِ محشر؟ جس آفس کی نمایاں کارگزاری یہ ہے کہ اپنی من مانی تاویلات کو نصِ قرآنی کا درجہ دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ کوثر نیازی کے خط اور مکتوب میں گزر چکا۔ اور محشر کے حضورِ حاضری کا جذبہ انتقام مشتعل تو کر رہا ہے لیکن کہیں ایسا نہ ہو۔

ع۔۔ مجرم ان کو سمجھتا تھا قصور اپنا نکل آیا

ان دونوں اقتباسات میں ابوالوعدید صاحب مودودی نے وعیدی انداز بیان میں مبعوث من اللہ ہونے کو جس خوبصورتی کے ساتھ ناقابلِ تردید پیرائے میں ظاہر فرمایا ہے کیا اس کے بعد بھی کسی قسم کے دعویٰ کرنے کی کوئی ضرورت باقی رہتی ہے۔

تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں

خوب پہچانتے ہیں چور کو تھانے والے

۱۔۔ رسائل و مسائل حصہ دوم صفحہ ۵۵۶ بعنوان جماعتِ اسلامی اور علماء کرام“

”امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی فقہ میں آپ بکثرت ایسے

مسائل دیکھتے ہیں جو مرسل اور مفصل اور منقطع احادیث پر مبنی ہیں یا جن میں ایک قوی الاسناد کو چھوڑ کر ایک ضعیف الاسناد حدیث کو قبول کیا گیا ہے یا جن میں احادیث کچھ کہتی ہیں اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کچھ کہتے ہیں، یہی حال امام مالک کا ہے۔ باوجودیکہ اخباری نقطہ نظر ان پر زیادہ غالب ہے۔ مگر پھر بھی ان کے تفقہ نے نہایت سے مسائل میں ان کو ایسی احادیث کے خلاف فتویٰ دینے پر مجبور کر دیا جنہیں محدثین صحیح قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ لیث بن سعد نے ان کی تفقہ سے تقریباً ستر مسئلے اس نوعیت کے نکائے ہیں، امام شافعی کا حال بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں“

**نوٹ** — مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ احادیث کچھ کہتی ہیں اور امام ابوحنیفہ ان کے اصحاب کچھ یا یہ کہ امام صاحب کے تفقہ نے بہت سے مسائل میں ان کو ایسی احادیث کے خلاف فتویٰ دینے پر مجبور کر دیا۔ جنہیں محدثین صحیح قرار دیتے ہیں، یہ نہ صرف اجتہاد اور تفقہ فی الدین سے ایک قسم کی کھلی بغاوت ہے بلکہ اپنی کج فہمی اور ناواقفیت کا بھی برملا اعلان ہے۔ فقہی مسائل کی تعبیر قطعاً غلط ہے کہ مجتہد نے حدیث کے خلاف فتویٰ دیا۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ جبکہ مجتہد مسائل کے استخراج و استنباط میں قرآن و سنت ہی کو ماخذ قرار دیتا ہے۔ ورنہ اگر ایسا نہ ہو تو فقہ کی بنیادی حیثیت ہی ناقابل تسلیم قرار دے دی جائے۔ چونکہ مجتہدین کے بنیادی اصول میں کہیں کہیں اختلافات ہیں جس کا اثر مسائل پر پڑنا ناگزیر ہے۔ چنانچہ اسی اختلاف کا یہ ثمرہ ہے کہ بسا اوقات بعض احادیث امام شافعی کی نظر میں قوی الاسناد ہیں لیکن امام ابوحنیفہ کی نظر میں ضعیف الاسناد ہیں: اب خواہ کوئی قوی الاسناد کو ماخذ قرار دے یا جو بظاہر ضعیف الاسناد

۱۷۰۔ تصبیحات جلد اول صفحہ ۳، بعنوان ”مسک اعتدال“

ہے اسے اپنا ماخذ بنائے لیکن کسی ایک پر یہ الزام نہیں لگایا جاسکتا کہ اس نے حدیث کے خلاف فتویٰ دیا چونکہ ایک مجتہد پر دوسرے مجتہد کی تقلید حرام ہے۔ اس لئے ان کے اصول کی ذیلی دفعات ایک کی دوسری سے مزاحم ہو سکتی ہے۔ جو ان کے اپنے منصب سے متعلق ہے، لیکن ایک مقلد اگر یہ کہہ کر گزر جانا چاہئے تو اس کی حیثیت چھوٹا منہ بڑی بات کے سوا اور کچھ نہیں۔ مودودی صاحب نے لکھا ہے۔

\_\_\_\_\_ ” افسوس ہے کہ بدلوں کی چلی ہوئی اس روش کو چھوڑنے

پر ہمارے علماء کرام کسی طرح راضی نہیں ہوتے۔ انہوں نے اصل اور فرع، نص اور تاویل کے فرق کو نظر انداز کر دیا ہے۔ وہ ان فروع کو بھی اصول بنائے بیٹھے ہیں۔ جن کو انہوں نے خود یا ان کے اسلاف نے اپنے مخصوص فہم کی بناء پر اصول سے اخذ کیا ہے، وہ ان تاویلات کو بھی نصوص کے درجے میں رکھتے ہیں۔ جو نصوص سے معافی اخذ کرنے میں ان کے گروہ نے احتیاط کی ہیں۔ \_\_\_\_\_ لے

نوٹ \_\_\_\_\_ سلامتی اسی میں ہے جس روش پر علماء حق چلے آئے ہیں۔ ورنہ اگر ایسا ہوتا جیسا کہ آپ چاہ رہے ہیں تو اب تک ایک نیا اسلام اور نئی شریعت ہر صدی بعد منصفہ شہود پر آگئی ہوتی۔

\_\_\_\_\_ البتہ اسلام کے حق میں اس رکاوٹ کو جس چیز نے شدید تر رکاوٹ بنا دیا ہے۔ وہ ہماری یہ جاہل اور بے روح مذہبیت ہے جسے آجکل اسلام سمجھا جا رہا ہے اس بے روح مذہبیت کا پسلا بنیادی نقص یہ ہے کہ اس میں اسلام کے عقائد محض ایک دھرم کے مزعومات بنا کر رکھ دیئے گئے ہیں.....

دوسرا بنیادی نقص اس نسخہ شدہ مذہبیت میں یہ ہے کہ اس میں اسلامی

لے :- تفہیمات، جلد دوم صفحہ ۱۵۱ تا ۱۵۲، بعنوان ”فتنہ تکفیر“

شریعت کو ایک منجھتا ستر بنا کر رکھ دیا گیا ہے، اس میں صدیوں سے اجتہاد کا دروازہ بند ہے۔ جس کی وجہ سے اسلام ایک زندہ تحریک کے بجائے محض عہد گزشتہ کی ایک تاریخی یادگار بن کر رہ گیا ہے اور اسلام کی تعلیم دینی والی درسگاہ آثارِ قدیمہ کے محافظ خانوں میں تبدیل ہو گئی۔ — لے

— عبادات اور چند خاص مذہبی اعمال اس بے گناہ زندگی کا

کفارہ ہیں۔ بس ان ہی کو پورے اتہاک سے ٹھیک ناپ تول کے ساتھ انجام دیتے رہنا چاہئے تاکہ آخرت میں نجات حاصل ہو۔ اس ذہنیت نے انبیاء کی امتوں میں سے ایک گروہ کو مراقبہ، مکاشفہ، چلہ کشی، ریاضت اور ادو و ظالمت احزاب و اعمال یعنی عملیات کو جن سے بڑھ کر بے عملی کی کوئی صورت انسانی ذہن نے آج تک ایجاد نہیں کی اسیر مقامات (یعنی مقامات روحانی) اور حقیقت کی فلسفیانہ تعبیروں (یعنی وحدۃ لوجہ) کے چکر میں ڈال دیا۔ — لے

نوٹ — ہمیں اس کا اعتراف ہے یہ مغربیت کے جس چکر میں آپ مبتلا ہیں۔ اس میں مراقبہ، مکاشفہ، ڈارھی، پائینچ، بسیج، تہجد، چلہ کشی، ریاضت، احزاب و اعمال اور ادو و ظالمت کو جگہ مل ہی نہیں سکتی، نہ ہماری یہ درخواست ہے کہ آپ الیکشن، صدارتی انتخاب، بیت المال کا خزانہ چھوڑ کر کسی گوشہ عاقبت میں اللہ اللہ کرنے کے لئے بھی تشریف ارنال فرمائیں، نہ آپ کو اتنی فرصت ہے اور نہ ہی آپ کا نفس اس کی اجازت دے سکتا ہے۔ البتہ یہ گزارش ضرور کی جائے گی کہ اللہ کے وہ نیک بندے جو اس کی یاد میں لگے ہیں انھیں خواہی نخواستہ اپنے تیر ملامت

لے :- مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش صوم صوم صفحہ ۱۸۵، ۱۸۶ بعنوان "مشکلات کا جائزہ"

لے :- (تجدید و اجیاء دین صفحہ ۲۵، ۲۶ بعنوان جاہلیت راہبانہ)

کا نشانہ بھی نہ بنائیے ورنہ داور محشر کے حضور صرف آپ ہی کو بولنے کا  
 تنہا اختیار نہ ہوگا۔ اگر اللہ والوں کی زبان کھل گئی تو آپ اور آپ کی عمت  
 کا کیا عالم ہوگا؟

”میں اس بات کا سخت مخالف ہوں کہ علماء کرام وقت کے  
 رجحانات سے منہ موڑ کر بیٹھ جائیں اور اس عمل کو بالکل بھول جائیں کہ وہ ہدایہ  
 اور بدائع کے زمانہ تصنیف میں نہیں بلکہ نئی سائنٹیفک ایجادات  
 اور تیز رفتار تمدنی انقلابات کے دور میں رہتے ہیں۔ اس دور میں روز بروز  
 نئے مسائل کا پیدا ہونا لا بد ہے اور ان مسائل کو ہدایہ و بدائع کی روشنی  
 میں حل کرنے کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں۔ جس کا خطرہ نوجوان مسائل نے  
 اپنے استفسار میں ظاہر کیا ہے۔ ہماری نئی نسلیں شدت کے ساتھ  
 اپنے زمانے کے حالات سے متاثر ہو رہی ہیں اور یہ کسی طرح ممکن نہیں  
 کہ زمانہ اپنی طبعی رفتار سے جو حالات اور مسائل پیدا کرے۔ ان سے وہ  
 قوم یکسر بے تعلق ہو کر رہے جو کرڈروں کی تعداد میں دنیا کے ہر حصے  
 میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان نئی نسلوں میں اگر کوئی غیر اسلامی رجحان پیدا  
 ہو تو اس کو روکنے کے لئے علماء اسلام کے پاس وہ طاقتور دلائل چاہئیں  
 جو اس زمانے کے دماغوں سے اپنا لوہا منوا سکتے ہوں، چھٹی صدی ہجری  
 کی منطق اب کام نہیں دے سکتی اور اگر یہ لوگ جدید تمدنی زندگی میں،  
 اسلام کی شاہراہ پر آگے بڑھنا چاہیں تو ان کی رہنمائی کے لئے علماء اسلام  
 میں وسعت نظر اور روح اجتہاد کی ضرورت ہے۔ قدم قدم پر عالمگیری  
 اور تاتارخانی کو لاکر سداہ بنانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ نئے زمانے کے  
 مسلمان قرآن و حدیث کو بھی پیچھے چھوڑ کر جدھر منہ اٹھے گا چل نکلیں گے

جس طرح ترک اور ایرانی چل نکلے۔۔۔۔۔ لے

— ”یہ تعلیم جو آپ کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں دی جا رہی ہے۔ غیر اسلامی حکومتوں کے لئے جو بیکری اور وزراء تک فراہم کر سکتی ہے۔ مگر پرانے اسلامی عدالتوں کے لئے چہرہ اسی اور اسلامی پولیس، کانسٹیبل تک فراہم نہیں کر سکتی اور یہ بات جدید تعلیم ہی تک محدود نہیں ہے۔ ہمارا وہ پرانا نظام تعلیم جو حرکت زمین کا سرے سے قائل ہی نہیں ہے وہ بھی اس معاملہ میں اتنا ناکارہ ہے کہ اس دورِ جدید میں اسلامی حکومت کے لیے ایک وزیر، ایک وزیر جنگ، ایک ناظم تعلیمات اور ایک سفیر بھی مہیا نہیں کر سکتا۔“ مودودی

صاحب ”ایک طرف ترکی قوم میں اتنے بڑے انقلاب کی ابتدا ہو رہی تھی دوسری طرف ترکی کے علماء اور مشائخ تھے۔ جو اب بھی ساتویں صدی کی فضا سے نکلنے پر آمادہ نہ تھے۔ ان کے جمود، ان کی تاریک خیالی، ان کی حریت پسندی اور زمانے کے ساتھ حرکت کرنے سے ان کے قطعی انکار کا اب بھی وہی حال تھا۔ جو سلطان سلیم کے زمانے میں تھا۔ وہ اب بھی کہہ رہے تھے کہ چوتھی صدی کے بعد اجنہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ حالانکہ ان کی آنکھ کے سامنے الحاد کا دروازہ کھل رہا تھا۔ وہ ابھی تک فلسفہ و کلام کی وہی کتابیں پڑھنے پڑھانے میں مشغول تھے جن کو پچھنک کر زمانہ پانچویں برس آگے نکل چکا تھا۔ وہ اب بھی اپنے وعظوں میں قرآن کی وہی تفسیریں اور وہی ضعیف حدیثیں سنا رہے تھے جن کو سن کر سو برس پہلے تک کے لوگ سردِ صحت تھے مگر آج کل کے دماغ ان کو سن کر صرف ان مفسرین و محدثین ہی سے نہیں بلکہ خود قرآن و

۱۔۔۔ تہیات جلد دوم صفحہ ۳۸، بعنوان ”آلہ بکر الصوت کا استعمال“

۲۔۔۔ مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش صفحہ سوم صفحہ ۲۲، بعنوان ”خام خیالیاں“

حدیث سے بھی منحرف ہو جاتے ہیں، وہ ابھی تک اصرار کر رہے تھے کہ ترک کی قوم میں وہی فقہی قوانین نافذ کئے جائیں گے جو شامی اور کنز الدقائق میں لکھے ہوئے ہیں خواہ اس اصرار کا بیجہ ہی کیوں نہ ہو کہ ترک قوانین کے اتباع سے بھی آزاد ہو جائیں جو قرآن و سنت رسول میں مقرر کئے گئے ہیں۔

کئے گئے ہیں۔

(تنقیحات ص ۱۳۸)

”ترکی تاریخ کے ان تحولات سے جو لوگ واقف ہیں وہ عجیب عجیب غلطیوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ پرانے مذہبی خیال کے لوگ نوجوان ترکوں پر کفر اور فسق کے فتوے لگا رہے ہیں۔ مگر ان کو خبر نہیں کہ نوجوان ترکوں سے زیادہ گنہگار تو ترکی کے علماء و مشائخ ہیں۔“ (موردی ص ۱۷۸)

نوٹ۔ علماء و مشائخ تو بغیر کسی جرم و جھٹکا کے آپ کی نظروں میں گنہگار ہیں۔ ان کا یہی جرم کیا ہے کہ وہ اٹوڈیٹ اور لیڈر نہیں بلکہ مولوی اور صوفی ہیں۔

”اس کے ساتھ علوم اسلامیہ کو بھی قدیم کتابوں سے جوں کا تولد

نہ لیجئے بلکہ ان میں سے متاخرین کی آئینرشوں کو الگ کر کے اسلام کے دائمی اصول اور حقیقی اعتقادات اور غیر متبدل قوانین لیجئے، ان کی اصل اسپرٹ دلوں میں اتاریئے اور ان کا صحیح تدبر دماغوں میں پیدا کیجئے۔ اس غرض کے لئے آپ کو بنانا یا نصاب کہیں شطے گا۔ ہر چیز از سر نو بنانی ہوگی۔ قرآن اور سنت رسول کی تعلیم سب پر مقدم ہے۔ مگر تفسیر و حدیث کے پرانے

ذخیروں سے نہیں، ان کے پڑھانے والے ایسے ہونے چاہئیں جو قرآن و سنت کے مغز کو پاچھے ہوں۔ اسلامی قانون کی تعلیم بھی ضروری ہے۔

(اے تنقیحات صفحہ ۱۳۵، ۱۳۶، لبوانے ”ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش“)

مگر یہاں بھی پرانی کتابیں کام نہ دیں گی۔ لے

نوٹ۔۔۔ مذکورہ بالا اقتباس پر حسب ذیل سوالات ہیں۔

۱:- اگر حدیث کا پرانا ذخیرہ نہ چاہیے تو نئی حدیث کے لئے نیا پیغمبر چاہیے مسئلہ  
خاتم النبیین پر ضرب آتی ہے۔

۲:- متاخرین کی آمیزشوں کو ہم چھوڑ دیں لیکن آپ کا جدید اضافہ قبول کیا جائے۔  
یا نہیں؟ اگر کیا جائے تو کیوں؟

۳:- اس غرض کے لئے بنانا یا نصاب تعلیم کہیں نہ ملے گا۔ ہر چیز از سر نو بنانی ہوگی۔  
اسے کون بنائے گا؟

۴:- تفسیر کے پرانے ذخیرے اگر بے کار ہیں تو کیوں؟ اور نیا کارآمد ہوگا تو کیوں؟

۵:- جو قرآن و سنت کا مغز پاچکے بہوں، ان کی نشاندہی بھی کر دیجئے کہ ایسے

افراد در سگاہ جماعت اسلامی کے علاوہ بھی کہیں ہیں یا نہیں؟

۔۔۔۔۔ ”جب تک مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ قرآن اور سنت تک

بلا واسطہ دسترس حاصل نہ کرے گا اسلام کی روح کو نہ پاسکے گا نہ اسلام میں

بصیرت حاصل کر سکے گا۔ وہ ہمیشہ مترجموں اور شارحوں کا محتاج رہے گا“ لے

نوٹ۔۔۔ اپنی درسگاہوں کو تاجیم، تفاسیر، شروح، حواشی سے خالی کر کے تجربہ

کیجئے، پھر دوسروں کو دعوت عمل دیجئے یا کھل کر یہ کہہ دیجئے کہ بغیر آپ کو واسطہ بنانے

کوئی اسلام کی روح نہیں پاسکتا؛ گول مول بات کرنے سے کیا فائدہ؟

قرآن کے لئے کسی تفسیر کی حاجت نہیں ایک اعلیٰ درجہ کا پروفیسر

ہو۔ جس نے قرآن کا بہ نظر فائز مطالعہ کیا ہو اور جو طرز جدید پر قرآن سے

(لے :- حوالہ بالا صفحہ ۲۳، ۲۵ بعنوان ”ہمارے تمام تعلیم کا بنیادی نقص“)

۲ :- تفصیلات صفحہ ۳۳، ۳۳۱، بعنوان ”مسلمانوں کے لئے جدید تعلیمی پالیسی (لائسنس عمل)“



پڑھانے اور سمجھانے کی اہلیت رکھتا ہو، وہ اپنے لکچروں سے انٹرمیڈیٹ میں طلبہ کے اندر قرآن فہمی کی ضروری استعداد پیدا کرے گا۔ پھر نیلے میں پورا قرآن اس طرح پڑھا دے گا کہ وہ عربیت میں بھی کافی ترقی کر جائیں گے اور اسلام کی روح سے بھی بخوبی واقف ہو جائیں گے۔ — لے

نوٹ — بالکل صحیح فرمایا آپ نے! ”قرآن کے لئے کسی تفسیر کی حاجت نہیں“ البتہ آپ کے ترجمان القرآن کی ساری دنیا محتاج ہے۔ جیسی تو آپ اس کے پیچھے پڑے ہیں۔

”چند ایسے فضلاء کی خدمات حاصل کی جائیں۔ جو مذکورہ بالا علوم پر جدید کتابیں تالیف کریں۔ خصوصیت کے ساتھ اصول فقہ، احکام فقہ، اسلامی معاشیات، اسلام کے اصول عمران اور حکمت قرآنیہ پر جدید کتابیں لکھنا تہایت ضروری ہے۔ کیونکہ قدیم کتابیں اب درس و تدریس کے لئے کارآمد نہیں ہیں۔۔۔۔۔۔ لے

نوٹ — فضلاء کو توجانے دیجئے۔ اپنی جماعت کے افضل الفضلاء ہونے کی حیثیت سے قدیم کتابوں کا سہارا لے بغیر آپ ہی اصول فقہ اور احکام فقہ پر لکھ کر اپنے کو آزمایجئے۔ پھر تہ چل جائے گا کون کتنے پانی میں ہے۔

ابوالالحاد صاحب مجددِ اعظم مودودی نے کیا کوئی پوچھنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ جناب نے اقتباس گذشتہ میں

**تبصرہ**

بہ شانِ پیغمبر بطور وعید فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز پوچھے گا کہ تم کو کس نے کہا کہ قرآن کو ماتھ نہ لگاؤ اور انہوں کی لکھی ہوئی کتابوں کو

لے :- حوالہ بالا صفحہ ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴ بعنوان ”مسلمانوں کے لئے جدید تعلیمی پالیسی اور لائحہ عمل“

لے :- ایضاً صفحہ ۳۲۴، بعنوان بالا،

کافی سمجھو؛ لیکن یہاں اس اقتباس میں جناب فرما رہے ہیں کہ اصول فقہ اور احکام فقہ وغیرہ جدید کتابیں تالیف کرانے کے لئے چند فضلاء کی خدمات حاصل کی جائیں تو کیا یہ فضلاء انسانوں کے علاوہ اللہ کی کسی دوسری مخلوق میں سے ہوں گے؟ اور قیامت کے دن احکم الحاکمین کے دربار میں اگر مواخذہ ہو گیا تو ان فضلاء کے دامنوں میں بھی پناہ مل سکے گی یا نہیں؟ جیسا کہ جناب والانسے اقتباس گذشتہ کے آخر میں باخبر فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی اس باز پرس سے امید نہیں کہ قیامت کے دن کسی عالم دین کو کنز الدقائق اور ہدایہ وغیرہ کے مصنفین کے دامنوں میں پناہ مل سکے گی۔“

## صحابہ کرامؓ کے متعلق دریدہ دہنی

قارئین کوام!

آگے نہ صرف پڑھیے بلکہ ذہن نشین کر لینے کے بعد صحابہ کرام سے بے اعتنائی سے اور ان کے بارگاہ میں سے دریدہ دہنی سے وگستاخی سے کچھ نہ کہنے کے چند درجہ اقتباسات ملاحظہ کیجئے!

نظامی

امیر جماعت مولانا مودودی یا اپنے مقامی "امیر جماعت اسلامی"

کے احکام و منشاء سے بے اعتنائی برتنا ویسا ہی گناہ ہے۔ جیسے کہ خدا اور رسول کے احکام و منشاء سے بے اعتنائی برتنے کا گناہ ہوتا ہے۔ لہٰذا

میں مودودی جماعت کے اُن کذاب اور دشمن دین

**تبصرہ**

وایمان، وظیفہ خوار اور دجال قسم کے کور ایمان،

لوگوں سے پوچھتا ہوں جو عموماً قابل گرفت اور ناقابل تردید اعتراضات کے

جوابات میں جب لاجواب ہو جاتے ہیں تو فوراً عورت بچانے کے لئے،

شاطرانہ طریقے سے کہا کرتے ہیں کہ "چھوڑیے مولانا مودودی کو آپ جماعت کی بات کریں، ہم مولانا مودودی کے مقلد نہیں ہیں، ہمارا تعلق جماعت

اسلامی سے ہے۔ مولانا مودودی کی ذات سے نہیں، کیا وہ لوگ اس

قسم کے پر و جل جوابات سے خدا اور خدا کے نیک دیندار بندوں کو دھوکا

نہیں دیتے جبکہ یہ عقیدہ ان کی جماعت کے بنیادی عقائد میں شامل ہے

اور کیا سادہ لوح عوام کو یہ لیکر دھوکا نہیں دیا جاتا ہے کہ حدیث شریف

میں جس امیر کی اطاعت کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے، حالانکہ حدیث

شریف میں جس امیر کی اطاعت کی یہ تعریف کی گئی ہے، وہ اس امیر

کی اطاعت کا حکم ہے کہ جو صاحب اقتدار اور صاحب عدالت ہو اور

کافروں کے مقابلے کے لئے فوج اور اس کے تمام متعلقہ انتظامات بھی

رکھتا ہو اور اللہ کے دین کی حقیقی معنوں میں سر بندی چاہتا ہو، نہ کہ

مودودی کی طرح درپردہ اہندام دین میں مصروف و سرگرداں ہو اور رات

دن نہ صرف حاملان دین یعنی اولیائے کرام، محدثین، فقہاء امت،

لے :- بابنامہ ترجمان القرآن بابت منی ۱۹۴۶ء، جلد ۲۸، عدد ۷، صفحہ ۳ بعنوان "اطاعت امر"

صحابہ کبار اور انبیاء عظام کے خلاف نقائص ہی تلاش اور بیان کرنے میں مصروف و منہمک رہتا ہو۔ بلکہ قرآن کریم کے معانی اور مفہوم میں تحریف، تغیر اور حدود اللہ کی تردید و تفسیح کرنے میں بھی جھجک محسوس نہ کرتا ہو اور جس کو نہ صرف حصول اعزاز و اکرام ہی کی بد، مضمی ہو گئی ہو بلکہ دین و دنیا کے ہر دور، ہر زمانے، ہر طبقے، ہر گروہ، ہر شعبے، ہر مذہب اور ہر مسک کی بڑی سی بڑی شخصیتوں کی عیب جوئی کا ہیضہ بھی ہو! حدیث شریف میں تو ایسے باطل امیروں کی بیخ کنی کرنے اور ان سے بچنے اور بچانے کا حکم ہے۔ — لے مودودی صاحب لکھتے ہیں :۔

”رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیارِ حق نہ بنائے۔ کسی کو تنقید سے بالا نہ سمجھے۔ کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو۔ ہر ایک کو خدا کے بنائے ہوئے اسی معیارِ کامل پر جانچے اور پرکھے، اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجے میں ہو اس کو اسی درجے میں رکھے“ — لے

نوٹ — مندرجہ بالا اقتباس نہ تو قرآن کی کسی آیت کا ترجمہ ہے اور نہ ہی کسی حدیث کا، ایک ایسے غیر بنی کے ذہن کی پیداوار ہے۔ جو خود ہی معیارِ حق نہیں، اس لئے ایسے غیر معیاری انسان کی لائینی بات پر توجہ دینے سے کیا فائدہ معیارِ حق تو سرور کونین روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک میں تلاش کیا جائے کہ اپنے عشرہ مہینہ اصحاب بدر وغیرہ سے متعلق کیا ارشاد فرمایا ہے آیا یہ کہ ان پر تنقید کی جائے اور ان کی ذہنی غلامی نہ کی جائے یا اس کے سوا کچھ اور؟

لے :- دو بیاد اجتماع جماعت اسلامی حصہ چہارم، آن صفحہ ۱۳۹، ۱۵۰

لے :- دستور جماعت اسلامی پاکستان صفحہ ۲۳، ”بتوان“ عقیدہ

مثلاً الصحابی کالنجوم بایہم اقتدینم اہتدیتیم وغیرہ کے متعلق لکھا ہے :-

”معیاری مسلمان تو دراصل اس زمانے میں بھی رہے تھے اور اب بھی وہی ہیں جو قرآن اور حدیث کے علوم پر نظر رکھتے ہوں اور جن کے رگ و پے میں قرآن کا علم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا نمونہ سرایت کر گیا ہوگا۔۔۔۔۔ لے

نوٹ۔۔۔ چونکہ یہ ایک غیر معیاری انسان کی کہی ہوئی بات ہے اس لئے یہ تلاش کیجئے کہ حق یہیں ہے یا کہیں اور ؟

**تبصرہ** خط کشیدہ جملہ ”اب بھی وہی ہیں“ ذرا غور سے پڑھئے اور سمجھئے کہ ابوالمعیار مودودی کیا چیز ذہن نشین کرانا چاہتا ہے ؟ کیا ”اب بھی وہی ہیں“ کا مطلب صاف اور صریح نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت قطعاً بے معنی ہے۔ جبکہ معیاری مسلمان اس وقت بھی اسی وقت کی طرح بن سکتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پانے ہوئے اصحاب بہمہ صورت ناقابل معیار ہوئے۔“

صدر الدین نے اصلاحیے لکھتے ہیں :-

”انسان کے ذاتی جذبات قومی اور خاندانی جذبات سے کہیں زیادہ عزیمت شکن اور بے پناہ ہوتے ہیں، جب غیرت اور حمیت کا طوفان جوش مارتا ہے تو بڑے سے بڑے ارباب عزم و ثبات کے پاؤں بھی اس کی زد میں اٹھ جاتے ہیں۔ نفس کا یہ سب سے کامیاب

لے :- تفہیمات جلد اول صفحہ ۳۱۹، بعنوان ”حدیث کے متعلق چند سوالات

اور خطرناک وارہے جسے روکنے کے لئے نبوت کا استقلال چاہئے  
اسلام کی بلند نظری اور حق پسندی یہاں اپنے انتہائی کمال پر  
پہنچ جاتی ہے۔ اگرچہ "غیرت" انسانیت کا ایک بہترین جوہر ہے لیکن  
اسلام اسے بھی آزاد نہیں چھوڑتا اسے بھی اپنے تابع بناتا ہے۔ اسے اعتدال  
کی حدود سے باہر نہیں جانے دیتا اور انسان کو حکم دیتا ہے کہ وہ کبھی  
بھی نفس کے رجحانات سے مغلوب نہ ہو جو کچھ کرے نفسانیت اور جذبات  
سے عاری ہو کر محض خدا کے لئے اس کی رضا جوئی کے لئے اور اس کے  
نظام عدل کی برقراری کے لئے کرے، اسلام کا یہ نازک ترین مطالبہ

ہے کہ ایک ترسہ صدیق اکبر جیسا بے نفس، متورع اور سراپا لہبتیت،

انسان بھی اس کو پورا کرنے سے چوک گیا۔ — لے

نوٹ — رسول خدا کے چہیتے اور مقبول صحابی حضرت سیدنا صدیق اکبر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان گرامی میں یہ ایک ناروا جسارت ہے۔ ان فضائل و  
محاسن ہی اتنے ہیں کہ ان کے سمیٹنے میں زندگی ختم ہو جائے۔ اس رخ کو چھوڑ کر ان  
کے نقائص اور کمزوریوں کی تتبع و تلاش، یہ ایمان کی کمزوری اور حجت باطن کی  
واضح دلیل ہے۔ خداؐ قدر اپنے اسلاف و اکابر کا ہمیں نیاز مند و عقیدت کیش  
بنائے، ان کی بارگاہ کا سر بھرا نہ بنائے۔

صدر الدین اصلاحی نے مزید لکھا ہے:

لیکن دنیا تو ہر بلندی کے آگے مڑی دینے کی خوگر تھی

اور ہر بزرگ انسان کو مقام بشر سے کچھ نہ کچھ بڑی سمجھتی آرہی تھی

چنانچہ اس نخیل کا اثر ملتے ملتے بھی کبھی کبھی نمایاں ہو جاتا تھا۔ غالباً

یہ ہی شخصی عظمت کا نخیل تھا جس نے رحلت مصطفوی کے وقت

لے:- ماہنامہ توجہان القوان بابت ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ جلد ۱۲ عدد ۱۳ صفحہ ۳۰۱

اضطرابی طور پر حضرت عمر کو مغلوب کر لیا تھا..... لیکن ان تمام تصریحات کے باوجود اس جگر گزار خبر کو سن کر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، حضرت عمر جیسا ترتیب یافتہ مسلمان بھی فوراً جذبات میں توازن کھو دیتا ہے، تھوڑی دیر کے لئے بھول جاتا ہے کہ قضائے الہی کے سامنے بالا و پست سب ایک ہیں اور حیران ہو ہو کر سوچتا ہے کہ اتنی بڑی ہستی کس طرح اس معمولی انداز میں گزر جاسکتی ہے۔ پیغمبرانہ شخصیت کی بزرگی کا جو سکے نفس میں مرسم تھا اس کی بنا پر وہ آپ کی وفات کا یقین کرنے کے لئے تیار نہ تھا... دیکھئے اس اقتباس کا صاف اور واضح مطلب اور خلاصہ بھی ملاحظہ فرمائیے، یعنی حضرت عمر کے قلب سے وہ جذبہ اکابر پرستی جو زمانہ جاہلیت کا پیداوار تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات تک بھی پوری طرح محو نہ ہوا تھا اور آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت

ابھرتی آیا۔۔۔ لے

نوٹ۔۔۔ سرور کونین سید عالم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے پر حضرت سیدنا فاروق اعظم کا مضطربانہ سوال ان کے وفور عشق و محبت کا نتیجہ تھا یا اس جذبہ اکابر پرستی کا جو زمانہ جاہلیت کا پیداوار تھا (معاذ اللہ) ان دو تعبیروں میں جو زیادہ مناسب ہو اسے ناظرین قبول کر لیں۔ یہ بات کیونکر تسلیم کی جاسکتی ہے کہ فاروق اعظم جیسے جلیل القدر صحابی، خدا قدیر کے سوا کسی غیر خدا کے حق و قیوم ہونے کے قائل تھے۔ یہ ایک نقیباتی بات ہے۔ اس نوع کے اچانک حادثے پر بطور اضطراب ایسے جملے زبان پر آ ہی جاتے ہیں۔

لے:- مابناہ توجان القرآن بابت ربیع الثانی، ۱۳۵ھ جلد ۱۲، عدد ۴، ص ۲۶۸۔

بس یہی کچھ حال حضرت فاروق اعظم کا بھی تھا کہ جذبہ اکابر پرستی جو زمانہ جاہلیت کا پیداوار تھا، وہ عود کر آیا تھا۔

”مگر ایک طرف حکومت اسلامی کی تیز رفتار وسعت کی وجہ سے کام روز بروز زیادہ سخت ہوتا جا رہا تھا اور دوسری طرف حضرت عثمان جن پر اس کا رعب عظیم کا بار رکھا گیا تھا۔ ان تمام خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جلیل القدر پیش روؤں کو عطا ہوئی تھیں۔ اس لئے ان کے زمانہ خلافت میں جاہلیت کو اسلامی نظام اجتماع کے اندر گھس آنے کا موقع مل گیا حضرت عثمان نے اپنا سر دے کر خطرے کا راستہ روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہ رکا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھے اور انہوں نے اسلام کے سیاسی اقتدار کو جاہلیت کے تسلط سے بچانے کی انتہائی کوشش کی مگر ان کی جان کی قربانی بھی اس انقلاب معکوس کو نہ روک سکی۔۔۔۔۔

نوٹ۔۔۔۔۔ جہت تقابلی میں یہ اعتدال کی راہ نہیں کہ کسی صحابی کی تنقیص کی جائے مذکورہ بالا اقتباس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسی عظیم شخصیت پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ اسلام کی کوئی مخلصانہ خدمت نہیں، بلکہ اس پردے میں خود اسلام کی جڑیں کھوکھلی کی جا رہی ہیں۔ خداوند کریم اصلاح و ہدایت مرحمت فرمائے اور لوگوں کو یہ سمجھنے کی توفیق دے کہ یہ تحریک قبول کرنے کے لائق ہے یا اس سے اجتناب و گریز ضروری ہے۔  
موردی صاحب نے لکھا ہے:-

”اسلام کی عاقلانہ ذہنیت کسی نحیف سے نحیف غیر اسلامی جذبہ کی نمرکت بھی گوارا نہیں کر سکتی اور اس معاملے میں اس قدر نفس کے

لے :- تجدید و احیاء دین ص ۳۶، عنوان ”جاہلیت“



میلانات سے متنفر ہے کہ حضرت خالد جیسے صاحب فہم انسان کو بھی اس کے حدود کی تمیز مشکل ہو گئی۔

نوٹ۔۔۔ اسلام کی عاقلانہ ذہنیت بس یہ ہے کہ صدیق اکبر فاروق اعظم عثمان غنی، حضرت خالد اور عام صحابہ پر تبرا کیا جائے کوئی چوک گیا۔ کوئی حدود کی تمیز نہ کر سکا کسی میں خصوصیت کی کمی تھی، کسی میں جاہلیت کا جذبہ عود کر آیا تھا بس ایک مودودی صاحب سحرے ہیں جو نہ چوکتے ہیں نہ بولتے ہیں۔

صدر الدین اصلاحی نے لکھا ہے :-

”اس تصور کی خاص اخلاقیات اور بے لوث عقیدت اتنی

بلند تھی کہ اس کی رفعتوں تک پہنچنے میں ان لوگوں کو بھی ابتداءً بڑی دشواریاں پیش آئیں جو نفسیائیت اور جاہلیت کو کبھی تیر آباد کہہ چکے تھے۔ برسوں کی تعلیم و تربیت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو میدان جنگ میں لائے اور باوجودیکہ ان کی ذہنیت میں انقلاب عظیم رونما ہو چکا تھا، مگر پھر بھی اسلام کی ابتداءً لڑائیوں میں صحابہ کرام جہاد فی سبیل اللہ کی اصل اسپرٹ سمجھنے میں بار بار غلطیاں کرتے تھے۔۔۔۔۔

نوٹ۔۔۔۔۔ صحابہ کرام بار بار غلطیاں کر جاتے تھے۔ شاید کہ مودودی شریعت میں صحابہ کرام کی روح کو ایصالِ ثواب کا یہ بھی کوئی طریقہ ہے۔ خود مودودی صاحب نے لکھا ہے :-

”ان سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ بسا اوقات

صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی بشری کمزوریوں کا غلبہ ہو جاتا تھا اور وہ ایک

۱۔۔۔۔۔ ماہنامہ ترجمان القرآن بابت ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ جلد ۱۲ عدد ۱ ص ۲۹۵  
۲۔۔۔۔۔ ماہنامہ ترجمان القرآن بابت ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ جلد ۱۲ عدد ۱ ص ۳۹۱

دوسرے پر چڑھیں کر جایا کرتے تھے۔ ابن عمر نے سنا کہ ابو ہریرہ وتر کو ضروری نہیں سمجھتے۔ فرمانے لگے کہ ابو ہریرہ جھوٹے ہیں۔ حضرت عائشہ نے ایک موقع پر انس اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق فرمایا کہ وہ حدیث رسول کو کیا جانیں وہ تو اس زمانے میں بچے تھے۔ حضرت حسن بن علی سے ایک مرتبہ شاہد و مشکوٰۃ کے معنی پوچھے گئے۔ انہوں نے اس کی تفسیر بیان کی عرض کیا گیا کہ ابن عمر اور ابن زبیر تو ایسا ایسا کہتے ہیں، فرمایا دونوں جھوٹے ہیں۔ عبادہ بن صامت نے ایک مسئلہ بیان کرتے ہوئے مسعود بن اوس انصاری پر جھوٹ کا الزام لگایا۔ حالانکہ وہ بدری صحابہ میں سے ہیں۔

**تبصرہ** | نعوذ باللہ، نعوذ باللہ، یہ واقعات جس انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔ اول تو یہ بالکل خلاف حقیقت اور بے بنیاد ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ ابوالکذاب مغرب زدہ منتقنی مودودی کا عربی زبان کا ماہر اور عربی محاورات سے واقف ہوتا تو یہ ذیل و شر ایگز اور لافینی بکواس بکنے کی جزات کبھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے کہ عہد صحابہ میں جب آپس میں مسائل پر ایک دوسرے کے لئے لفظ "کذب" استعمال ہوتا تھا تو اس کے معنی محض غلط فہمی کے ہی لئے جایا کرتے تھے جیسا کہ تاریخ اسلام میں آج تک صحابہ کرام کی افہام و تفہیم کے ان اختلافات کو اس قدر قطع اور ماروہ انداز میں یہ مستابہ اعدائے دین کسی سلیم الانسان اور راسخ العقیدہ مسلمان عالم یا مورخ نے پیش نہیں کیا۔ مودودی صاحب کے لفظوں میں "مذہب کا ضابطہ" سل اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان

ملاحظہ ہو۔

۱۔ - تنبیہات جلد اول صفحہ ۳۰۳، ۳۰۴، بعنوان "مسک اغدال"

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں جو زبردست کامیابی حاصل ہوئی، اور جس کے اثرات تھوڑی ہی مدت گزرنے کے بعد دریائے سندھ سے لے کر اٹلانٹک کے ساحل تک دنیا کے ایک بڑے حصے نے محسوس کر لئے۔ اس کی وجہ یہی تو تھی کہ آپ کو عرب میں بہترین انسانی مواد مل گیا تھا۔ جس کے اندر کیریٹر کی زبردست طاقت موجود تھی اگر خدا نخواستہ آپ کو بودے، کم سمیت، ضعیف الارادہ اور ناقابل اعتماد لوگوں کی بھیڑ مل جاتی تو کیا پھر بھی وہ نتائج نکل سکتے تھے۔ اے نوٹ۔۔۔ تو کیا پھر بھی وہ نتائج نکل سکتے تھے؟ یہ استنفہام انکاری ہے۔ یعنی اگر ایسے صاحب صلاحیت افراد رسول خدا کو نہ ملے تو ہرگز ہرگز یہ کامیابی حاصل نہ ہوتی۔ جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ کامیابی کا سبب افراد کی صلاحیت ہے نہ کہ رسول خدا کی تربیت۔ موصوف، قرآن کریم کے بارے میں یوں لکھتے ہیں

”قرآن حکیم“ نجات“ کے لئے نہیں بلکہ ”ہدایت“ کے لئے کافی ہے، اس کا کام صحیح فکر اور صحیح عمل کی راہ بتانا ہے اور اس رہنمائی میں یقیناً کافی ہے۔“

تفسیر القرآن لکھنے کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے :-

”میں نے اس میں قرآن کے الفاظ کو اردو جامہ پہنانے کے بجائے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کی ایک عبارت کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے۔ اسے حتی الامکان صحت کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کروں“

۱۔ اسلامی نظام زندگی صفحہ ۲۴۸، ۲۴۹، بعنوان ”بنیادی انسانی اخلاقیات“

۲۔ تفسیحات حصہ اول صفحہ ۳۲۱، بعنوان ”قرآن اور سنت رسول“

۳۔ تفسیر القرآن دیب پرہیز، بعنوان ”تفسیر لکھنے کے وجود“

نوٹ: ..... پچھلے صفحات پر یہ عبارت گزر چکی ہے۔ جس کا سرسری جائزہ بھی لیا گیا ہے۔

**تبصرہ** | ایسی تفسیر اور ایسا ترجمہ تو یقیناً سمندر ہی کے نذر کر دیئے

جانے کے قابل ہو سکتا ہے۔

اس سے کتاب کے تین ہزار نسخے نکل چکے تھے کہ ہمارے علم میں یہ بات آئی کہ ایک صاحب اسے ناجائز طور پر طبع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لہذا ہم نے اس کا یہ اہتمام کیا ہے کہ سب نسخے پر مصنف اور طابع و ناشر کے قلمی دستخط ہوں گے تاکہ ہر وہ نسخہ مال مسروقہ قرار پائے۔ جن پر یہ دستخط نہ ہوں۔ دستخط کرنے کا یہ طریقہ قسم سوم کے نسخے نمبر ۱۰۰م، قسم دوم کے نسخے نمبر ۲۰۰ اور قسم سوم کے نسخے نمبر ۵۰۰ سے شروع کیا جا رہا ہے۔ ہم اس امر کا اعلان بھی کرتے ہیں کہ مکتبہ انسانیت کے دفتر میں ان سب لوگوں کے نام اور پتے محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ جن کو کتاب کا کوئی نسخہ قیمت یا ہدیہ دیا جاتا ہے۔ لہذا جو صاحب مصنف کی اجازت کے بغیر یہ کتاب طبع اور شائع کریں گے۔ ان کی چوری چھپ نہ سکے گی اور ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

طابع و ناشر

بدیہ ۱۶/۲۵ مصنف

محمد قمر الدین



ابوالاعلیٰ

اعلان برائے تفہیم القرآن (مردودی)

**تبصرہ** | قرآن کریم اور اس کی تفسیر ہی دین و اسلام کا سرچشمہ ہے اور اللہ کے دین کی اشاعت اور اعلاء کلمۃ الحق کا

سب سے بڑا ذریعہ ہے اور اللہ کے دین کی اشاعت اور اعلاء کلمۃ الحق حتی الامکان

لے :- (تفہیم القرآن جلد اول طبع چہارم کے سرورق کا اندرون صفحہ)

ہر مسلمان کا فرض ہے اس لئے قرآن کریم اور اس کی تفسیر کا زیادہ سے زیادہ چھپنا بھی یقیناً اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کا پر سہولت اور آسان و ارزاں سبب ہو سکتا ہے۔ قرآن کو مکہ اور تھامیسو، احادیث شریف اور فقہ ہرگز بھی کسی فرد واحد یا کسی کمپنی کی جاگیر نہیں بن سکتی جیسا کہ تاریخ اسلام میں آج تک قرآن و حدیث اور فقہ و تفسیر کی طباعت اس قدر عام رہی ہے کہ "نول کشور" وغیرہ جیسے غیر مسلموں نے بھی لا اتنا ہی تعداد میں قرآن و حدیث و فقہ و تفسیر کی طباعت کرائی ہے جو ارزاں سے ارزاں تر قیمتوں پر فراہم ہونے اور زیادہ سے زیادہ شائع ہونے کا سبب بنا۔ لیکن ابوالتجار صاحب مودودی نے اپنی تفسیر اور اپنی وہ تمام خصوصی تصانیف جو عالم اسلام میں تجدید و احیاء دین و اقامت دین و اشاعت دین و ترغیب دین اور تلبیق دین کا ہی سہارا لے کر لکھی اور شائع کی گئی ہیں۔ ان سب کے جملہ حقوق پر طباعت کی پابندی لگا کر اور گراں سے گراں تر قیمتوں پر فروخت کر کے نہ صرف اپنی باپتے باپ دادا کی جاگیر ہی بنالی ہے بلکہ اس گمراہ کن طریقے کو دوسروں کے لئے جواز یا مشعل راہ بنا دیا ہے اور یہ اسلام اور دین فسروشی اور قلم فروشی کا ایسا ناقابل تردید اور واضح ثبوت ہے کہ جس کا سوائے ڈوب مرنے یا پاکستان اور تمام ممالک اسلامیہ سے ردپوش ہو جانے یا پھر اللہ کے حضور میں توبہ کرنے اور قوم سے معافی مانگنے کے کوئی تدارک یا جواب ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن اس کے برعکس بے غیرتی اور ڈھٹائی ملاحظہ فرمائیے کہ ابوالتجار مودودی کی ان پر فریب اور پردہ چاک کو تار اور بھانپ کر اور ان کے اسلام فروشی کے پرخطر نتائج سے متاثر ہو کر صرف قلم فروشی ہی کہہ دیا یا لکھ دیا تو فوراً ہی ان کے صاحبین اور قارئین کوٹ،

تیلون کے بٹن کھول اور آستین چڑھا ایسے برہم ہوتے ہیں کہ جیسے  
 نہ معلوم حضرت قبلہ مولانا ابوالتجار صاحب مودودی کی شان مبارک میں  
 کوئی ناروا گستاخی یا بے بنیاد الزام اور مکروہ بہتان لگا دیا ہو۔ اس لئے  
 اب میں ابوالتجار اور ابوالقلم صاحب مودودی کا ایک دینی و ادبی و  
 اصلاحی اقتباس پیش کرتا ہوں۔ الخ

خانہ کعبہ، حرم محترم اور دیار عرب کے بارے میں مودودی صاحب  
 لکھتے ہیں :-

” وہ سرزمین جہاں سے کبھی اسلام کا نور تمام عالم میں پھیلا  
 تھا۔ اس جاہلیت کے قریب پہنچ گئی ہے۔ جس میں وہ اسلام سے پہلے  
 مبتلا تھی۔ اب نہ وہاں اسلام کا علم ہے، نہ اسلامی اخلاقی ہیں، نہ  
 اسلامی زندگی ہے۔ لوگ دور دور سے بڑی عقیدتیں لئے ہوئے حرم پاک  
 کا سفر کرتے ہیں۔ مگر اس علاقے میں پہنچ کر جب ہر طرف ان کو  
 جہالت، گندگی، طمع، بے حیائی، دنیا پرستی، بد اخلاقی، بد انتظامی اور  
 عام باشندوں کی طرح گری ہوئی حالت نظر آتی ہے تو ان کی توقعات کا  
 سارا ظلم پاش پاش ہو کر رہ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بہت سے لوگ حج کر کے  
 اپنا ایمان بڑھانے کے بجائے الٹا کچھ کھو آتے ہیں۔ وہی پرانی مہنت گری،  
 جو حضرت ابراہیم و اسمعیل علیہما السلام کے بعد جاہلیت کے زمانے  
 میں کعبے میں مسلط ہو گئی تھی اور جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے اگر ختم کیا تھا اب پھر تازہ ہو گئی ہے۔ حرم کعبہ کے منتظم پھر اسی طرح  
 مہنت بن کر بیٹھ گئے ہیں۔ خدا کا گھرانے کے لئے جاہل اور حج ان کے لئے

لئے :- خطبات حصہ چہارم ص ۵۲، ۵۳، بعنوان ” حج کا عالمگیر اجتماع“ (۱-۱) ص ۳۳

تجد بن گیا ہے۔ حج کرنے والوں کو اپنا آسامی سمجھتے ہیں۔ مختلف ملکوں میں بڑی بڑی تنخواہیں پانے والے ایجنٹ مقرر ہیں۔ تاکہ آسامیوں کو گھیر گھیر کر بھیجیں، ہر سال اجمیر کے خادموں کی طرح ایک لشکر کا لشکر دلالوں اور سفری ایجنٹوں کا مکہ سے نکلتا ہے تاکہ دنیا بھر کے ملکوں سے آسامیوں کو گھیر لائے۔ قرآن کی آیتیں اور حدیث کے احکام لوگوں کو سنا کر حج پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ نہ اس لئے کہ انھیں خدا کا عاید کیا ہو فرض یاد دلایا جائے بلکہ صرف اس لئے کہ ان احکام کو سن کر یہ لوگ حج کو نکلیں تو آمدنی کا دروازہ کھلے گا یا اللہ اور اس کے رسول نے یہ سارا کاروبار ان کی مہنتوں اور ان کے دلالوں کی پرورش کے لئے پھیلایا تھا۔ پھر جب اس فرض کو ادا کرنے کے لئے آدمی گھر سے نکلتا ہے تو سفر شروع کرنے سے لے کر واپسی تک ہر جگہ اس کو مذہبی مزدوروں اور دینی تاجروں سے سابقہ پیش آتا ہے۔ معلم، مطوف، ما کلید بر دار کعبہ اور خود حکومت حجاز سب اس تجارت میں حصہ دار ہیں حج کے سارے مناسک معاوضہ لے کر ادا کرائے جاتے ہیں۔ ایک مسلمان کے لئے خانہ کعبہ کا دروازہ تک نفیس کے بغیر نہیں کھل سکتا۔ "نعوذ باللہ من ذالک" یہ بنارس اور ہر دوار کے پتھروں کی سی حالت اس دین کے نام نہاد خدمت گزاروں اور مرکزی عبادت گاہ کے مجادروں نے اختیار کر رکھی ہے۔ جس نے مہنت گرمی کے کاروبار کی جڑ کاٹ دی تھی۔ بھلا جہاں عبادت کرانے کا کام مزدوری اور تجارت بن گیا ہو۔ جہاں عبادت گاہوں کو ذریعہ آمدنی بنایا گیا ہو، جہاں احکام الہی کو اس غرض کے لئے استعمال کیا جاتا ہو کہ خدا کا حکم سن کر لوگ فرض بجالانے کے لئے مجبور ہوں اور اس طاقت کے بل پر ان کی جیبوں سے روپیہ

گھسیٹا جائے۔ جہاں آدمی کو عبادت کا ہر رکن ادا کرنے کے لئے معاوضہ دینا پڑتا ہو اور دینی سعادت ایک طرح سے خرید و فروخت کی جنس بن گئی ہو۔ ایسی جگہ عبادت کی روح باقی کہاں رہ سکتی ہے؟ کس طرح امید کر سکتے ہیں کہ حج کرنے والوں کو اس عبادت کے حقیقی و روحانی فائدے حاصل ہوں گے۔ جبکہ یہ سارا کام سوداگری اور دوسری طرف خریداری کی ذہنیت سے ہو رہا ہو“

(مودودی صاحب)

**تبصرہ** ملاحظہ فرمائی! ابوالہنفویات صاحب مودودی کی کلمبج چیز دینے والی اور مومن آزاد تحریر کیا عالم اسلام میں تجدید و احیائے دین کا کوئی علمبردار تو درکنار کوئی عام اور مذہب سے آزاد رہنے والا مسلمان بھی کہیں اتنی جرأت اور بے باکی دکھا سکتا ہے؟ مجھے یقین ہے کہ کوئی غیر مسلم بھی حرم پاک اور علمائے حق اور منتظمین کعبہ کے خلاف اتنی جرأت اور بے باکی سے قلم نہیں اٹھا سکتا۔ اچھا میں بھی پوچھتا ہوں کہ اللہ نے سارا نظام اسلام قرآن و حدیث اور عطا کعبہ وغیرہ کا کاروبار صرف مودودی پر شادا اور اس کے دلال ساتھیوں کے لئے پھیلایا ہے۔

مودودی صاحب کا دنیا کے بارے میں اور مصائب شاید کے متعلق نظریہ یہ ہے۔  
 ”یہ دنیوی زندگی چونکہ آزمائش کی مہلت ہے۔ اس لئے یہاں نہ حساب ہے نہ جزا نہ سزا، یہاں جو کچھ دیا جاتا ہے۔ وہ کسی نیک عمل کا انعام نہیں۔ بلکہ امتحان کا سامان ہے اور جو تکالیف، مصائب، شدائد وغیرہ پیش آتے ہیں۔ وہ کسی عمل بد کی سزا نہیں بلکہ زیادہ تر اس قانونِ طبعی کے

۱۔ خطبات حصہ چہارم صفحہ ۵۲، ۵۳، بعنوان ”حج کا عالمگیر اجتماع“ ۱۔ ن صفحہ ۴۳



تحت جس پر اس دنیا کا نظام قائم کیا گیا ہے۔ آپ سے آپ تطاہر ہونے والے نائج ہیں۔ —————

**تبصرہ** | یہ عقیدہ قرآن اور اسلامی تعلیم کے قطعاً خلاف ہے اس میں الحاد اور دسپریت کی نہایت پرفریب اور تلبیسیا انداز میں نہ صرف تائید ہی کی گئی ہے۔ بلکہ تعلیم بھی دی گئی ہے اور قرآن کریم کی صریح مخالفت اور تکذیب کی گئی ہے۔

مودودی صاحب کا بدکردار اور عیاش لوگوں پر کرم بلائے کرم ملاحظہ ہو:-  
یہ کہ متعہ کو مطلقاً حرام قرار دینے یا مطلقاً مباح ٹھہرانے میں شیعوں اور شیعوں کے درمیان جو اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس میں بکت اور مناظر نے بیجا شدت پیدا کر دی ہے۔ ورنہ امر حق معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ انسان کو بسا اوقات ایسے حالات سے سابقہ پیش آجاتا ہے۔ جن میں نکاح ممکن نہیں ہوتا اور وہ زنا یا متعہ میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں زنا کی بہ نسبت متعہ کر لینا بہتر ہے۔ مثلاً فرض کیجئے کہ ایک جہاز سمندر میں ٹوٹ جاتا ہے اور ایک مرد و عورت کسی تختے پر بہتے ہوئے ایک ایسے سنسان جزیرے میں جا پہنچتے ہیں۔ جہاں کوئی آبادی موجود نہ ہو، وہ ایک ساتھ رہنے پر بھی مجبور ہیں اور شرعی شرائط کے مطابق ان کے درمیان نکاح بھی ممکن نہیں ہے۔ ایسی حالت میں ان کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ باہم خود ہی ایجاب و قبول کر کے اس وقت تک کے لئے عارضی نکاح کر لیں۔ جب تک وہ آبادی میں نہ پہنچ جائیں یا آبادی ان تک پہنچ جائے۔ کم و بیش ایسی ہی اضطراری صورتیں اور بھی ہو سکتی ہیں۔ منوع اسی قسم کی

۲۰۱۔ ان صفحہ ۴۵، تبصرہ دیدو جائے دینے صفحہ ۲۹، بعنوان "اسلام"،

اضطراری حالتوں کے لئے ہے، ————— لے

**تبصرہ** | اچھا چلے، تھوڑی دیر کے لئے فرض ہی کر لیا جائے اور یہ مجر العقول صورت پیش آہی جائے کہ سمندر کی سینکڑوں ہزاروں فٹ بے پناہ بلند بالا اور خطرناک لہریں کسی جہاز کو اس طرح توڑ پھوڑ اور نیست و نابود کر دیں کہ صرف ایک ہی تختہ بہ این شان محفوظ رہ جائے کہ اس پر ایک مرد ایک عورت بہتے ہوئے کسی سسنان اور غیر آباد جزیرے میں پہنچ جائیں (قطع نظر اس کے کہ وہ دونوں حقیقی بھائی بہن یا ماں اور بیٹے یا دونوں ضعیف العمر بوڑھے ہوں) تو کیا وہاں پہنچ کر ان دونوں مرد و عورت کو نہ کھانے پینے کا فکر ہوگا نہ گرمی سردی کے بچاؤ کا تردد پیدا ہوگا؟ اور نہ عزیز و اقارب، ماں باپ اور بال بچوں کی یاد ستائے گی اور نہ مال و دولت اور ساز و سامان کے چھوٹ جانے کا غم کھائے گا؟ اور نہ ہی درندوں وغیرہ کا خوف اور موت و حیات کا ہولناک تصور اور تخیل ہی سامنے آئیگا بس صرف بھرپور جوانی کا جوش و جنون ہی دل و دماغ پر مسلط ہوگا اور تختے سے اترے ہی ”من تو شدم تو من شدم من تن شدم تو جان شدم“ کے گیت گانے میں مصروف و منہمک ہو جائیں گے۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ بھلا کیا عقل سلیم اس بات کو تسلیم کر سکتا ہے۔ کہ ایسی بیچارگی اور ہولناک صورت حال میں بھی جنسی مہوک کی شدت اور اضطراری کیفیت پیدا ہوگی؟ نعوذ باللہ اس قسم کے ذلیل مرد و عورت ابوالمتمودودی ہی کے ذہن میں یکین ہو سکتے ہیں..... درحقیقت ابوالاضطرار مودودی کو متمعہ کی صحیح تعریف کا علم ہی نہیں ہے۔ اگر متمعہ کی

لے :- ماہنامہ ترجمان القرآن بابت ماہ اگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۲۷۲ جلد ۲۴ - عدد ۷

صحیح تعریف سے باخبر ہوتے تو یقیناً تفسیر قرآن کے نام سے تو یہ لغزش ان سے ہرگز سرزد نہ ہوتی۔

خلع کے بارے میں مودودی نے شریعت مطہرہ پر پانی پھیر کر یوں خانہ بربادی کا پروگرام پیش کیا ہے۔

”خلع کے مسئلے میں دراصل یہ سوال قاضی کے لئے تنقیح طلب ہے، ہی نہیں کہ عورت آیا جائز ضرورت کی بنا پر طالب خلع ہے یا محض نفسانی خواہشات کے لئے علیحدگی چاہتی ہے۔“

ابوالتینقح مودودی غیر مشروط طور پر عورت کو خلع کی آزادی دے کر نہ صرف زوجهین کی خانگی زندگی ہی کو تباہی اور

انجمنوں میں مبتلا کر رہا ہے۔ بلکہ اس دور فتن میں عورت کو خلاف شرع آزادی دے کر اسلامی معاشرہ کو بھی تباہ اور بدنام کرنے کا ذریعہ بنا رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے، ابوالتینقح مودودی کو اجتہاد کا ہیضہ ہو گیا ہے! غور فرمائیے، جبکہ قاضی کے لئے سبب خلع یا ضرورت خلع قابل تنقیح ہی نہیں ہے تو عورت کا قاضی کے پاس درخواست دینے کا مطلب حصول خلع تو نہ ہوا بلکہ صرف اطلاع خلع ہی مقصود ہوا کہ وہ اپنے رجسٹر میں اندراج کر لے کہ میں نے آج اپنے ”اولڈ ٹائپ کھوسٹ“ شوہر کو دجو کر نہ مجھے سینما دکھانا ہے نہ کلب ہی میں مجھے اپنے دوستوں کے ساتھ جانے دیتا ہے اور نہ مجھے شاپنگ کے لئے بازار جانے دیتا ہے! طلاق دے دی ہے۔ لہذا تحریر لکھ دو کہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔

”خلع کی صورت میں عدت صرف ایک حیض ہے۔ دراصل یہ

عدت ہے ہی نہیں بلکہ یہ حکم محض استبراء رحم کے لئے دیا گیا ہے تاکہ دوسرا نکاح

لے دو حقوق الزدہین صفحہ نمبر ۱۰۱، ۱۰۲، ”بعضا“ ”احکام خلع“



زہد و تقویٰ میں اصطلاحی زاہدوں اور متقیوں سے بڑھ کر ہو اور دوسری طرف دنیا کے انتظام چلانے کی قابلیت و صلاحیت بھی عام دنیا داروں سے زیادہ اور بہتر رکھتا ہو۔ صالحین کی ایک ایسی جماعت منظم کی جائے جو خدا سے بھی ہو، راست باز، دیانت دار بھی ہو۔ خدا کے پسندیدہ اوصاف و اخلاق سے آراستہ بھی ہو اور اس کے ساتھ دنیا کے معاملات کو دنیا داروں سے زیادہ اچھی طرح سمجھ سکے۔

**نوٹ** ہمیں بھی آپ کی کامیابی کا شدت سے انتظار ہے۔ کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ کے دور ہالیوں میں راکٹ اور جہاز چاند پر بھیجے جائیں گے۔ بلکہ چاند خود جماعت اسلامی کے آفس کا طواف کرنے آئے گا۔ اصطلاحی زاہدوں کی پھونک سے تو ٹینک میں کیڑے نہیں پڑینگے البتہ آپ کی خانقاہ جس کے بیچ صحن میں سینا ہال بھی ہو گا۔ اس سے جو متقی و پرہیزگار نکلیں گے۔ ان کی نگاہ کا گرم تیمور بھی ٹینک سہ نہ سکے گا۔ بلکہ برف کی مانند گھپل کر پانی پانی ہو جائے گا۔ آپ کی تیار کردہ صالحین کی منظم جماعت میں یقیناً ایسے افراد ہوں گے۔ جو شاہ اسماعیل، سید احمد، شاہ ولی اللہ کو منہ چڑھائیں گے اور ڈارون، بلین، مارکس کو انگوٹھا دکھائیں گے۔ میں خود بھی نہ سمجھ سکا کہ آپ کی اس عبارت کو پڑھ کر مجھے شیخ چلی کیوں یاد آگیا؟

اے (دعوت اسلامی اور اس کے مطالبات صفاً "لینوائس" دعوت اسلامی اور اس کا طریق کار)

سینما کے شائقین کو مودودی صاحب یوں شرعی پر مٹ دیتے ہیں۔

————— ”جس سینما میں علمی واقعاتی فلم دکھائے گئے ہوں، اس کے

دیکھنے میں مضائقہ نہیں ہمارے ملک میں تو سینما ماؤس جانا بجائے خود

ایک موضع تہمت ہے۔ اس لئے علمی اور واقعاتی فلم دیکھنے کے لئے

بھی اس خرابی میں قدم نہیں رکھا جاسکتا۔ انگلستان میں آپ چاہیں

تو اس طرح کی فلم دیکھ لیں۔“ —————

نوٹ | فلم بینی کا فوق البھڑک جذبہ بس آپ ہی کو مبارک ہو۔

پاکستان میں نہ ہسی تو انگلستان میں جا کے دیکھئے لیکن اس علیم و خیر

کی خدائی ہر جگہ ہے۔ جس کی باز پرس بہت ہی سخت اور عذاب انتہائی

المناک ہے۔

مزیدیوں سکتے ہیں:-

————— ”میں اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ یہ خیال ظاہر کر چکا

ہوں کہ سینما بجائے خود جائز ہے۔ البتہ اس کا ناجائز استعمال اس کو ناجائز

کر دیتا ہے۔ سینما کے پردے پر جو تصویر نظر آتی ہے، وہ دراصل تصویر نہیں

بلکہ پرچھائیں ہے۔ جس طرح آئینے میں نظر آیا کرتی ہے۔ اس لئے وہ حرام

نہیں۔ ردا وہ عکس جو فلم کے اندر ہوتا ہے تو وہ جب تک کاغذ یا کسی دوسری

چیز پر چھاپ نہ لایا جائے نہ اس پر تصویر کا اطلاق ہو سکتا ہے اور نہ وہ

ان کاموں میں سے کسی کام کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ جس سے باز نہ

رہنے ہی کی خاطر شریعت میں تصویر کو حرام کیا گیا ہے۔ ان وجوہ سے میرے نزدیک

سینما بجائے خود مباح ہے۔“ —————

لے (رسائل و مسائل حصہ دوم صفحہ نمبر ۲۵۹، بعنوان ”فقہیات“)

لے (بکوالہ ہالا و بعنوان بالہ۔

**نوٹ** | اگر یہ تسلیم بھی کرایا جائے، سینما کے پردے پر جو چیز نظر آتی ہے وہ تصویر نہیں بلکہ پرچھائیں ہے پھر اس سوال کا کیا جواب ہوگا؟ کہ جس تصویر کی پرچھائیں پردے پر نظر آتی ہے وہ تصویر کہاں سے لی گئی؟ یہ تصویر کشتی جاڑ ہے یا حرام؟ اسی کو "بناو فساد علی العناسد" کہا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں جو چیز محضی الخی الفساد ہو، وہ خود فساد ہے، اندر میں حالات "علمی اور واقعاتی قید اسے فساد سے محفوظ نہیں کر سکتی" پھر وہ کتنی ہی واقعاتی اور علمی ہو، لہو و لہب سے خالی نہیں ہو سکتی۔ آخر لہو و لہب سے متعلق مودودی شریعت کا کیا فتویٰ ہے؟

اس کے فساد کی متعدد تفریعات ہیں، جلد اول میں امتباسات کا محض سرسری جائزہ ہے شیش محل کے جلد دوم میں سیر حاصل گفتگو کی جائے گی۔ اب مودودی صاحب کا الو المعیار بتنا ملاحظہ ہو۔

..... "جہاں تک مجھے علم ہے قرآن کا منشا ہی ہے کہ دارالاسلام اور دارالکفر کے مسلمانوں میں وراثت اور شادی بیاہ کے تعلقات نہ ہوں، ..... آئندہ شادی بیاہ کا تعلق پاکستانی اور ہندوستانی مسلمانوں کے درمیان نہ ہونا چاہئے۔" —————

**نوٹ** | جب صحابہ تک معیار حق نہیں۔ پھر آپ کے علم اور آپ کی فہم و سمجھ پر کیونکر اعتبار و بھروسہ کیا جائے۔ آپ کی "جہاں چلتی ہے" وہ دنیا اور ہے اپنی میں کے علاوہ کوئی ایسی دلیل پیش کیجئے جس پر یقین و اعتماد کیا جاسکے مزید لکھتے ہیں

..... "اور یہی جہالت ہم کو ایک نہایت قبیل جماعت کے مشرق سے لیکر مغرب تک مسلمانوں میں عام دیکھ رہے ہیں۔ خواہ وہ ان پڑھ عوام ہوں، یا دستار بند علماء، خرقہ پوش مشائخ، یا کالجوں اور یونیورسٹیوں

سے درمائل و مسائل حصہ دوم صفحہ ۱۴۴، بعنوان "فقیہات"

کے تعلیم یافتہ حضرات، ان سب کے خیالات اور طور طریقے ایک دوسرے سے بدرجہا مختلف ہیں۔ مگر اسلام کی حقیقت اور اس کی روح سے ناواقف ہونے میں یہ سب یکساں ہیں۔ —————

مودودی صاحب نے فن سپہ گری کو ڈوب مرنے کی بات بتایا ہے۔  
 ”غالب جیسا شخص فخریہ یہ کہتا ہے کہ ”سولہشت سے ہے  
 پیشہ آبا سپہ گری“ یہ بات کہتے ہوئے اتنے بڑے شاعر کو ذرا خیال  
 تک نہ گزرا کہ پیشہ دروازہ سپہ گری کوئی فخر کی بات نہیں ڈوب مرنے کی

بات ہے۔ —————

نوٹ | افسوس یہ ہے کہ غالب نے آپ کا زمانہ نہیں پایا اور نہ علامہ فضل حق  
 خیر آبادی جیسے فضلاء عصر کی مرافقت چھوڑ کر آپ ہی سے استفادہ کرتا کیا تاجب  
 کہ غالب کی روح اپنی قبر میں کرب و اضطراب کی یہ چوٹ محسوس کرتی ہو۔  
 سچ ہے آپ نے صحابہ سے لے کر غالب تک پر نقد و نظر کا بیڑا اٹھا رکھا ہے۔ نہ  
 تو ترکش میں کوئی تیر رہ جائے اور نہ ہی آپ کے نشانے سے بچ کر کوئی نکل جائے ورنہ  
 آپ کے بھی مجدد کامل ہونے میں شبہ رہ جائے گا فرید لکھتے ہیں :-

————— ”چنانچہ ہمارا شاعر اسے خاندانی منافخ میں شمار کرتا ہے۔

ع ”سولہشت سے ہے پیشہ آبا سپہ گری“ حالانکہ کسی شخص کا پیشہ اور  
 سپاہی ہونا حقیقت میں اس کے اور اس سے تعلق رکھنے والوں کے لئے  
 باعث ننگ ہے نہ کہ باعث عزت۔ —————

۱۔ (تہیبات، جلد اول صفحہ ۳۸، عنوان ”اسلام ایک عملی اور عقلی مذہب“)

۲۔ اسلامی نظام زندگی صفحہ ۳۲۹، عنوان ”بناؤ لیکار“

۳۔ مسلمانوں کا ماضی و حال صفحہ ۱۱، عنوان ”دینی حالت“



**نوٹ** | غالب بیچارہ نا آشنائے حقیقت! جو اپنے وقت کا صرف شاعر تھا، نہ محبِ دنہ مہدی اور نہ مجتہد، یہ جملہ صفات تو محض آپ کی ذات والا سے مختص ہیں اسے کیا معلوم تھا کہ پیشہ و رسپا ہی ہونا یا عث ننگ ہے یا باعث عزت، اس کو ردیف اور قافیہ سے غرض تھی نہ کہ سربلنبہ اسرار و رموز کی عقدہ کشائی سے واسطہ؟ جو صرف آپ کا اپنا حصہ ہے اگر اسے یہ معلوم ہوتا کہ میرے بعد مسند مجد دینت پر اپنے وقت کانے طرز کا مجد و نہیں بلکہ لیڈر پیدا ہونے والا ہے جو پوری دنیا نے اسلام میں تکھڑ بچھڑ پیدا کر دے گا تو یقیناً وہ احتیاط سے کام لیتا اور ایسی غلطی سرگزنہ کرتا۔ جس سے آپ کو تازیا نہ قلم اٹھانے کی رحمت پیش آتی۔ اب ذرا مودودی صاحب کے بنائے ہوئے غیر مسلم بھی دیکھ لیجئے۔

”رہے وہ لوگ جن کو عمر بھر کبھی یہ خیال ہی نہیں آتا کہ حج بھی کوئی فرض چیز ان کے ذمے ہے۔ دنیا بھر کے سفر کرتے پھرتے ہیں، کعبہ پورپ کو آتے جاتے حجاز کے ساحل سے بھی گزر جاتے ہیں، جہاں سے مکہ صرف چند گھنٹوں کی مسافت پر ہے اور پھر بھی حج کا ارادہ تک ان کے دل میں نہیں گزرتا وہ قطعاً مسلمان نہیں ہیں۔ جھوٹ کہتے ہیں اگر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور قرآن سے جاہل ہے۔ جو انہیں مسلمان سمجھتا ہے، ان کے دل میں اگر مسلمان کا درد اٹھتا ہے تو اٹھا کرے۔ اللہ کی اطاعت اور اس کے حکم پر ایمان کا جذبہ نو بہر حال ان کے دل میں نہیں ہے“

**نوٹ** | یہ بھی ایک رہی! ساحلِ جدہ سے گزر جانے والا خواہ کچھ کہے یا نہ کہے لیکن اس کی نیت پر حملہ کر کے اسے کافر بنانا یہ تو آپ ہی جیسے مجتہد العصر کو زیب

۱۷:- خطبات چہارم صفحہ ۲۸، ۲۹، بعنوان ”حج کی تاریخ“

دیتا ہے۔ اس پر طرہ تماشہ یہ بھی کہ جو اس غریب کو مسلمان سمجھے وہ قرآن سے جاہل ہے! کفر کی خانہ ساز مشین گن آپ کے ہاتھ ہے۔ اس کی پراہ کئے بغیر چلائیے کہ کس کا کٹیجہ چھلنی ہوگا۔ مزید لکھتے ہیں۔

————— "مگر اسلام کہاں؟ مسلمانوں میں نہ اسلامی سیرت ہے نہ اسلامی اخلاق نہ اسلامی افکار ہیں، نہ اسلامی جذبہ، حقیقی اسلامی روح نہ ان کی مسجدوں میں ہے نہ مدرسوں میں ہے نہ خانقاہوں میں عملی زندگی سے اسلام کا ربط باقی نہیں رہا۔ اسلام کا قانون، نہ ان کی شخصی زندگی میں نافذ ہے نہ اجتماعی زندگی میں، تمدن و تہذیب کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کا نظمی صحیح اسلامی طرز پر باقی ہو۔ ایسی حالت میں دراصل مقابلہ اسلام اور مغربی تہذیب کا نہیں ہے۔ بلکہ مسلمانوں کی افسردہ، جامداد و لپٹا تہذیب کا مقابلہ ایسی تہذیب سے ہے جس میں زندگی ہے، حرکت ہے، روشنی علم ہے، گرمی عمل ہے۔ ایسے ناممکن مقابلہ کا جو نتیجہ ہو سکتا ہے وہی ظاہر ہو رہا ہے۔ مسلمان لپٹا ہو رہے ہیں۔ ان کی تہذیب شکست کھا رہی ہے۔ ————— سے

**نوٹ** = س۔ مگر اسلام ہے کہاں؟ ج۔ جماعت اسلامی کے صدر دفتر میں! پوری دنیا نے اسلام کی روح سمٹ کر آپ تک پہنچ گئی ہے۔ اب تو ساری دنیا آپ کی رہن کر رہی ہے جو آپ اور آپ کی جماعت سے وابستہ ہو جائے۔ بس وہی مسلمان ہے ورنہ سب کے سب پانی، گنہگار اور جہنمی ہیں۔ ص۔ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔ مودودی صاحب نے چودھویں صدی میں اجتہاد کے بند دروازے کو کھولنے کی لہروں کی کوشش کی ہے۔

اے تنقیحات صفحہ ۴۵، ۴۶، بعنوان "دورِ حیدر کی بیماریوں میں سے"



کی خرابیاں دیکھ کر ان کے دل ٹوٹ جاتے ہیں۔۔۔ لے  
نوٹ | کوثر نیازی کا خط اور استغنیٰ کچھلے صفحات پر گزر چکا ہے۔ جو  
اس یقین کے لئے کافی ہے کہ اس آئینے میں مودودی صاحب کو اپنی تصویر نظر آرہی  
ہے۔ جنوں اور عماموں کی آڑ میں جتنی خرابیاں شمار کی گئی ہیں سب کی سب ارکان جماعت اسلامی  
اور اس کے امیر میں پائی جاتی ہیں بلکہ اس سے بھی کہیں زائد "ششیں محل" کی جلد دوم  
ہیں "تعبیر کی غلطی" کے اقتباسات حاضر کئے جائیں گے۔ جس سے ان کی حقیقت اور  
بھی زیادہ بے نقاب ہو جائے گی۔

"آزادی کے پروانے کو لے کر جو حضرات یہ سمجھ رہے ہیں کہ  
آئندہ کے قومی جمہوری لادینی اسٹیٹ میں ان کے مذہب اور ان کی  
تہذیب کا پورا تحفظ ہوگا۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ تحفظ اسی نوعیت  
کا تحفظ ہے جیسا کہ پرانی تاریخی عمارتوں کا ہوا کرتا ہے، یہ محض اس امر  
کی ضمانت ہے کہ موجودہ نسل کے جو لوگ اپنی مذہبیت کو برقرار رکھنا  
چاہتے ہیں، ان کی گردن پر چھری رکھ کر زبردستی کلمہ کفر نہیں کہلوایا جائیگا  
مگر یہ اس امر کی ضمانت نہیں ہے کہ ان کی آئندہ نسل کو غیر مسلم بنانے  
والی تعلیم و تربیت نہ دی جائے گی۔ اس تحفظ کے معنی صرف یہ ہیں کہ اگر  
آپ چاہیں تو قال اللہ وقال الرسول میں مشغول رہیں۔ آپ کی ڈاڑھی  
یقیناً زبردستی نہیں موڑی جائے گی۔ نہ آپ کی عبا ضبط کی جائے گی۔  
نہ آپ کی تسبیح چھینی جائے گی، نہ آپ کی زبان درس قرآن و حدیث  
سے روکی جائے گی۔ مگر اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آئندہ نسل کو بھی اس

لے :- مسلمانوں اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ اول صفحہ ۵۵، بعنوان "مسائل حاضرہ میں قرآن  
اور اسوۃ رسول کی راہنمائی۔"

لے :- مولفہ مولوی وجد الدین خاں اعظمی جو جماعت اسلامی کے سرگرم کارکن اور اہل قلم تھے اب جماعت سے  
انگ ہو گئے ہیں۔

غلط فہمی میں مبتلا رہنے دیا جائے گا کہ اسلام ہی سچا دین ہے اور تمام مذاہب سے برتر اور اصلح ہے۔ مذہبی آزادی کا یہ پروانہ لیکر جو صاحبِ خوش ہونا چاہتے ہیں وہ خوش ہو لیں، نہیں تو اس پروانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

نوٹ: ”نہ آپ کی عبا ضبط کی جائے گی نہ آپ کی تسبیح چھینی جائے۔ آپ کی ڈاڑھی لقیبینا زبردستی نہیں مونڈی جائے گی۔“

اس دلخراش اندازِ خطابت کا خلاصہ یہ ہے: ”تجھ کو پسند ہو تو ہو مجھ کو ناپسند ہو۔“  
موردِ دی صاحب نے نادار مسلمانوں پر یوں کرم فرمایا ہے۔

۔۔۔۔۔ افلاس، جہالت اور غلامی نے ہمارے افراد کو بے غیرت اور بندہٴ نفس بنا دیا ہے۔ وہ روٹی اور عزت کے بھوکے ہو رہے ہیں۔ ان کا یہ حال ہو گیا ہے کہ جہاں کسی نے روٹی کے چند ٹکڑے اور نام و نمود کے چند کھلونے پھینکے، یہ کتوں کی طرح ان کی طرف لپکتے ہیں اور ان کے معادضے میں اپنے دین و ایمان، اپنے ضمیر اپنی غیرت و شرافت اپنی قوم و ملت کے خلائ کوئی خدمت بجالانے میں ان کو پاک نہیں ہوتا۔۔۔۔۔

نوٹ: بُرا ہو اس آمرانہ ذہنیت کا! جس نے آپ کو اس حد تک اندھا بنا دیا ہے کہ آپ کو اتنی بھی ہوش نہیں کہ آپ کا مخاطب کون

ہے؟ مسلمان ہونے کا دعویٰ اور اپنے ہی بھائی برادر کو یہ لکھنا کہ یہ قوم روٹی کے چند ٹکڑوں کے لئے کتوں کی طرح لپکتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ کردار آپ اور آپ ہی کے افرادِ جماعت کا ہے۔ غلام مسلمان افلاس و غربت کے کیتے، ہی خطرناک دلدل میں کیوں نہ پھنسے ہوں۔ لیکن وہ نام و نمود کے چند کھلونوں اور روٹی کے چند ٹکڑوں

لے مسلمانوں اور موجودہ سیاسی کش مکش حصہ دوم صفحہ ۱۳۱، بعنوان ”بنیادی حقوق“  
لے مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش حصہ اول صفحہ ۲۱۔ بعنوان ”حالات کا جائزہ اور آئندہ کے امکانات۔“

پر اس طرح نہیں بکتے۔ جس طرح کہ آپ کی جماعت کے افراد بکا کرتے ہیں، جس پر کوثر نیازی کا خط اور استغنیٰ شاہد عدل ہے۔

ہماری جماعت کا حال تو یہ ہے کہ ان کی قیمت کوئی لگا ہی نہیں سکتا۔

جب تک بکانہ تھا تو کوئی پوچھتا نہ تھا

تم نے خرید کر مجھے انمول کر دیا

جو بازار بدنیہ میں، بک چکا ہو اب دنیا کے کسی مارکیٹ میں اس کی درکان نہیں لگائی

جاسکتی روٹی کے چند ٹکڑوں پر کتوں کی طرح لپکنا، عطا تو بقاء تو کے بموجب آں

بدولت کو مبارک ہو۔ موصوفت کی زبانی اعلان مریضوں کا ذکر نیسے :-

— یہ بھی ممکن ہے کہ آدمی پر جذبہ انتقام مستولی ہوگی ہوا سے

اگر انھوں سے اتنی تکلیف پہنچ رہی ہے کہ وہ جوش غضب میں اتر رہا

ہو گیا ہو اور کہتا ہو کہ اگر حق کی تلوار نہیں ملتی تو پرواہ نہیں۔ بیس، باطل

ہی کی تلوار سے اس دشمن کا سر اڑا دیا، گا۔ چاہے ساتھ ہی ساتھ میری

اپنی مدت کی بھی رگ جاں کٹ کے وہ جائے ایسے شخص کی بیماری دل کا

علاج خداوند عالم کے سوا کسی اور کے پاس نہیں، اللہ اس کو توبہ کی

توفیق عطا فرمائے۔ ورنہ ڈر ہے کہ جس راہ پر وہ اس جذبے کے ساتھ

چل رہا ہے۔ اس میں اپنی عمر بھر کی کمائی ضائع کر دے گا اور قیامت کے

روز اس حال میں خدا کے سامنے حاضر ہو گا کہ ساری عبادتیں اور نیکیاں

ان کے نامہ اعمال سے غائب ہوں گی اور ایک توم کی توم کو گمراہی اور

ارتداد میں مبتلا کرنے کا مظاہرہ عظیم اس کی گردن پر ہو گا۔ —

اے :- مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ دوم صفحہ ۱۴۲، بعنوان "تنبیہ الغافلین"

مودودی صاحب مسلمانوں کی مثنیہ خوانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-  
 یہ غریب تعلیم کے لئے جدید درساگا ہوں میں جانتے ہیں تو  
 وہاں زیادہ تر غیر مخلص اور مکار ملاحظہ یا نیم مسلم و نیم ملحد حضرات سے ان کو  
 پالا پڑتا ہے۔ قدیم مدارس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اکثر مذہبی سوداگروں  
 کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔ دینی معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو خطیبوں  
 اور واعظوں کی عظیم اکثریت انہیں گمراہ کرتی ہے، روحانی تربیت کے  
 طالب ہوتے ہیں تو پیروں کی غالب اکثریت ان کے لئے راہ خدا کی  
 راہزن ثابت ہوتی ہے دنیوی معلومات کے سرچشموں کی طرف رجوع  
 کرتے ہیں تو اخبارات اور رسائل سے ان کو سابقہ پیش آتا ہے۔ جن کی  
 بہت بڑی اکثریت ہماری قوم کے سب سے زیادہ ذلیل طبقے کے ہاتھ  
 میں ہے۔ قومی اور ملکی معاملات کی سربراہ کاری کے لئے ریڈر ڈھونڈتے  
 ہیں تو وہ زیادہ تر ملاحظہ اور نیم ملاحظہ اور مترجمین کے گروہ سے نکلتے  
 ہیں، اپنی معیشت کی تلاش میں رزق کے نپوں کی طرف جاتے ہیں تو  
 وہاں بیشتر ان لوگوں کو قابض پاتے ہیں۔ جنہوں نے حلال اور حرام کے  
 امتیاز کو مستقل طور پر ختم کر رکھا ہے۔ غرض ہماری قوم کے وہ طبقے جو  
 دراصل ایک قوم کے دل اور دماغ ہوتے ہیں اور جن پر اس کے  
 بناؤ اور بگاڑ کا انحصار ہوا کرتا ہے۔ اس وقت بدقسمتی سے ایک  
 ایسا عنصر بنے ہوئے ہیں۔ جو اس کے بنانے کے بجائے بگاڑنے پر تلا  
 ہوا ہے اور بناؤ کی ہر صحیح دکارگر تدبیر میں مزاحم ہے۔

اے :- جماعت اسلامی کا مقصد تاریخ اور لائحہ عمل ص ۱۰۳ بعنوان "تیسرا عنصر"

**تبصرہ** | فرمائیے! کچھ آنکھوں میں روشنی، قلب میں نور، ایمان  
ایمان میں کچھ تازگی پیدا ہوئی۔ یہ ہے ہائی اسٹینڈرڈ پوزیشن کے مالک  
فل پاور ماڈرن مجدد اعظم مودودی کی تبحر عملی اور سنجیدگی مزاجی کا نایاب  
اور عظیم المثال قسم کا نمونہ! کیا ان صحائف کو پڑھنے کے بعد بھی واجب  
التعمیر، معلم الملکوت ابوالفتور مودودی کسی قسم کے آداب و لحاظ  
کا مستحق سمجھا جاسکتا ہے؟

مودودی صاحب اپنی قوم کا تعارف یوں کر دیتے ہیں :-  
— یہاں جس قوم کا نام مسلمان ہے وہ ہر قسم کے رطب و  
یابس لوگوں سے بھری ہوئی ہے کیرکریٹر کے اعتبار سے جتنے ٹائپ کافر  
قوموں میں پائے جاتے ہیں اتنے ہی اس قوم میں بھی موجود ہیں —  
مودودی صاحب نے اپنے معبود کا تعارف یوں کر دیا ہے :-  
— ”اور کیا وہ اللہ کی چال ہے بے خوف ہو گئے سوال اللہ  
کی چال سے تو وہی بے خوف ہوتے ہیں۔ جن کو برباد ہونا ہے“ —  
نوٹ۔۔ کوئی چالباز ہی ایسا کہہ سکتا ہے۔

مزید تعارف ملاحظہ ہو۔

ان چالوں کے مقابلہ میں خدا بھی ایک چال چلا مگر  
خدا کی چال ایسی تھی کہ وہ اس کو سمجھ نہ سکتے تھے پھر اسکا آؤر کہاں سے کرتے سے

۱۔ اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے صفحہ ۱۸ بعنوان ”خام خیالیات“

۲۔ تفسیحات صفحہ ۱۳۶

۳۔ تنقیحات صفحہ ۳۳



مودودی صاحب کی نظر میں رسولوں کی اتنی توقیر ہے = -

\_\_\_\_\_ ”پھر اسرائیلی چرواہے کو دیکھئے جس سے وادی مقدس طومی

میں بلا کر باتیں کی گئیں۔ وہ بھی چڑا ہوں کی طرح نہ تھا۔۔۔۔۔ لے

نوٹ۔۔۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ خدا کے ایک برگزیدہ پیغمبر کو ”اسرائیلی چرواہا“

کہہ کر آپ نے دین کی خدمت کی یازبان کی، خدا نے قدر اس نوع کے امانت آمیز انداز تحریر سے ہر خوش عقیدہ و نیاز مند مسلمان کو محفوظ رکھے آمین۔

فخرِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اتنی روت مودودی صاحب یوں کراتے ہیں:-

\_\_\_\_\_ ”صحرائے عرب کا یہ ان پڑھ اور بادیہ نشین جو چودہ سو برس

پہلے اس تاریک دور میں پیدا ہوا تھا۔ دراصل دورِ جدید کا بانی اور تمام

دنیا کا لیڈر ہے۔۔۔۔۔ ۲

نوٹ۔۔۔ محبوب خدا کی بارگاہ اور یہ الفاظ گلہ بان، سوواگر، بادیہ نشین

لیڈر، ان پڑھ سچ ہے نئے اسلام کو نیا لباس چاہئے موصوف مزید لکھتے ہیں:-

\_\_\_\_\_ ”د ایک گلہ بانی اور سوواگری کرنے والے ان پڑھ، بادیہ نشین

کے اندر یکایک انا علم، اتنی روشنی اتنی طاقت، اتنے کمالات،

اتنی زبردست تربیت یافتہ قومیں پیدا ہو جانے کا کون سا ذریعہ تھا۔۔۔۔۔ ۳

کیا قارئین کرام مودودی صاحب کے مقام کا اندازہ کر سکتے ہیں جب کہ

انہوں نے لکھا ہے:-

\_\_\_\_\_ ”اور کبھی کبھی اتقضا نے بشریت کی بنا پر جب کبھی آپ

سے کوئی اجتہادی لغزش ہوتی ہے۔۔۔۔۔ ۴

۲ :- تفہیمات صفحہ ۲۱

۱ :- تفہیمات صفحہ ۲۱

۱ :- تفہیمات صفحہ ۳۴

۳ :- بحوالہ بالامرام ۲

نوٹ — یہ انداز وہی ہے۔ جیسا کہ کوئی بڑا اپنے سے چھوٹے پر تبصرہ کر رہا ہو  
 مذکورہ بالا تحریر میں نخوت و غرور، سسرکشی بے اعتنائی کی بھرپور جلوہ گری ہے۔ البتہ جو  
 چیز ڈھونڈے نہیں ملتی وہ جذبہ نیاز مندی و عقیدت کیشی کی ادنیٰ جھلک ہے  
 اب نادر شاہی فتویٰ ملاحظہ فرمائیے۔

”اسلام میں ایسے شخص کے مسلمان کہے جانے کی

گنجائش نہیں ہے جو نماز نہ پڑھتا ہو“

مزید کہتے ہیں: — ”سب سے بڑی غلطی یہی ہے کہ آپ نے نماز روزے کے  
 ارکان اور ان کی ظاہری صورتوں ہی کو عبادت سمجھ رکھا ہے۔“

دجال کے بارے میں اپنی تحقیق کا جو س یوں پیش کیا ہے۔  
 ”یہ کانا دجال تو افسانے ہیں۔ جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔“  
 مزید وضاحت یوں کی ہے۔

”ان امور یعنی کانا دجال وغیرہ کے متعلق جو مختلف باتیں حضور

سے احادیث میں منقول ہیں، وہ دراصل آپ کے قیاسات ہیں۔ جن  
 کے بارے میں آپ یعنی سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم خود شک میں تھے  
 لیکن کیا ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ بات ثابت نہیں کی کہ حضور  
 کا یہ اندیشہ صحیح نہ تھا“

نوٹ — ہو سکتا ہے مودودی شریعت میں وہ پیغمبر جو من جانب اللہ مطلع  
 علی الغیب ہے اس کی پیشینگوئی کا مقام وہی ہو جو کاهنوں اور جوگیوں کے اٹکل چوکا  
 جس کا مفہوم یہ ہے، ”لگے تو تیر نہیں لگا۔“ ”معاذ اللہ ثم معاذ اللہ“ ورنہ اس باب  
 میں جن لوگوں کی نظریں قرآن و حدیث کی تعلیمات پر ہیں۔ وہ آپ کی اس حرکت

۱۔ حقیقت صوم و صلوٰۃ صفحہ ۱۸  
 ۲۔ حقیقت صوم و صلوٰۃ صفحہ ۲۵  
 ۳۔ ترجمان - ستمبر و اکتوبر ۱۹۴۵ء  
 ۴۔ ترجمان - فروری ۱۹۴۶ء

طفلانہ کو گزشتہ سے زیادہ کچھ نہ سمجھیں گے پھر اتنی مدت گزر جانے کے بلوجود کانا دجال کا عدم ظہور اگر پیشین گوئی کے عدم صحت کی دلیل ہے تو حضرت مہدی سے متعلق بھی اسی دلیل کو کام میں لانا چاہئے، وہاں ان کی بعثت پر اصرار کیوں ہے؟ اب موصوف کی احادیث کے خلاف محاذ آرائی ملاحظہ ہو:-

\_\_\_\_\_ ”آپ کہہ سکتے ہیں کہ جس ”حدیث“ کو وہ ”محدثین“ صحیح قرار دیتے ہیں۔ وہ حدیث حقیقت میں بھی صحیح ہے۔ صحت کا کامل یقین تو خود ان ”محدثین“ کو بھی نہ تھا۔ \_\_\_\_\_ لے

نوٹ \_\_\_\_\_ آپ کو بجائے خود حدیث کی صحت کا کامل یقین ہو یا نہ ہو لیکن اگر محدثین کو اس کی صحت کا یقین نہ ہوتا تو وہ اسے یقیناً صحیح قرار نہ دیتے ورنہ یہ علم دنیا کی دنیا میں ایک بہت بڑی مجرمانہ خیانت ہے، شاید کہ منکرین حدیث کی گود کے پروردگار بھی ایسے فتنہ پرور ذہن کی پرورش نہیں کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اگر راویان حدیث در وسائط کو یونہی ساقط الاعتبار سمجھ لیا جائے تو کل قرآن کے متعلق بھی الحاد کی زبان بے لگام ہو سکتی ہے۔ جس کی راہ سمانی آن بدولت فرما رہے ہیں۔ یہ دین کی خدمت ہیں بلکہ شجر اسلام پر تیشہ زنی ہے

مذکورہ سلسلے میں موصوف کی اناکار قبہ ملاحظہ ہو:-

\_\_\_\_\_ ”آپ کے نزدیک ہر اس روایت کو حدیث رسول مان لینا

ضروری ہے۔ جسے محدثین سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیں لیکن ہمارے

نزدیک یہ ضروری نہیں۔“ \_\_\_\_\_ لے

مزید اس فتنے کو یوں ہوا دیتے ہیں:-

لے:- تفہیمات صفحہ ۲۱۲ لے:- تفہیمات صفحہ ۲۰۳

— محمد بن بنیادوں پر احادیث کے صحیح یا غلط ہونے یا ضعیف وغیرہ ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں ان کے اندر کمزوری کے مختلف پہلو میں بیان کر چکا ہوں۔ — سے

شریعت کے دوسرے ماخذ، موردی صاحب یوں خرید برد کرنا چاہتے ہیں :-  
 ”تم نے کبھی اس خیال کی تائید نہیں کی کہ ہر شخص کو ائمہ حدیث کی اندھی تقلید کرنی چاہیے یا ان کو غلطی سے مبرا سمجھا جائے نہ کبھی ہم نے یہ دعویٰ کیا کہ ہر کتاب میں جو روایت قال رسول اللہ سے شروع ہو، اس کو ہمیں پسند کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مان لیا جائے۔ — سے

نوٹ — ائمہ حدیث کی اندھی تقلید کرنے یا ان کو غلطی سے مبرا سمجھنے یا جو کتاب قال رسول اللہ سے شروع ہو اس کو حدیث مان لینے کی تائید آپ کر ہی نہیں سکتے۔ یہ سب پرانے اسلام کی روایت اور دستور ہے اب تو یہ کہہ دینا کافی ہو گا کہ تفہیمات میں ایسا ہے اور تجدید و احیاء دین میں ایسا یہ کتابوں کا جال اور شریات کا دفتر کس دن کام آئے گا۔

خدا کی سلطنت میں اختیار سے محروم حضرات کی فہرست موردی صاحب نے یوں تقسیم کنندہ بن کر پیش کی ہے :-  
 ”خدا کی سلطنت میں سب سے بے اختیار رعیت ہیں خواہ وہ فرشتے ہوں یا انبیاء و اولیاء۔ — سے  
 موردی صاحب چودھویں صدی میں نیا اسلام مرتب کرنا چاہتے ہیں، جس کا انھوں نے یوں اعلان کیا ہے :-

نوٹ: (ذوالحجہ ۱۳۳۳ھ) کے تفہیمات جلد اول صفحہ ۲۸۵، سے دستور جماعت اسلامی نمبر ۵)

”اسلام میں ایک نشاۃ جدیدہ کی ضرورت ہے۔ پرانے اسلامی

مفکرین و محققین کا سراپہ اب کام نہیں دے سکتا۔۔۔۔۔

نوٹ۔۔۔۔۔ پرانے اسلامی مفکرین و محققین کا سراپہ مودودی شریعت میں کام آئے  
یا نہ آئے لیکن جس کا نام شریعت محمدی ہے صلی اللہ علیہ وسلم، اس کے حق میں وہ بایک کارآمد تھا،  
ہے اور رہے گا۔ معبود کی تعریف مودودی صاحب کی زبانی ملاحظہ ہو:-

”اگر میں پیاس کی حالت میں یا بیماری میں خادم یا ڈاکٹر کو پکارنے

کے بجائے کسی ولی یا دیوتا کو پکارتا ہوں تو یہ ضرور اس کو الہ بنانا ہے اور اس

سے دعا مانگنا ہے۔۔۔۔۔

الہ کی مزید تعریف یوں بیان کی ہے:-

کسی کو خدا کے یہاں سفارشی قرار دے کر اس سے مدد کی التجا کرنا اور

اس کے آگے مراسم تعظیم و تکریم بجالانا اور تذر و نیاز پیش کرنا، اس کو الہ بنانا۔۔۔۔۔

مودودی صاحب کی شرک فردشی کا بجاؤ ملاحظہ ہو:-

”کسی کو شفیع یا سفارشی سمجھنا اسے الہ بنانا اور خدائی میں

الذکر کا شریک ٹھہرانا ہے۔۔۔۔۔

نوٹ۔۔۔۔۔ شفیع یا سفارشی کو الہ و معبود قرار دینا یا خدائی میں اللہ کا شریک ٹھہرانا

یہ اندھیر نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر وہ انھیں الہ و معبود قرار سمجھتا تو سفارشی کیوں ٹھہرتا۔

شفیع سمجھنا یہ خود اس بات کی روشن دلیل ہے کہ وہ شفیع کو الہ نہیں سمجھتا۔ اسی  
سلسلے میں مزید یوں لکھا ہے۔

”کسی میں یہ طاقت نہیں کہ وہ تمھاری فریادرسی کر سکے۔ دعائیں

قبول کر سکے، پناہ دے سکے حامی و ناصر ولی و کار ساز بن سکے، نفع یا

لے (تنقیحات ص ۱۵) قرآن کی چا بنیادی اصطلاحیں صفحہ ۱۹، ۲۰ (بحوالہ بالا صفحہ ۲۲) لکھ۔ بحوالہ بالا ص ۲۳

یا نقصان پہنچا سکے۔ لہذا ارادہ کا جو مفہوم بھی ہمارے ذہن میں ہے۔ اس کے لحاظ سے کوئی دوسرا ”ارادہ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ کوئی اس معنی میں بھی ارادہ نہیں کہ فرما روئے کائنات کے یہاں مقرب بارگاہ ہونے کی حیثیت ہی سے اس کا زور چلتا ہو اور اس کی سفارش مانی جاتی ہو“۔

”ادائیگی کرام کی عبادت کے جذبات میں شرار ہو کر مودعی حساب یوں نئی شریعت گھڑتے اور اصطلاحیں وضع کرتے ہیں :-

”معبودوں سے مراد اولیاء اور صلحاء ہیں اور ان کی عبادت سے مراد ان کی زندگی کی صفات سے بالاتر اور ذاتی صفات سے متصف سمجھنا اور ان کو غیبی امداد، مشکل کشائی و فریادرسی پر قادر خیال کرنا اور ان کے لئے تعظیم کے وہ مراسم ادا کرنا جو پرستش کی حد تک پہنچے ہوں“۔

زکوٰۃ کے بارے میں نادر شاہی فتویٰ ملاحظہ ہو :-

”زکوٰۃ کے بغیر نماز، روزہ اور ایمان کی شہادت سب بے کار ہیں کسی کا بھی اعتبار نہیں کیا جاسکتا“۔

نوٹ۔ مودودی بیت المال جو سیاسی ہتھکنڈوں میں استعمال کیا جاتا ہے اسے پر کرنے کا یہ مہذب طریقہ ہے۔ غیر مسلموں کی قہرست یوں مکمل کی ہے :-

”اسلام میں کسی ایسے شخص کے مسلمان سمجھے جانے کی

گنجائش نہیں ہے جو نماز نہ پڑھتا ہو، قرآن کی رو سے کلمہ طیبہ کا اقرار ہی بے معنی ہے اگر آدمی اس کے ثبوت میں نماز اور زکوٰۃ کا پابند نہ ہو“۔

نوٹ۔ ہو سکتا ہے مولوی منظور نعمانی، مولوی امین احسن اصلاحی جیسے لوگوں

لے قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ص ۱۳۶ ۲ قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ص ۱۳۳

۳۷ (خطبات ص ۱۳۶) ۳۷ خطبات ص ۱۳۳

کی جماعت سے بیزاری و علیحدگی کے وجوہ میں ایک یہ بھی ہو جس میں زبان غالب فتویٰ مغلوب! ذکر الہی، مودودی صاحب کے دین سے خارج ہے۔ جیسا کہ خود لکھا ہے۔

”صرف اس لئے کہ خدا خوش ہو گا پس دنیا کو چھوڑ کر کونوں

اور گوشوں میں جا بیٹھنا اور بیخ ہلانا عبادت نہیں“ — ۱

مودودی صاحب کے نزدیک استنباط ناقابل قبول ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔

”ڈاڑھی کے متعلق شارع نے کوئی حد مقرر نہیں کی۔ علمائے

جو حد مقرر کرنے کی کوشش کی ہے وہ بہر حال استنباطی چیز ہے۔ ۲

نوٹ — شریعت اسلامیہ کے ہزاروں مسائل استنباطی ہیں، پھر ایک ڈاڑھی

پر کیوں قہر و جلال کی بجلی کوند رہی ہے۔ جو کہنا ہو بڑا کہنے ڈھکے چھپے کب تک، مودودی

صاحب نے احکام خداوندی میں ترمیم و تیسیح کرنے کا حق بھی بزعم خود حاصل کیا ہوا ہے۔

چنانچہ حدود کے بارے میں لکھتے ہیں :-

— اسی طرح حد سزا کو بھی قیاس کر لیجئے کہ وہ صرف اسی سوسائٹی

کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ جس میں اسلام کے معاشی تصورات اور اصول اور

قوانین پوری طرح نافذ ہوں، قطع ید اور اسلامی نظم معیشت میں ایسا رابطہ

ہے۔ جس کو منقطع نہیں کہا جاسکتا۔ جہاں یہ نظم معیشت قائم ہو

وہاں قطع ید ہی عین انصاف ہے اور اقتضائے فطرت ہے اور جہاں

نظم معیشت نہ ہو وہاں چور کا ہاتھ کاٹنا دوسرا ظلم ہے“ — ۳

اسی سلسلے میں مزید یوں لکھا ہے :-

— ”اپنی جگہ تو چور کے لئے ہاتھ کاٹنا ہی نہیں بلکہ قید کی

سزا بھی بعض حالات میں ظلم ہوگی۔ — ۴

۱: حقیقت صوم و صلوٰۃ ص ۱۸۷ (رسائل و مسائل صفحہ ۱۸۶) ۲: (تفہیمات ص ۲۸۱ و ص ۲۸۲)

۳: (تفہیمات ص ۲۸۲)

مودودی صاحب نے بدکرداروں اور عیاشیوں کی حوصلہ افزائی کے لئے یوں شرعی پرہیز جاری کئے ہیں :-

جہاں درسوں میں، دفتروں میں، کلبوں اور تفریح گاہوں میں خلوت و جلوت میں ہر جگہ جوان مردوں اور بنی ٹھنی عورتوں کو آزادانہ ملنے جلنے اور ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا موقع ملتا ہے، جہاں ہر طرف صنفی محرکات پھیلے ہوئے ہوں اور ازدواجی رشتے کے بغیر خواہشات کی تسکین کے لئے ہر قسم کی سہولتیں بھی موجود ہوں۔ جہاں معیار اخلاق بھی اتنا پست ہو کہ ناجائز تعلقات کو کچھ معیوب نہ سمجھا جاتا ایسی جگہ زنا اور قذف کی شرعی حد جاری کرنا بلاشبہ ظلم ہوگا۔<sup>۱</sup>

۱ :- تفہیمات جلد دوم ص ۲۸۱



# بحث و نظر

نوٹ: شیش محل کے اکثر فارم پریس کے سپرد ہو جانے کے بعد ۲۶ مارچ ۱۹۴۵ء  
مخدوم زادہ مولانا سید محمد مدنی میاں جالشین حضور محدث اعظم ہند نے آفس دارالعلوم  
غریب نواز میں دستور جماعت اسلامی ہند کا تنقیدی جائزہ جس کا دوسرا ایڈیشن  
مع اضافہ جدیدہ منظر عام پر آ گیا ہے۔ اس کی کاپی مرحمت فرمائی.... ”بحث و نظر“  
کے زیر عنوان شاہزادہ محدث اعظم ہند عورت مآب مخدومی سید حسن ثلثی میاں ایم اے  
علیگ نے کوثر نیازی کے خط و استغفی پر ایک میفدا اور دلچسپ تبصرہ فرمایا ہے جسے  
قارئین کی صیانت طبع اور کتاب کی افادیت کے پیش نظر من وعن شریک کر لیا گیا ہے۔

## نظامی

قومی آواز، لکھنؤ نے یکم مارچ ۱۹۴۵ء کو جناب کوثر نیازی صاحب کا مراسلہ اور  
۲۶ مارچ ۱۹۴۵ء کو ان کا استغفی نامہ شائع کیا تھا۔ ان ہی دنوں میں تنقیدی جائزہ کا سوادہ  
تیار ہو کر پریس جا چکا تھا لہذا اب اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی کہ ان دونوں تاریخی  
دستاویزوں کو معمولی انتخاب کے ساتھ بغیر کسی انتخاب و نظر کے مذکورہ کتاب کے  
پیش لفظ میں شامل کر لیا جائے۔ ان ہی تاریخوں میں قومی آواز کے مسلسل ادارے نے  
لکل رے بے تھے اور وہ کوثر نیازی صاحب کے خط اور استغفی نامہ دونوں کو روشنی میں  
جماعت کی مطلق العنانیت پر بے لگ تبصرہ کر رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ قومی آواز کا تعلق  
نہ کسی مذہبی جماعت سے ہے اور نہ وہ مذہبی آرگن بننے کا دعویٰ کرتا ہے۔ لہذا اس  
کی غیر جانبدارانہ پالیسی نے ایک ایسی فضا بنا دی تھی جسے دیکھ کر جماعت اسلامی کے

نور چشموں کی سراسیمگی و ہیرجان اور افراد ملت اسلامیہ کا ذوق نظارہ بڑھ گیا تھا۔ ان حالات میں خاموش رہنے ہی میں عافیت تھی اور میں اس بات کا بھی منتظر تھا کہ ملک کے دو سر صحافیوں اور ارباب فکر و نظر کی رایوں سے مطلع ہو جاؤں۔ تو اظہار خیال کروں! آج جبکہ نقد و تبصرہ کا یہ ہنگامہ گزر چکا ہے اور مخالف و موافق خیالات بھی منظر عام پر آگئے ہیں تو ایسے مناسب وقت میں چھان بین اور تحقیق و جستجو کے زیادہ امکانات کے تحت نتیجہ خیز انداز میں گفتگو کی جاسکتی ہے۔ اس طویل عرصے کی خاموشی میں مجھے اس امر کا بھی اندازہ ہو گیا کہ کوثر نیازی صاحب کی تحریروں کا جواب جماعت اسلامی کے وکیلوں کے پاس اس کے سوا اور کچھ نہیں جسے پاکستانی امیر جماعت کے لب اعجاز نے ہند و پاک کی فضائے بسیط میں پھیلا رکھا ہے کہ ”کوثر نیازی اخلاص و تلہیت سے محروم ہو چکا ہے اور دوسرے محرکات کے تحت وہ کام کر رہا ہے“ بس یہی دو حیلے عقیدہ مند ان جماعت کے لئے برہان قاطع بن گئے اور ان کے منکر و مضمحل چہرے یکایک اس طرح چکنے لگے گویا گھر میں سب خیریت ہے۔ اس مصنوعی الشراح صدر کی صحیح آئینہ داری ماہنامہ تجلی دلیو بند نے کی ہے۔ مذکورہ ماہنامہ کے شمارہ مئی ۱۹۶۵ء میں ’کوثر نیازی اور جماعت اسلامی‘ کے عنوان سے مدیر تجلی کا ایک مختصر مضمون اور عبد الرحمن بزوی کا ایک مراسلہ زینت قرطاس بنا ہوا ہے۔ مضمون اور مراسلہ پر اظہار خیال کرنے سے قبل مدیر تجلی کے تعارف کے لئے ان ہی کی ایک تحریر ملاحظہ فرمائیے۔

جماعت اسلامی کی دعوت دینی اور تحریکی فلسفے کو میں تہہ دل سے عزیز رکھتا ہوں۔ میری نظر میں دین کی اقامت اور احیاء کے لئے مولانا مودودی کا برپا کیا ہوا منظم فکر اس دور ضلالت کی ایک قیمتی متاع ہے۔ میں مولانا مودودی کو اپنے وقت کا امام تصور کرتا ہوں، میرا خیال ہے

وہ دنیا کے عبقری انسانوں کی فہرست میں شامل ہیں۔ ان کی ذات سے نہیں۔ ان کی صفات اور نسیبِ اداوی فکر سے اتنی ہی محبت رکھتا ہوں۔ جتنی بیٹا اپنے باپ سے اور مرید اپنے مرشد سے رکھتا ہے۔ ان کی پرجوش محبت و عقیدت کا یہ سیلاب انہیں اس مقام پر بھی پہنچا دیتا ہے کہ وہ اپنے ”ایک عزیز“ ہی پر رعب جاتے ہیں :-

————— ”اُنندہ جماعتِ اسلامی پر کچھ اچھالنے سے پرہیز کریں۔

بغیر اس کے کھانا مضمّن نہ ہوتا ہو تو عام عثمانی کو برا بھلا لکھیے۔ اس کی سیاہ کاریاں دنیا کو دکھلائیے۔ اس پر ہمیں جوش نہیں آنے گا۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ اس بد نہاد کے پیچھے آپ کے ساتھ ہم بھی تالیاں بجانے میں شریک ہو جائیں۔—————

مدیرِ تجلی کے ذہنی جغرافیہ کو سمجھ لینے کے بعد اب یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ موصوف کی وابستگی مودودی صاحب اور ان کی چلائی ہوئی تحریک سے کس قدر اندھا دھند اور جنون انگیز ہے! سپردگی اور دار فتنگی کا یہ ہوش ربا اندازِ غمازی کر رہا ہے کہ مدیرِ محترم اپنے امامِ وقت، پدرِ معنوی اور مرشدِ کامل نیز اپنی پسندیدہ جماعتِ اسلامی پر کسی تنقید کے متعل نہیں ہو سکتے۔ جب سینے میں محض جذباتِ مستلاطم ہوں تو باعموم فکر و نظر مفرور ہو جاتی ہے اور گویائی کے اسلوب پر بھی قابو نہیں رہتا ہے اس کی کامیاب مثال مدیرِ تجلی کا مضمون ہے۔ جس کی اہتِ اس دعوے سے ہوتی ہے

”اس دنیا میں کسی جماعت سے بعض لوگوں کا خروج کوئی نادر واقعہ نہیں۔ جماعتِ اسلامی بھی اس دنیا کی جماعت ہے۔ اس سے اگر کچھ لوگ وقتاً فوقتاً خروج کرتے رہے ہیں تو اس میں نہ حیرت کی کوئی بات

اے :- تجلی دیوبند۔ شمارہ مئی ۱۹۶۵ء (ص ۵۱) : ۲ (الہین ص ۱۵۲)

ہے۔ نہ یہ خروجِ جماعتِ اسلامی کے عیب دار ہونے کی دلیل ہے لے  
مذکورہ بالا دعویٰ کی صداقت کے لئے دلیل بھی ملاحظہ فرمائیے :-

———— قاضی انسانی کے میر کاروان ہر بشری عظمت و رفعت کے  
خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے متصل بعد خروج کا ایک طوفان آیا۔  
..... بے شمار لوگ اسلامی جماعت سے کٹ کر حزب الشیطان  
کے کیمپ میں جا بیٹھے تھے، مگر یہ کٹنا اور اسلامی جماعت سے نکل جانا  
اس بات کی دلیل نہ تھا کہ اسلام یا اسلام کے حامل صحابہ کرام میں کوئی  
نقص تھا ——— لے

آگے چل کر مدیر تجلی گریز کا پہلو اختیار کرتے ہیں :-  
———— ”آج کی مصطلحہ جماعتِ اسلامی سے خروج اگرچہ اسلام  
سے خروج نہیں بلکہ محض ایک تنظیم سے خروج ہے اور خروج کرنے والوں  
کے لئے کسی قسم کا کفر ثابت نہیں کیا جاسکتا “ ——— لے

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب دین اسلام سے خروج اور مصطلحہ جماعتِ اسلامی  
سے خروج کی حیثیت و نوعیت میں بنیادی طور پر فرق ہے اور دونوں کے جداگانہ  
نتائج مرتب ہوتے ہیں تو عمل خروج کی محض ایک جزوی مماثلت سے مدیر تجلی کے دعویٰ کو  
کیا تقویت پہنچ سکتی ہے؟ اور اس تمثیل کا یہاں کیا عمل تھا؟ ارباب عدل و دیانت غور  
فرمائیں! مدیر تجلی کے مذکورہ دعویٰ کی صداقت کے لئے دین اسلام سے قطع نظر جماعتی  
خروج ہی کو گورنر جنرل دیکھئے تو بڑی مایوسی ہوتی ہے۔ کیا انہیں کے انداز میں یہ کہنا صحیح  
ہوگا کہ امام ابوحنیفہ اشعری المتوفی ۲۴۱ھ نے جماعت معتزلہ کی آغوشِ مہر پوش پائی،  
کم و بیش ۱۰۰ سال تک معتزلہ کے عقاید و نظریات کی تبلیغ کرتے رہے اور جب انہوں نے

۷ (تجلی دیوبند شماره مئی ۱۹۵۵ء، ص ۳۵) لے (الایضاً ص ۳۵) (۳۵ ایضاً ص ۳۵)

جماعت معتزلہ سے خروج کیا تو ان کا یہ عمل جماعت معتزلہ کے باطل اور عیب دار ہونے کی دلیل نہیں یا ان کا کٹنا اور جماعت معتزلہ سے نکل جانا اس بات کی دلیل نہ تھا کہ معتزلہ یا اس کے افکار و نظریات کے حامل لوگوں میں کوئی نقص تھا!!

مجھے ایسے کہ مدیر تجلی اپنے دعویٰ پر نظر ثانی کرتے ہوئے اس بات سے بھی اتفاق کریں گے کہ دین، سلام کے تاریخی فتنہ اترداد کی غلط ابے محل اور پرفریب تمثیل پیش کر کے مصطلح جماعت اسلامی سے خروج کرنے والوں کی بے توقیری کرنا ان کے سکتہ دلوں کی آواز کو ہوا میں اڑا دینا۔ ان کی زندگی کے اہم تجربات و مشاہدات کو یک فلم مسترد کر دینا اور محض جماعت کی عصمت و پاک دامنی کے تحفظ کے لئے اختراعات کا جال بچانا انہیں لوگوں کا مزاج و شعور رہا ہے۔ جن کو داغ پر ہمیشہ ذل مستط رہتا ہے یا جن کی فکر و نظر ہمہ وقت جذبات کے طغیان میں ٹھوکریں کھاتی رہتی ہے۔ کسی جماعت سے کسی شخص کے خروج پر کوئی حکم صادر نہیں کیا جاسکتا۔ تا وقتیکہ یہ معلوم نہ ہو کہ خروج کرنے والا کون ہے؟ اور خروج کے اسباب و علل کیا ہیں؟ اگر کوئی محض اپنی تلون مزاجی، کوتاہ نظری اور مادی مفاد کے پیش نظر کسی جماعت کو خیر باد کہے تو بلاشبہ مذکورہ جماعت کی صحت پر کوئی خراب اثر نہیں پڑے گا لیکن اگر کوئی ایسا شخص جس نے

”بلند توقعات اور اصلاح ذات اور خدمت دین کی حسین

آرزوؤں کے ساتھ جماعت میں شرکت کی تھی۔ جس نے خدمت دین اور نجات اخروی کی خاطر محض کسی تنظیم میں شرکت ہی نہیں کی۔ بلکہ اس کے لئے والدین اور اعزہ و اقربا کو چھوڑا، اپنوں کو بے گانہ بنایا اور دنیا بھر سے لڑائی مول لی..... جس نے جماعت کو حق کا علمبردار سمجھا تو اس کی ایک ایک بات کی تبلیغ و تائید میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اور جن لوگوں نے جماعت کی مخالفت کی

ان کے عملوں سے اسے محفوظ رکھنے کے لئے اپنی تمام توانائیوں کو نچوڑ دیا۔  
..... جو جماعت کے اعلیٰ منصب پر بھی فائز تھا اور اپنی سترہ سالہ  
خدمات کی بنا پر حلقے کے قیام سے لے کر امیر تک کے لئے انتہائی موزوں آدمی  
تھا۔

اپنے مسلسل شواہد و تجربات کو باقاعدہ دلائل کے ساتھ پیش کرے اور جماعت  
کی بے اصولی، کمزوری، مصلحت پرستی، ابن الوقتی، نفع خوری اور اخلاقی زوال و انحطاط  
کے گھناؤنے مناظر سے تنگ آکر جماعت سے خروج کرے تو ایسے شخص کے لئے چلتے فقیروں  
مراجیہ ریماکس (Humorous Remarks) طنزیہ لب دلہجے اور غم و غصہ کے طور پر  
یہ کہہ دینا سود مند نہ ہوگا کہ

”جماعت اسے اگر کچھ لوگ وقتاً فوقتاً خروج کرنے سے ہیں  
تو اس میں نہ حیرت کی کوئی بات ہے نہ یہ خروج جماعت اسلامی کے  
عیب وار ہونے کی دلیل ہے۔“ (ایضاً ص ۲۵)

یا ”اچھا ہی ہوا کہ موصوف جماعت اسلامی سے الگ ہو گئے  
خدا کرے اور بھی وہ لوگ جلد الگ ہو جائیں۔ جن کی بے کرداری  
اور لفاق و بزولی کا یہ عالم ہو۔۔۔“

بلکہ یہ خروج درحقیقت جماعتی تاریخ کا وہ المیہ (Tragedy) ہے جس  
کے گہرے اثرات کو محو کرنے کے لئے قومی تردلائل فراہم کرنے پڑیں گے اور غاص  
جذبات کو مشتعل کرنے کے بجائے فہم و شعور کو آواز دینی ہوگی۔ مسئلہ کے اس اہم  
رنج کو بھی ذہن میں رکھنا ہوگا کہ خروج کرنے والے کوئی سر پھرے نہیں تھے اور نہ  
ابھیں کسی پاگل کتے نے کاٹ کھا یا تھا۔ لہذا کوثر نیازی سے قبل بھی محاورہ ”نعمانی

لے (نہیں استغنیٰ نامہ کوثر نیازی) لے (ایضاً ص ۳۹)

ابوالحسن علی ندوی، امین احسن اصلاحی اور جید الدین خاں جلیے مختلف جماعتوں کے اکابر کو جماعت اسلامی اور اس کے امیر سے کمال متنفر کیوں پیدا ہوا؟ اس ضمن میں مدیر تجلی نے ایک دلچسپ وجہ بتائی ہے کہ ان لوگوں کو ”جماعت اسلامی کے بنیادی نظریات اور مقاصد و مبنی“ سے اختلاف نہیں تھا بلکہ ”یہ لوگ پالیسی اور طریقہ کار سے اختلاف کے باعث آمادہ خروج ہوئے“ معلوم ہوتا ہے کہ کسی جماعت کے نصب العین یا مقاصد اور اس کی پالیسی یا طریقہ کار میں جو ربط باہمی ہوتا ہے اس پر مدیر تجلی کی نظر نہیں پہنچی یا وہ دیدہ و دانستہ صرت ”جماعت اسلامی کی اصل دعوت محوری فکر اور مقصد و مبنی“ کی حفاظت و دفاع ہی کے لئے کوشاں ہیں!

بہر حال یہ تو یہی سی بات ہے کہ اگر خروج کرنے والوں کو جماعت کے مقاصد

و نصب العین سے اختلاف ہوتا تو شریک جماعت ہی کیوں ہوتے لیکن اس حقیقت کو فراموش نہ کیجئے کہ جماعت کی پالیسی یا طریقہ کار کے اختلاف کی لپیٹ میں جماعت کا نصب العین بھی آجاتا ہے۔ اس نقطہ نظر کی اہمیت مدیر تجلی کی نگاہوں میں نہ سہی مگر آج کی ترقی یافتہ دنیا میں حصول نصب العین یا مقاصد کا انحصار تا مাত্র پالیسی اور طریقہ کار ہی پر ہے۔ کسی جماعت کے نصب العین یا مقاصد کو خوشنما کاغذی پیراہنوں میں ملفوف کر لینا اس جماعت کے اعلیٰ دارفہ ہونے کی دلیل نہیں۔ جماعت کی بلندی کا راز اسی میں ہوتا ہے کہ وہ اپنی پالیسی اور طریقہ پر ہمہ وقت ایسی نظر رکھے کہ تحصیل نصب العین یا حصول مقاصد میں کسی شک کی گنجائش نہ ہو۔ اس اعتبار سے جن لوگوں نے مصطلح جماعت اسلامی کی پالیسی یا طریقہ کار سے اختلاف کی بنا پر راہ خروج اختیار کی وہ بالیوسی کا تلخ گھونٹ پی کر یہ اعلان بھی کر گئے کہ نامشی نصب العین یا کاغذی مقاصد موجب فلاح و نجات نہیں بن سکتے! اب شاید یہ حقیقت واضح ہوگئی ہو کہ پالیسی یا طریقہ کار کا اختلاف جماعت کے مقاصد و نصب العین پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے؟

مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ کوثر نیازی صاحب پہلے غصے ہیں۔  
جنہوں نے اپنے پیش زدوں کی طرح جماعت اسلامی سے سبکدوشی نہیں حاصل کی  
بلکہ اس جہان خوب وزشت میں ایک ایسا "اضطراب شوق چھوڑ گئے کہ ان کا مراسلہ  
اور استغفی نامہ آج بھی حلقہ بگوشاں جماعت کے لئے سوبان روح ہے۔

”اب کوثر سیری صاحب نکلے ہیں، ان کا نکلنا قدرے ہنگامہ خیز  
اس لئے نظر آیا کہ اپنے خروج کے اسباب و علل کی تفصیل انہوں نے  
پریس میں بھی لانی ضروری سمجھی اور ان کا ایک مطول خط اخباروں  
میں شائع ہوا ہے۔ — لے

مدیر تجلی نے ”ہنگامہ خیزی“ پر تو نگاہیں رکھیں لیکن خروج کے ”اسباب و علل“  
فراموش کر گئے اور صرف یہ اشارہ کر دیا کہ ”ایک مطول خط اخباروں میں شائع ہوا ہے  
”آخر اس مطول خط کے مندرجات کیا ہیں؟ کن حقائق کو پیش کیا ہے؟ کس نوع  
کے سوالات اٹھائے ہیں؟ پالیسی یا طریقہ کار پر کیا بحث ہے؟ جماعت کے نظام نگر و عمل کے کتنے  
زاوے دکھائے ہیں؟ جماعت کے لٹریچر کے کن خطرناک مضمرات کی نقاب کشائی کی  
ہے؟ تاریخ جماعت کی مہنایب و ترتیب کن بنیادوں ہے؟ اور تمام تجربات و مشاہدات  
کی صحت و صداقت کے لئے محبت و برہان کا اہتمام کیا ہے؟ غرض کہ یہ اور اس کی  
طرح بہت سارے سوالات ہیں جو کوثر نیازی صاحب کے مراسلے کے لطن سے وجود میں  
آتے ہیں اور جنہیں مدیر تجلی نے یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔ موصوف اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ  
”دور بیٹھ کر نظر پائی اور عملی بحثیں تو ہو سکتی ہیں۔ لیکن واقعاتی صداقتوں کا فیصلہ  
جاسکتا ہے۔ — لے

اس سے قبل وہ مذکورہ مراسلے میں پیش کردہ حقائق کے بارے میں تحریر کرتے ہیں



Marfat.com  
Marfat.com

Marfat.com  
Marfat.com

Marfat.com  
Marfat.com